حُرمتِ حرف

باقر زیدی

حُرمتِ حَرف

باقر زیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فَتَکَلَّمُوْا تُعْرَفُوْا

کلام کرو کہ پہچانے جاؤ:

(حضرت علیؑ)

انتساب

ربِ کائنات،
معصومین علیہم السلام،شہیدانِ کربلا
مرحوم والدین و برادر جعفر زیدی

اور

ملیثم،نورین، ہانی اور عنبرین کے نام جن کے روشن چراغوں،
شجیع اور جاشوا سے میرا شبستانِ حیات ہمیشہ تاب ناک رہے گا، انشاءاللہ

اور

اپنے تمام سننے والوں کے نام
جنھوں نے نہ صرف میری کاوشات کی پذیرائی کی
بلکہ ان کی دستیابی کی خواہش بھی ظاہر کی۔

A book of Urdu religious poetry

Hurmat-e-Harf
by
Baquer Zaidi

© All rights reserved

First Edition 2008
Second Edition ???

Composed by
Faisal Ahmed

Title by
Ali Ansar Rizvi

Published by
Ailia Publications

Available from:
Hani Zaidi
7500 Cavan Court,
Laurel, Maryland 20707-6875
USA

Phone: 301-617-9927

Price. Rs.???

ترتیب

ابتدائیہ	ڈاکٹر ہلال نقوی	۷
پسِ حُرمتِ حرف	باقر زیدی	۱۰
خود شناسی	باقر زیدی	۱۲
قطعۂ تاریخ	ساجد رضوی	۱۷
باقر زیدی کی روشِ نعت گوئی	مامون ایمن	۱۸
باقر زیدی کی منقبت	ڈاکٹر سید تقی عابدی	۲۴
باب الحمد		۳۷
باب الرحمت		۵۱
باب مناقب		۸۹
سلام		۳۴۵
نوحے		۳۷۹
مرثیے		۳۹۳
متفرقات		۴۷۱
مناجات		۵۲۱

پسِ حُرمتِ حرف

سب کی قسمت نہیں ہے خدمتِ حرف
قابلِ رشک ہے یہ نسبتِ حرف

اک متاعِ قلم ہے باغِ سخن
کیا لگائے گا کوئی قیمتِ حرف

لکھ دیا اک صحیفۂ مدحت
مجھ پہ اتری ہے ایسی ساعتِ حرف

چھو رہی ہے حدودِ کون و مکاں
میرے قد سے فزوں ہے قامتِ حرف

منجلی ہے مثال کاہکشاں
حرفِ حرمت سکونِ حرمتِ حرف

۲۰۰۸ء

ڈاکٹر ہلال نقوی

ابتدائیہ

یہ بات بہت تحقیقی ذمہ داری کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ادبیات کے ذخیروں میں اردو رثائیات کا شعری ذخیرہ خود اپنی ایک جداگانہ دنیا رکھتا ہے۔ دیگر رثائی اصناف اپنی جگہ پر خود مرثیے کی تاریخ ہی حیران کن ہے۔ ایک مرزا دبیر ہی کو لے لیجیے، فراق گورکھپوری نے ان کے کلام کو بحرِ ذخار کہا ہے، اور اگر اس شعری تاریخ میں آپ رثائیات کے ساتھ ساتھ مناقب و قصائد کے سیکڑوں اشعار بھی شامل کر لیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان خاصانِ خدا یعنی اہل بیتؑ کے حوالے سے اردو زبان ایک نئے تہذیبی، تاریخی اور ادبی ذائقے سے روشناس ہوئی۔ یہ بھی ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہ شعری ذخیرے صرف اپنے حجم کے اعتبار ہی سے نہیں بلکہ حجم اور حشم دونوں زاویوں سے اپنی ابدیت اساس شناخت رکھتے ہیں۔ حجم کے ساتھ میں نے حشم اس لیے کہا کہ حق و صداقت کی حشمت جس طرح اس شعری تاریخ میں در آئی ہے، وہ اردو تو کیا، عالمی ادب میں بھی ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔ آپ اس وقت ہمارے تمام تر منقبتی اور رثائی اثاثے کو ایک طرف کر دیجیے اور باقر زیدی صاحب ہی کے اس مجموعے کو اٹھا لیجیے تو آپ سے اس کا پہلا تعارف اس کے جس نام سے ہوگا، اس میں خود حشمت و وقار کا آئینہ دمکتا نظر آئے گا — حُرمتِ حَرف۔

کہنے کو تو 'حرمتِ حرف' بہت سادہ نام ہے لیکن اس کی پہنائی کو کون تلاش کر سکے گا۔ حرفِ کُن سے اقرأ تک جو ایک سرمدی رو انسانی تاریخ کو لے کر آگے بڑھی ہے اس نے ہمیں حرف کی حرمت کا جو احساس دلایا ہے، وہ شعرائے اہل بیت کے حلقوں میں پہنچ کر ایک لازوال مسیحائی کی آواز بن گیا ہے جسے باقر زیدی نے اس طرح سمیٹ لیا ہے:

حرفِ حُرمت بنام حُرمتِ حرف

یہاں حرف، حرمت بن گیا ہے اور حرمت حرف میں ڈھل گئی ہے اور پھر 'حُرمتِ حرف' ایک استعارہ بن گیا ہے۔ زندگی اور زندہ رہنے کا استعارہ۔ اگر یہ ان کے صرف مجموعے کا نام ہوتا تو کسی لمحے یہ خیال آ سکتا تھا کہ باقر زیدی نے اس مجموعے کی ترتیب و تدوین کے کسی لمحے میں اچانک یہ نام طے کر لیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اس مجموعے کے ابتدائی پانچ شعر، آپ انہیں پنجتنی شعر بھی کہہ سکتے ہیں، انہوں نے حرف کی ردیف میں لکھے ہیں، حُرمت کو قافیہ قرار دیا اور پھر وہ خدمتِ حرف، نسبتِ حرف، قیمتِ حرف، ساعتِ حرف اور قامتِ حرف سے اپنے اس مجموعے کا ابتدائیہ تعمیر کرتے ہیں — پہلے ان کا شجرۂ ادب۔

تخلیق کار اپنے شجرہ نسب سے نہیں اپنے شجرہ ادب سے پہچانے جاتے ہیں۔ باقر زیدی صاحب کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کا شجرہ نسب بھی اپنا ایک افتخار رکھتا ہے۔ وہ اردو کے ایک بہت زرخیز ذہن کے مرثیہ نویس فیض بھرت پوری مرحوم کے فرزند ہیں۔ کیونکہ باپ بھی تخلیق کار ہیں تو پھر نسب بھی ادب سے ہم رشتہ ہو گیا۔ یہی وہ طہارت فکر اور شرافت نسل کا امتزاج ہے جو 'حُرمتِ حَرف' کی دہلیز تک پہنچا ہے۔

باقر زیدی کے اس مجموعے میں ایک وہ منزل بھی مجھے نظر آتی ہے جہاں وہ اپنے ادب اور اپنے نسب دونوں کو ایک ایسے مقدس نام سے جوڑ دیتے ہیں جس کی سرمستی ان کے ہاں بڑا رنگ رچاتی ہے:

احسان خدا کا ہے اپنا یہ نسب باقر
نسبت ابوطالب کی رشتہ ابوطالب کا

اسی ازلی و ادبی نسب نامے کی دوسری کڑی ذاتِ علی ہے، میں نے ابھی جو یہ بات لکھی کہ ان کی شاعری میں ان مقدس ناموں سے سرمستی و ہستی کے سرے جڑے ہوئے ہیں تو یہ کچھ غلط نہیں۔ دیکھیے کیسا جوشِ وجذبہ اور کیسا تموج ہے اس قطعے میں:

ولا کی بزم میں جس طرح، ماتمی آیا
نہ مجتہد کوئی آیا نہ مولوی آیا

نجف سے پی کے چلا تھا غدیرِ خم کی شراب
چڑھی ہوئی تھی سو کرتا علی علی آیا

باقر زیدی کے اس مجموعے میں 'نذرِ غالب' کے عنوان سے جو منقبتی نظم ہے، اس میں 'علی علی کہا کرو' کا وردان کی مودت ومحبت کا سرنامہ ہے۔

'حرمتِ حرف' کی دلآویزی و دل نشینی میں ایک ایسا رچاؤ ہے جو محمد وآلِ محمد کے 'عشق' سے شروع ہو کر اپنے عہد کی ان یادگار شخصیتوں تک کے تذکرے تک پہنچ جاتا ہے جو 'عشقِ آل' ہی کے سبب نامور ہوئے۔ اس مجموعے میں ذکرِ اہلِ بیت سے فکرِ اہلِ بیت تک کے کئی جادے باقر زیدی نے عبور کیے ہیں۔ ان زندہ جاوید بزرگانِ خدا پر لکھی جانے والی ان کی شاعری تو ان کی محبت کا نکتہ کمال ہے ہی لیکن اپنے دور کے اہم لوگوں کو انہوں نے جس خوبی کے ساتھ نظم کا حصہ بنایا ہے، وہ بھی ہمیں بہت متاثر کرتا ہے۔ ایک مرثیے میں علمائے کرام کا خطیبِ عظام کا تذکرہ بھی اپنی جگہ لیکن کراچی کے نامور نوحہ خواں تجے کے لیے ان کے شعر بھی بڑا احساس جگاتے ہیں اور پھر ان کی مثنوی 'بھولتے ہی نہیں ہو تم ----' ان کے گھر، ان کے خاندان اور ان کے روز و شب کا ایسا مرثیہ ہے کہ دل کو کاٹتا چلا جاتا ہے— حرمتِ حرف، کو ہم اس دور کے اہم شعری مجموعے کے طور پر یاد رکھ سکتے ہیں۔ اس پر گفتگو اور ایک تنقیدی مباحثے کی بہت گنجائش ہے۔ برادرم ساجد رضوی صاحب نے تفصیلی مقدمے کے لیے اصرار کیا تھا، مگر اپنی بعض تحقیقی مصروفیات کے سبب میں ان کا حق ادا نہیں کرسکا۔

۳۰ ستمبر ۲۰۰۸ء
انتیسویں رمضان، ۱۴۲۹ھ
کراچی

باقر زیدی

پسِ حُرمتِ حَرف

"عفراتِ سخن" کو آثار و افکار اکیڈمی، پاکستان کی طرف سے "حسنِ سخن" ایوارڈ سے نوازا گیا اور لذتِ گفتار کو اردو مرکز انٹرنیشنل (یوایس اے) کی جانب سے "دی بیسٹ بک آف دی ایر" کا ایوارڈ دیا گیا۔ اہلِ امریکا و کینیڈا کی جانب سے بالخصوص اور پاکستان و ہندوستان کے اردو بولنے والوں کی پذیرائی نے بالعموم میرے حوصلے اور اعتبار میں اضافہ کیا ہے۔

خدا کرے پچھلی کاوشوں کی طرح میری یہ کتاب بھی آپ کی پذیرائی حاصل کرے۔ آمین

حرمتِ حرف میں اُن دو مثنّی نوحوں کے علاوہ جو ۱۹۵۲ء میں لکھے گئے، سارا کلام گزشتہ بیس برسوں پر محیط ہے۔ جو دراصل میری شاعری کی عمر ہے، یعنی ۱۹۸۷ء سے ۲۰۰۷ء۔

؎ پیر ہیں ہم تو کیا کہ ہے عمرِ سخن شباب میں

ابتدائی دو برسوں کے علاوہ سارا کلام امریکا میں لکھا اور یہیں پڑھا گیا۔ یہ بات اُن اشاروں اور حوالوں سے بھی ظاہر ہے جو اس کلام میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ حُرمتِ حُرف میں حمد، نعت، منقبت، نوحہ، سلام اور مرثیوں کے علاوہ کچھ متفرق کلام بھی ہے جو وہاں کی تہذیبی اور سماجی خدمات پر مبنی ہے۔ اس شاعری میں امریکا کی بود و باش، ماحول اور وہاں کے لوگوں کی فکر و نظر کی عکاسی جگہ جگہ نظر آئے گی۔ بعض ترجیحات بھی اردو کے مستند منطقوں سے کچھ مختلف نظر آئیں گی۔

شاعری اور فن کے حوالے سے نہ کبھی میں نے کوئی دعویٰ کیا ہے اور نہ کبھی ایسا کرنے کا

امکان ہے۔ تجربہ اور مشقِ سخن میں جتنا آگے جاتا ہوں، میری تشنگی اور بڑھتی چلی جاتی ہے۔

؎ تشنۂ آبِ سخن ہوں مجھے پانی دے دے

"حُرمتِ حُرف" کی اشاعت کا ایک اہم محرک یہ بھی ہے کہ بیشتر احباب جنھوں نے اس کلام کو حاصل کرنے کی خواہش کی، وہ اسے بآسانی حاصل کر سکیں۔

پسِ حُرمتِ حُرف بہت سے لوگوں کی مساعی اور مشورے کارفرما رہے ہیں اور میں اُن سب کا ممنون ہوں — بالخصوص ڈاکٹر سیّد تقی عابدی، جناب شاداںؔ دہلوی، جناب سیّد علی عباس رضوی، جناب اقبال کاظمی، جناب سرفراز ابدؔ، جناب عدنان عادل، جناب عالم زیدی کہ ان کے گراں قدر مشوروں نے میرے کام میں سہولت اور آسانیاں فراہم کیں۔ جناب مامون ایمن کا بطورِ خاص ممنون ہوں کہ انھوں نے حسبِ سابق اپنی تمام خدمات کی پیشکش بھی کی اور ان کو بڑی مستعدی سے نبھایا بھی اور میری نعت گوئی پر ایک گراں قدر مقالہ بھی تحریر کیا۔

یہ ناشکری ہوگی اگر ساجد رضوی کی اُن شب بیداریوں کو نظر انداز کر دیا جائے جو انھوں نے "حرمتِ حرف" کی تہذیب و ترتیب میں گزاری ہیں۔ موصوف شب و روز میرے ساتھ مشغول رہے۔ وہ شاید اپنی کتاب پر بھی اتنی راتوں کی نیند قربان نہ کرتے جو اس مہمان کی خاطر اُنھوں نے بڑی خوش دلی سے قبول کی۔

آخر میں مَیں اپنی بیوی اور بچوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ انھوں نے گھر کے ماحول کو ہمیشہ سازگار رکھا کہ "حُرمتِ حُرف" کی شاعری منظرِ شہود تک آسکی۔ خداوندِ عالم ان تمام حضرات کو اپنے حفظ و امان میں، تندرست، توانا اور خوشحال رکھے، آمین۔

کراچی

۲۵ رنومبر ۲۰۰۷ء

خودشناسی

کیا کہوں آپ سے کہ کیا ہوں میں
نسلِ آدم کا سلسلہ ہوں میں

کوئی گتھی ہوں نے معمہ ہوں
عام سا بندۂ خدا ہوں میں

صدق کوئی مزاج میں ہے، مگر
ابنِ آدم ہوں، پُر خطا ہوں میں

سچا اپنے کو کہہ نہیں سکتا
جھوٹ مشکل سے بولتا ہوں میں

دین اُس کی ہے عزت و ناموس
سر بہ سر شکرِ کبریا ہوں میں

وہ جو اک شہرِ علم کا در ہے
بس اُسی در کا اِک گدا ہوں میں

خوش نسب ہوں کہ زیدی سیّد ہوں
نور کی خاک سے بنا ہوں میں

طالبِ مغفرت ہوں اُن کے لیے
جن کی آغوش کا پلا ہوں میں

اُن کی اَرواح کی روش پہ ہوں
جن بزرگوں کی خاکِ پا ہوں میں

نعمتیں اُس کی بے حساب ملیں
شکر خالق کا کر رہا ہوں میں

میں ہوں فرزندِ فیضؔ، فیضؔ کا فیض
اک برستی ہوئی گھٹا ہوں میں

اِنَّا اَعۡطَیۡنٰکَ ثمر لائی
ایک گلشن ہرا بھرا ہوں میں

یہ بھی عزت اُسی نے دی ہے مجھے
اپنے کنبے کا جو بڑا ہوں میں

اپنے لوگوں کی خوشدلی کے لیے
دل سے نکلی ہوئی دعا ہوں میں

شہر کا شہر بے ثمر ہے جہاں
اُس جہاں میں ثمر نما ہوں میں

اپنی اقدار کے بچانے کو
عافیت کا محاصرہ ہوں میں

اہلِ محفل یہ خوب جانتے ہیں
رنگِ محفل سے آشنا ہوں میں

اپنے ماحول سے الگ ہوں ذرا
جن میں ہوں، ان سے کچھ جدا ہوں میں

شکر ہے دل میں میرے کھوٹ نہیں
لوگ کہتے تو ہیں، کھرا ہوں میں

پھر بھی اچھا نہیں ہوں اچھوں سے
ہاں بُروں سے سوا بُرا ہوں میں

میں ہوں ڈُوبا ہوا گناہوں میں
کب کہا ہے کہ پارسا ہوں میں

جہل کا اپنے خود ہی عالم ہوں
کیسے کہہ دوں پڑھا لکھا ہوں میں

کیا ہوں میں اور کیا مری اوقات
بے ہنر ہو کے خود نما ہوں میں

دل دُکھانے کو جانتا ہوں گناہ
حسبِ توفیق بچ رہا ہوں میں

میری قامت سے بڑھ کے قد ہو مرا
یہ بھی اِک خواب دیکھتا ہوں میں

میری عزت پہ حرف آئے اگر
پھر جو ہوں اُس سے دس گُنا ہوں میں

مضمحل ہوگئے قویٰ میرے
کب سے غالب کا ہم نوا ہوں میں

وزن رکھتی ہے میری بے وزنی
گرچہ بالکل نپا تُلا ہوں میں

سب سے رکھی ہے میں نے راہ الگ
اپنا ہی راستہ چلا ہوں میں

میل دل میں جو مجھ سے رکھتے ہیں
ان کی تکلیف جانتا ہوں میں

کچھ خفا ہیں بلا سبب مجھ سے
ایسا کیوں ہے یہ سوچتا ہوں میں

مجھ کو اللہ سلبِ حق سے بچائے
جس کا جو حق ہے دے رہا ہوں میں

میرے ذمّے کسی کا دین نہیں
شکر مالک کا کر رہا ہوں میں

وقت کے دل شکن رویوں کو
بردباری سے جھیلتا ہوں میں

غصّے سے لال پیلا ہوتا نہیں
بات کی اصل دیکھتا ہوں میں

کوئی جھگڑا کبھی کیا ہی نہیں
امن کا راستہ چلا ہوں میں

حاسدوں کی نظر کا کانٹا ہوں
خیر خواہوں کا آئینہ ہوں میں

سب نمازی صفوں کے اندر ہیں
مقتدی ہوں نہ مقتدا ہوں میں

روشنی مجھ سے پا رہی ہے فروغ
ایک جلتا ہوا دیا ہوں میں

جیسے ملتے تھے لوگ ملتے نہیں
فرق محسوس کر رہا ہوں میں

جو جہاں چاہے جب بھی پڑھ لے مجھے
اِک صحیفہ کھلا ہوا ہوں میں

ورثۂ جد سے جو ملا ہے قلم
آبرو اُس کی رکھ رہا ہوں میں

وجہِ شہرت ہے شاعری میری
ہر چمن میں غزل سرا ہوں میں

سب نے دیکھی ہے "لذتِ گفتار"
کون کہتا ہے بے نوا ہوں میں

حسبِ توفیق و حسبِ خواہش دل
نام مولا کا لے رہا ہوں میں

میرا طوطی بھی بولتا ہے یہیں
بلبلِ گلشنِ ولا ہوں میں

منقبت، نعت، مرثیہ و سلام
ان ہی باغوں میں گھومتا ہوں میں

سننے والے بہم ہوئے ہیں تو پھر
خیر سے پھر غزل سرا ہوں میں

میں "فراتِ سخن" کا پیاسا ہوں
شاعرِ دشتِ نینوا ہوں میں

نام اپنی کتاب کا باقرؔ
"حرمتِ حرف" رکھ رہا ہوں میں

۞

ساجد رضوی

قطعۂ تاریخ

شاعرِ خوش فکر، جناب باقؔر زیدی کی کتاب ’’حُرمتِ حرف‘‘ پر

باقؔر کا سَر ہے اور درِ باقر العلوم
وہ دے رہے ہیں دشتِ سخن میں اذانِ جاں
فکرِ حُسینیت کے ہیں خوگر بہ ظرفِ دل
ذکرِ حسینؑ ہی تو ہے ساجؔد نشانِ جاں

مامون ایمنؔ (نیویارک)

باقرؔ زیدی کی روشِ نعت گوئی

باقر حسن زیدی کی روشِ نعت گوئی، شعر گوئی کی راہ اور منزل کی مرہونِ منّت ہے۔ یہ روش وجدان سے معمور اور جذبۂ قربِ رسولؐ کی بے پایاں سرشاری سے پُرنور ہے۔ مجوزہ قرب اکتسابی نہیں۔ یہ قرب نسبی بھی ہے اور وَہبی بھی۔ یوں باقرؔ کی نعت آئینۂ صفت ہے۔ حقیقت سے ہم کنار اور رُخِ حق کی مانند طرح دار۔ اس طرح داری میں صوری حسن بھی ہے اور معنوی حسن بھی۔ یہ حسن بدلتے موسموں کا ہدف بن کر بدلتا نہیں۔ یہ حسن نہ چاند ہے اور نہ سورج کہ گہنا کر منجلی ہو۔ یہ حسن پیامِ حبِ نبیؐ کی وہ اسیری ہے جو ہر ذی ہوش کو عارضی نسبتوں کی زنجیروں سے آزاد کرتی ہے۔ یہ آزادی پائندہ محبت کی رہ گزار ہے۔ وہ رہ گزار جس کی خاک کہکشاں سے زیادہ روشن ہے۔ اس روشنی کی راہ میں کوئی قدغن نہیں کہ سرنگوں جذب ہر بام سے بلند ہوتا ہے۔ یہی سرنگوں جذب باقرؔ کی نعت گوئی کے اسلوب کی اساس ہے۔ اس اساس میں ایک برجستہ اعلان، اعتراف کی صورت عیاں ہے۔ اس اعتراف میں رضائے محمدؐ کی طلب ہے۔

رضائے محمدؐ کے طالب ہو باقرؔ
رضائے خدا ہے رضائے محمدؐ

اس شعر کا حسن، ایک اضافتی ترکیب "رضائے محمدؐ" کی تکرار سے دوبالا ہو جاتا ہے۔ اس تکرار میں فنِ زباں واضح ہے۔ یعنی مصرعِ اولیٰ "رضائے محمدؐ" سے شروع ہوتا ہے اور مصرعِ ثانی میں اسی پر ختم ہوتا ہے۔ باقرؔ کے اسلوب میں اضافتی تراکیب فراواں ہیں۔ مثلاً "عرصۂ حیات، رنگِ بہار، چشمِ دل، چشمِ حقیقت، آسودۂ ساحل، ممدوحِ خدا، رگِ جاں، مدحِ

نبیؐ، سوادِ شام، حرفِ جاں، حرزِ جاں، چشمِ عقیدت" وغیرہ اردو ادب کی روایتی زبان میں مستعمل ہیں لیکن باقرؔ نے اختراع کا دامن بھی تھاما ہے، مثلاً "اہلِ شرف، گنجینۂ تخلیق، جوشِ ولا، زیبِ زباں، حرفِ ہنر" وغیرہ۔ اضافتوں کا سلسلہ سہ لفظی تراکیب میں بھی ملتا ہے، مثلاً "بہارِ صبحِ گلستاں، ہم رنگِ مصطفیؐ، آقائے دو جہاں۔" اس ضمن میں "ختم خانۂ مدینہ" کی حیثیت اختراعی ہے، "انفس و آفاق" ایک عمدہ عطفی ترکیب ہے۔ نیز "دشتِ اندوہ و بلا" میں اضافت اور عطف کا امتزاج ہے۔

باقرؔ کے اسلوبِ نعت میں بحروں کا انتخاب فن پر گرفت کی ولالت کرتا ہے۔ اس انتخاب میں تنوع کا رنگ جھلکتا ہے جو شاعر کے مزاج کا آئینہ دار ہے۔ بیشتر بحریں غنائیت سے معمور ہیں جن سے اصوات کے مترنم سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ یہ سوتے تشنہ دلوں کو سیراب کرتے ہیں اور سماعت کے در روشن کرتے ہیں، مثلاً سب سے پہلے انھی کا نور بنا/ وقت اس پہ گزر نہیں کرتا/ سارے بت پاش پاش ہو جائیں/ جس پہ نعتِ نبیؐ بیان ہوئی (فاعلاتن مفاعلن فعلن/ بحرِ خفیف مسدس مخبون مشعث محذوف)۔ مدینہ منزلِ فکر و نظر ہے/ وہ کنکر بھی گواہی دے رہے ہیں (مفاعیلن مفاعلین فعولن/ بحرِ ہزج مسدس سالم محذوف)۔ فہم سے بالا ہے رفعت آپ کی (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن/ بحرِ رمل مسدس سالم محذوف)۔ یہ تھیں مسدس (چھ رکنی) بحریں۔ اب ذرا مثمن (آٹھ رکنی) بحروں کی یہ مثالیں بھی ملاحظہ کیجیے۔ مرا دل کہ ہے آشنائے محمدؐ/ یہ خلقت میں اوّل ہیں آمد میں آخر (فعولن فعولن فعولن فعولن/ بحر متقارب مثمن سالم)۔ وہ بے نیاز مگر اس پہ محوِ ناز تو ہے (مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن/ بحرِ مجتث مثمن مخبون)۔ آپ پچھتائیں گے باقرؔ فکرِ عقبیٰ چھوڑ کر (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن/ بحرِ رمل مثمن سالم محذوف)۔ پھر مجھے نعت کی توفیق عطا ہوتی ہے/ یوں مری چشمِ عقیدت میں سمایا کوئی/ بات تو تب ہے کہ محشر میں پکارے رضواں/ وقت کچھ دور نہیں آج کے ظالم سن لیں (فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن/ بحرِ رمل مثمن سالم مخبون محذوف)۔ اے چشمِ عقیدت یہ تری دید کے دن ہیں (مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن/ بحرِ ہزج مثمن مکفوف محذوف)۔ حبِ نبیؐ کی مے کو عبادت سمجھ کے پی/ آیات کا جمال ہے سیرت حضورؐ کی/ پلکوں

کے موتیوں میں عقیدت کی آب ہے" (مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن/ بحرِ مضاع مثمن مکفوف محذوف)۔

نعت گوئی سے روایتی طور پر منسوب لفظیات میں "سائیں" کا استعمال عام نہیں (سائیں بہ معنی آقا، خدا، مالک، بھکاری یا ایک درویش کا کسی دوسرے درویش سے تخاطب کا ایک مخصوص لفظ)۔ باقرؔ نے اس لفظ کو ایک نئی جہت دی ہے، آقائے دیں۔ وہ آقا جس سے اہلِ ایمان کا مذہبی ربط بھی ہے اور جذباتی ربط بھی، وہ آقا جس کی ذات سے زمانہ ربّ العزت کی ذات سے آشنا اور معترف ہوتا ہے۔ وہ آقا جو تعلیماتِ ربانی سے خالقِ مطلق کے وجود کو ایک لافانی ذات کی حیثیت سے دنیا بھر کو روشناس کراتا ہے۔ لفظ "سائیں" سے باقرؔ کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کیجیے:

مدینہ منزلِ فکر و نظر ہے
مدینے میں مرے سائیں کا گھر ہے

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ "گھر" رسولِ پاکؐ کی بشریت کی جانب ایک واضح اشارہ ہے۔ الفاظ "مدینہ، منزل، نظر، سائیں، گھر" لفظ "مرے" سے مل کر خودسپردگی کی پذیرائی کے لیے دین اور دنیا کے شعوری اور حسّی در وا کرتے ہیں۔ اس خودسپردگی میں سرشاری ہے، اس سرشاری میں لطف و کرم کی بارش ہے، اس بارش میں مدحتِ نبیؐ کے جواز کی روشن نشاندہی ہے، یہ نشاندہی صرف "سائیں" پر اکتفا نہیں کرتی۔ اس نشاندہی کے جلو میں "سرکار، ممدوح پیمبر، نبیؐ، رسولؐ، محبوبؐ، مصطفیٰؐ" بھی ہیں، اور "ختمِ رسلؐ، خیرالانامؐ، محمدِ عربیؐ، محبوب اللہ، ختم الانبیاء، فخرِ آدم، نوری وجود، نورِ اوّل، رحمتِ عالم، آقائے دو جہاں" بھی، تاکہ ہر سانس رحمت کے در پہ احترام اور ادب کی حد میں رہ کر ہر بار، بار بار ایک نئے انداز سے دستک دے کر اپنے لیے اپنے اعزا و احباب اور زمانے کے لیے نجات اور شفاعت کی درخواست گزار سکے۔ اس درخواست گزاری میں عاجزی کا شعار بھی ہے اور عاجزی کا شعور بھی۔ باقرؔ کے لیے اس درخواست گزاری میں نسبتِ اہلِ بیتؑ کی سعادت بھی ہے۔ وہ اس سعادت پہ نازاں بھی ہے اور فرحاں بھی۔

ہم رنگِ مصطفیٰؐ فقط آلِ رسولؐ ہیں
بھاتا نہیں ہے ہم کو اِدھر اور اُدھر کا رنگ

☆

اولادِ فاطمہؑ سے ہوں خالق کا ہے کرم
شامل ہے میرے خوں میں بھی نسبت حضورؐ کی

باقرؔ کے نزدیک رسولِ پاکؐ "خاکی پیکر میں ایک نوری وجود ہیں، ان کا سایہ نہ تھا۔"

پیکرِ خاکی میں اِک نوری وجود
روشنی کو ہے ضرورت آپ کی

☆

اتنی سی بات پہ لوگ اتنے پریشاں کیوں ہیں
نور ہیں، نور کا ہوتا نہیں سایا کوئی

ان متون میں شاعر کے جذبۂ قرابتِ رسولؐ، سرشاریِ عشقِ رسولؐ اور اعترافِ مرتبۂ رسولؐ کا بیان ہے۔ ان میں خالق و مخلوق کی انفرادی فضیلتوں، اوصاف اور درجات میں واضح تخصیص اور تمیز کا احساس بھی موجود ہے اور ابلاغ بھی۔ ان متون کے جواز اور ثبوت کے لیے شاعر نے حوالے پیش کیے ہیں۔ ان متون اور دیگر متون سے وہ اپنے عقیدے اور جذبات کے گجرے پروتا ہے تاکہ اپنی دنیا بھی مہکائے اور دنیا کو بھی اس مہک سے فیضیاب کرے۔ مدح سرائی کا پیالہ چھلک سکتا ہے لیکن اس حقیقت سے انکار ناممکن ہے کہ خانوادۂ رسولؐ اہم بھی ہے اور افضل بھی۔ لہٰذا اس خانوادے سے نسبی نسبت کے باعث وہ اپنے نسب کو وجہِ اعزاز جانتا اور مانتا ہے اور اسی اعزاز کی بنا پر خاکی ہونے کے باوجود وہ اپنے نانا کو نور کہتا ہے۔ باقرؔ اس بیان میں تنہا نہیں کہ یہ بیان ان دلوں کی امانت بھی ہے جو اہلِ بیتؑ سے خاندانی طور پر منسوب نہیں (اس مضمون نگار کا گھرانا ہندوستان میں مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ اے کاش! وہ، اُس کے والدین اور دیگر اعزا و احباب روزِ حشر اہلِ بیتؑ سے محبت اور عقیدت رکھنے والوں میں اٹھائے جائیں، آمین ثم آمین)۔

باقرؔ کی نعت اس کے کردار کی ترجمان بھی ہے۔اس ترجمانی میں پسند ناپسند، ترجیحات، تمنائیں اور آرزوئیں بھی ہیں اور دعائیں بھی۔اس ترجمانی میں وہ حیات و صفاتِ نبیؐ بیان کرتے وقت تاریخ کے صفحات دُہراتا اور واقعات و حالات کا تجزیہ اور وضاحت کرتا نظر آتا ہے۔ وہ متعلقہ واقعات و حالات کے منظر بھی جانچتا ہے اور پس منظر بھی۔اس کی جانچ میں اسباب، تجاویز اور نتائج کارفرما نظر آتے ہیں۔اس عمل میں اس کا ذاتی عقیدۂ دیں نسبتاً زیادہ مؤثر کردار ادا کرتا ہے کہ اس کے دیدہ و دل اس کی نعت گوئی کے بنیادی محرکات ہیں۔یہاں اس امر کی نشان دہی ضروری ہے کہ جہاں وہ اپنی بات کرتا ہے وہاں وہ زمانے کی بات کرنے کی سعی بھی کرتا ہے، یعنی وہ جگ سے کٹ کر اپنا مافی الضمیر بیان نہیں کرتا۔

باقرؔ بھیڑ میں بھی اپنی انفرادیت برقرار رکھتا ہے۔

میں کیوں جاؤں کہیں اے ذوقِ سجدہ
یہی اِک آستاں تو معتبر ہے

اس شعر کے پہلے مصرعے میں باقرؔ مخاطِب ہے اور ذوقِ سجدہ مُخاطَب۔وہ اپنے مخاطب سے ایک برجستہ سوال کرتا ہے اور دوسرے مصرع میں صیغہ واحد متکلم استعمال کیے بغیر اس سوال کا جواب بھی فراہم کرتا ہے۔مجوزہ جواب صرف اس کے لیے نہیں کہ اس کا دائرہ کار ہر زمانے کے لیے ہے۔اس جواب میں جواز بھی شامل ہے۔

یہیں رہتا ہے محبوبِ دو عالم
اسی گھر پر زمانے کی نظر ہے

اس جواز میں ایک منطق پنہاں ہے۔اس منطق کا راز ازل سے ابد تک کے لمحات پر محیط بھی ہے اور افشا بھی۔"محبوبِ دو عالم سے وجودِ عالمِ کن میں توازن برقرار ہے۔"

انھی سے ہے متوازن وجودِ عالمِ کُن
ہیں کائنات کی میزاں محمدِ عربیؐ
خدا نے سونپ دی تنظیم کائنات جسے
اُس اعتبار کے انساں محمدِ عربیؐ

بلاشبہ وہ معتبر انسان شفیع الزماں ہے:

کہیں عاصیوں کا ٹھکانا نہیں ہے
خطا پوش ہے بس عبائے محمدؐ

مختصراً یوں کہیے کہ باقرؔ کی روشِ نعت گوئی رفعت سے ہم کنار ہے کہ اس کا ممدوح رفیع ہے۔اس کا ممدوح رفیع اس لیے ہے کہ ارفع ذاتِ رب بھی اس کی مدح سرا ہے۔

مرا ممدوح، ممدوحِ خدا ہے
یہ قرآں کیا ہے، نعتِ مصطفیٰؐ ہے

ناچیز کی یہ رباعی باقرؔ حسن زیدی کے حُسنِ کلام کی نذر ہے:

احساس سے ماحول بنایا، بے شک
جذبات سے مدحت کو سجایا، بے شک
توصیف میں نسبت کی ادا ہے، ایمن!
باقرؔ نے قرابت کو نبھایا، بے شک

✲

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی (کینیڈا)

باقر زیدی کی منقبت

خود شاعرِ منقبت باقر زیدی نے اپنے تعارف میں کہا ہے:

منقبت جب علیؑ کی پڑھتے ہیں
ہم زمیں پر قدم نہیں رکھتے

☆

میرے لیے کھلا ہے گلِ منقبت کا باغ
تختی لگی ہوئی ہے یہاں میرے نام کی

☆

موت کتنی دیر رو کے گی مجھے
پھر اٹھوں گا منقبت کہتا ہوا

اور یقیناً بہت سچ کہا ہے:

مدحِ مولاؑ کا قصد کافی ہے
وحی کی طرح شعر اترتے ہیں

اور یہی شاعری تو پیمبری ہے اور اسی لیے تو ان شعرا پر اشعار کا نزول ہوتا ہے۔منقبت حدیثِ دل ہے۔منقبت نگاری زندہ اور بیدار دلوں کی عشقیہ روداد ہے۔بیداریِ دل چونکہ معرفت کا راز ہے اس لیے یہی کفر و ایمان کی صحیح پہچان ہے۔علامہ اقبالؔ نے اپنی جرأتِ رندانہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک کافر بیدار دل کے ساتھ اپنے بت کے سامنے اُس

دیندار سے بہتر ہے جو کعبے میں مردہ دل کے ساتھ سو رہا ہے۔

کافری بیدار دل پیش صنم
بہ ز دینداری کہ خفت اندر حرم

منقبت کی داستان رنگین ہے۔اس میں میثمی لشکر کے خون کی سرخی، دیواروں میں چنے گئے بوذری صفت منقبت نگاروں کے جسموں کی خوشبو شامل ہے۔منقبت مدح سرائی کے ساتھ ساتھ حق گوئی بھی ہے۔یہ اذانِ عقیدت اور نمازِ مودت ہے۔یہاں شہیدوں سے زندگی کے اسرار سیکھے جاتے ہیں اور موت کو ابدی حیات میں تبدیل کیا جاتا ہے تب ہی تو منقبت کے منفرد لہجے کے شاعر باقر زیدی کے لطیف اور شگفتہ اشعار جو عشق کی گہرائیوں اور فکر کی بلندیوں سے صفحۂ قرطاس پر رونق افروز ہوتے ہیں۔کیا کوئی اس عطا کے بغیر یوں کہہ سکتا ہے:

مسلسل صفحۂ قرطاس پر موتی برستے ہیں
قلم لکھتا ہے جب کچھ مدحتِ آلِ عباؑ میں

☆

مفتی نہیں فقیہہ نہیں پارسا نہیں
لیکن مری نمازِ مودت قضا نہیں

☆

موت کو زندگی جو کرتے ہیں
کربلا سے وہی گزرتے ہیں

اور جب حق و باطل کا مسئلہ درپیش ہو تو پھر لہجہ بدل جاتا ہے۔صدیوں کی خون میں رچی عاشقی رنگ لاتی ہے، بے باک بے دریغ قلم کی زبان تلوار کی دھار بن جاتی ہے۔سیاہی، سرخی اور روشنائی بن کر کچھ اس طرح بکھرتی ہے کہ صدیوں تک پڑھنے اور سننے والوں کی دھڑکنیں تیز اور چہروں کے رنگ نکھر جاتے ہیں اور اشعار تیر کی طرح صاحبانِ دل کے دلوں میں اتر جاتے ہیں۔باقر زیدی کے ذیل کے اشعار میں لہجے کا تناؤ، جذبات کا بہاؤ، عقیدت کا رچاؤ اور قلندرانہ لگاؤ ملاحظہ کیجیے:

ے علیؑ کی مدح میں رکتا نہیں کبھی یہ قلم
نہ خوفِ جاں نہ خوشامد نہ مال و درہم سے

☆

ے تخت و جاہ و حشم نہیں رکھتے
پھر بھی گردن کو خم نہیں رکھتے

☆

ے سادات کو جو صفحۂ ہستی سے مٹا دے
ایسا تو کسی ماں کا جنا کوئی نہیں ہے

☆

ے ہمیں تو ٹوٹ کے دیتی ہے راستہ دیوار
ہماری راہ میں دیوار مت کھڑی کرنا

☆

ے حق کے رستے سے قدم اپنے سرکتے ہی نہیں
جیسے اک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ہم

☆

ے جتنا دنیا نے دبایا ہمیں اُبھرے اتنا
لوگ سمجھے تھے کہ گرتی ہوئی دیوار ہیں ہم

باقر زیدی پشت در پشت مسلسل آٹھ پشتوں کے شاعر ہیں۔ مرثیہ نگاری ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔ منقبت نگاری ان کے خون میں رچی ہے۔ مدّاحیِ علیؑ اور اولادِ علیؑ ان کے رگ و پے میں بسی ہے جب ہی تو اشعار آبِ ذلال سے زیادہ لطیف، سادہ، شگفتہ اور خفیف ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے خاندانی اقدار کے نقیب ہیں:

ے میں ہوں فرزند فیضؔ، فیضؔ کا فیض
اک برستی ہوئی گھٹا ہوں میں

☆

ے ابوطالبؑ کے گھر سے ہے جو نسبت
شرف کا سلسلہ ہے اور میں ہوں

☆

ے بیاضِ منقبتِ بوترابؑ رکھتے ہیں
ہم اپنے باغِ سخن میں گلاب رکھتے ہیں

☆

ے ہمارا کیا بگاڑے گا زمانہ
ہمیں نسبت علیؑ کے نام سے ہے

☆

ے میں ہوں مدّاحِ اہلِ بیتؑ باقرؔ
مری شہرت علیؑ کے نام سے ہے

اساتذۂ شعر و سخن نے عمدہ شعر کے لیے اصلیت یا سچائی، جوش یا تاثیر اور سادگی یا شگفتگی کو ضروری بتایا ہے۔ اگرچہ مبالغہ شاعری کی صنعتوں میں عمدہ صنعت شمار کیا گیا ہے لیکن حمد، نعت اور منقبت میں اس صفت کا حقیقی وجود نہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ صفوی خاندان کا ملک الشعراء کاشیؔ نے جب شاہ صفوی اور ان کی ملکہ نور کی مدح میں دو جدا جدا قصیدے لکھ کر پیش کیے تو شاہ صفوی نے دونوں قصیدوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ان اشعار میں مبالغے سے کام لیا گیا ہے مگر محمدؐ و آلِ محمدؐ کی شان میں قصیدہ کہا جائے گا تو جو بھی بیان کیا جائے گا ہر منزلت سے کم ہی ہوگا، اس لیے قصیدہ نگاری ان برگزیدہ ہستیوں کے لیے کی جائے۔ چنانچہ کاشیؔ نے حضرت علیؑ کی مدح میں ہفت بند نظم کیے جس پر اس کو انعام و اکرام دیا گیا اور آج بھی ہفت بندی کاشیؔ آسمانِ ادب میں سات آسمان سے بلند تصور کیے جاتے ہیں۔ بس یہی قادر الکلامی معجز بیانی جو سادگی، شگفتگی، دلکشی اور دل آویزی کے تاثرات سے پُر ہے باقرؔ زیدی کی منقبت کی پہچان ہے۔ اسی سے ان کی آن بان ہے اور یہی اشعار کی جان ہے۔ ہمارے مدعا کے لیے یہ چند اشعار روشن چراغ کی مانند فکر و نظر کا سرمایہ ہیں۔

۔ سارے جہاں کو چھوڑ کر ہم نے علی کو چن لیا
دونوں جہان مل گئے ایک ہی انتخاب میں

☆

۔ مجھے کہے کوئی شاعر تو بس انہیں کا کہے
جو ان کے نام سے شہرت نہیں تو کچھ بھی نہیں

☆

۔ میں بندۂ خدا ہوں علی کا غلام ہوں
ٹھوکر میں میری گردشِ لیل و نہار ہے

☆

۔ تعجب کیا ہے جو اک دن میں پوری منقبت لکھ دی
ہماری فکر کا گلشن ہے ریگستان تھوڑی ہے

☆

۔ نفس کی آمد و شد میں بسا لیا ہے انہیں
خدا کا شکر میں دم بھر نہیں علی کے بغیر

☆

۔ حُبِ علی کی شمعیں جلتی ہیں آندھیوں میں
روشن چراغ رکھنے یہ کام ہے ہوا کا

☆

۔ میں جانتا ہوں خدا کے تو نام اور بھی ہیں
میری زباں پہ ہمیشہ علی علی آیا

☆

۔ دلوں کے زخم ہمارے ہرے نہیں رہتے
علاج کرتے ہیں حُبِ علی کے مرہم سے

☆

۔ اے قلم منقبت مزاج ہو پھر
میرے مولا کا ذکر آج ہو پھر

☆

۔ میں وحت ہوں نجفِ عشقِ علی میں
مرا جام ولا ہے اور میں ہوں

☆

۔ حق نما دست خدا روزی رساں مشکل کشا
کام کوئی کر رہا ہے اور کسی کا نام ہے

☆

۔ ہر مصیبت میں پڑھ کے نادِ علی
اپنے کانٹوں کو پھول کرتے ہیں

☆

۔ مضطرب دل ہو تو لکھ کر منقبت
سانس لے لیتا ہوں اطمینان کی

باقر زیدی کی منقبت میں ظلم اور استبداد کے خلاف احتجاج کی آواز صاف سنائی دیتی ہے۔ان کی منقبت کلمۂ طیبہ کے مزاج سے ہمکنار ہے۔چنانچہ پہلے باطل کی نفی اور پھر حق کی گواہی ان کا شعار ہے اور یہی ان کی منقبت کا منفرد انداز اور طرز گفتار ہے۔جہاں باقر زیدی امر معروف کی تاکید کرتے ہیں، وہیں نہی منکر کا بھی درس دیتے ہیں۔ملاحظہ کریں:

۔ اُس آنکھ کی قسمت میں اجالے نہیں ہوں گے
جو اشکِ غمِ شاہ سے محروم رہی ہے

☆

۔ رہِ حیات ہو یا عاقبت کی منزل ہو
علی کا نام زباں پہ ہے ڈر کسی کا نہیں

☆

ظلمتیں تو حشر تک تیرا مقدر بن گئیں
تو امیرِ شام تجھ کو صبح سے کیا کام ہے

☆

خوش فہم ہیں قرآن کو سمجھیں گے وہ کیسے
تفہیم نہیں جن کو ابھی نقطۂ با کی

☆

عبادتوں میں تجھے شیخ لطف کیا آئے
تو جی رہا ہے مودّت کی زندگی کے بغیر

شریعتِ شعر میں خدائے سخن کا کلمہ پڑھنا واجب ہے۔ اربابِ سخن، پیمبرانِ سخن کے صحیفوں کی تلاوت سے اپنے ذہنوں میں موجِ سخن کو ابھارتے ہیں۔ اگر چہ خود باقر زیدی خاندانی شاعر ہیں۔ شاعروں کی بزم و رزم ان کے اسلاف کی کوٹھیوں میں نقش و نگار چھوڑ چکی ہیں۔ اس لیے ان سے نسبت اور ان کے ہم قافلہ ہونے کا فخر ان کے اشعار میں نمایاں ہے، یہ وابستگی صرف اور صرف ولائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے فیض سے برقرار ہوئی۔

مولاؑ میں خلد میں بھی یہی منقبت پڑھوں
دادِ سخن ملے جو انیسؔ و دبیرؔ سے

☆

مدحِ علیؑ میں خوب ہیں یہ خوش بیانیاں
بندے ہیں کس کے پوچھ لو غالبؔ سے میرؔ سے

☆

علیؑ کو سرمدؔ و رومیؔ و غالبؔ و اقبالؔ
ولائے آل کی پی کر شراب ہیں

☆

کیا عقیدت تھی کہ لکھتا تھا علیؑ کا بندہ
اس لیے اور بھی غالبؔ کے طرفدار ہیں ہم

باقر زیدی کا تمام کلام تغزل میں ڈوبا ہوتا ہے — ع ہر چمن میں غزل سراہوں میں
چھوٹی بحر کے بڑے شاعر مانے جاتے ہیں۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ "لذتِ گفتار" دنیائے شعر و ادب کو ایک تحفہ تصور کیا جانا چاہیے اور اسی لیے یہ مجموعہ ایوارڈ یافتہ بھی ہے۔

سب نے دیکھی "لذتِ گفتار"
کون کہتا ہے بے نوا ہوں میں

ان غزلوں کے مجموعے کے آٹھ سال بعد جب 2004ء میں مرثیوں کا مجموعہ "فراتِ سخن" منظرِ عام پر آیا تو تشنہ ذہنوں کی سبیل کا مرکز بنا۔

میں "فراتِ سخن" کا پیاسا ہوں
شاعرِ دشتِ نینوا ہوں میں

اب باقر زیدی نے حمد، نعت، منقبت کے مجموعے کو "حرمتِ حرف" کے عنوان سے پیش کر کے اپنے قلمی مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔

"حرمتِ حرف رہے لذتِ گفتار کے ساتھ"

ان کا یہی سرمایہ زادِ راہِ آخرت ہے اور اسی لیے تو کہتے ہیں۔

فکرِ محشر ہو کیوں ہمیں باقرؔ
ہم علیؑ والے فاطمہؑ والے

☆

میں منقبت نگار ہوں میں مرثیہ نگار
محشر کا انتظام کیے جا رہا ہوں میں

☆

ایک اک شعر ہے جنّت کا قبالہ باقرؔ
لوگ حیران ہیں اس پر کہ یہ کیا کہتے ہیں

☆

محشر میں کوئی فکر نہ خوفِ حساب ہے
جم کر پیو پلاؤ ولا کی شراب ہے

منقبت کے پیرائے میں تغزل کا نکھار ملاحظہ کریں:

ے جس میں قرآں اپنی صورت دیکھ لے
ایک ایسا آئینہ ہے فاطمہؑ

☆

ے روز جیتے ہیں روز مرتے ہیں
آپ کا انتظار کرتے ہیں

☆

ے وہ ایک لمحہ سہی سر اٹھا کے جیتے ہیں
بلند حوصلہ کتنا حباب رکھتے ہیں

☆

ے میں اہلبیتؑ کا شاعر ہوں میری بات نہ پوچھ
غزل سے آتی ہے میری سلام کی خوشبو

☆

ے ہر گھڑی موت کو جو مدنظر رکھتے ہیں
کچھ وہی لوگ تو جینے کا ہنر رکھتے ہیں

☆

ے لکھ لکھ کے منقبت کے کبھی کربلا کے شعر
اپنی غزل سلام کیے جا رہا ہوں میں

باقر زیدی کی منقبتوں میں شہزادی فاطمہؑ کی مدحت کی خوشبو شدید ہے اور مشامِ عقیدت کو بہت متاثر کرتی ہے۔ منقبتوں کے دفاتر میں اس مظلوم شہزادی پر بہت کم لکھا گیا لیکن باقر زیدی کی تقریباً ہر منقبت میں مرکزِ حدیث کساء، پاسداری تطہیر وصفا، جگر پارۂ رسولؐ دوسرا، شریکِ حیات مولا مرتضیٰ حضرت فاطمہؑ پر تاثیراتی آبدار اشعار نظر آتے ہیں۔

ے ہر عزادار اپنی خلقت میں
فاطمہؑ کی دعا کا حاصل ہے

ے یہ ساقیِ کوثر ہیں وہ خاتونِ جناں ہیں
کس گھر کی غلامی مرا مقسوم رہی ہے

شہزادی کی شان میں دو مسدس کے بند ملاحظہ کریں:

ماں یہ ایسی ہیں کہ آغوش میں پلتے ہیں امامؑ
بیٹی ایسی کہ پیمبر جسے کرتے ہیں سلام
ہیں بہو اس کی جو ہے محسنِ دینِ اسلام
بیوی اس کی ہیں کہ آتا ہے جو مخلوق کے کام
نسب و اوجِ سعادت کا نشاں ہے زہراؑ
بیٹے سردار ہیں خاتونِ جناں ہے زہراؑ

جس گھرانے میں ولادت ہوئی وہ گھر دیکھو
جس کے گھر بیاہ کے آئی ہیں وہ شوہر دیکھو
یہیں فضہ ہیں اسی گھر میں ہیں قنبر دیکھو
اسی دہلیز پہ بٹتے ہیں مقدر دیکھو
بات سچی ہے تو کہنے میں کوئی باک نہیں
یہ نہ ہوں خلق میں تو پنجتنِ پاک نہیں

باقر زیدی زود گو، پُر گو اور عمدہ مرثیہ گو شاعر ہیں۔ وہ یقیناً بڑھیا مرثیہ گو شاعر کہلانے کے مستحق ہیں۔ باقر زیدی کے مرثیوں کا مجموعہ ''فراتِ سخن'' میں دریا کی روانی، کربلا کی کہانی، معجز بیانی، قادر الکلامی، خاندانی ادبی نشانی موجود ہے۔ نعت ہو کہ منقبت، سلام ہو کہ غزل، مرثیہ ہو کہ قصیدہ کوئی صنفِ سخن ذکرِ شبیرؑ سے خالی نہیں۔ اسی لیے تو ان کی شاعری عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

ے وہ شاعری نہیں باقر بڑی عبادت ہے
عیاں کرے جو زمانے پہ مقصدِ شبیرؑ

☆

؎ ذکرِ شبیرؑ میں جو ہم شعرا کہتے ہیں
منقبت کہتے ہیں یا حرفِ ثنا کہتے ہیں

☆

؎ غمِ شبیرؑ میں روشن ہیں جو اشکوں کے چراغ
ہم اسے اپنی عقیدت کی انا کہتے ہیں

☆

؎ گلوئے خشک سے تلوار کاٹنے والے
کسی نے کی نہیں طاقت کی اس قدر تحقیر

☆

؎ حسینؑ عالمِ انسانیت کے محسن ہیں
غمِ حسینؑ اسی واسطے ہے عالم گیر

☆

؎ وہ دیکھو شمعِ امامت کے گرد پروانے
کہ حاشیہ پہ ہوں قرآں کے جس طرح تفسیر

تعلّی شاعر کا فطری حق ہے۔ جب شاعر اپنی نسبت ممدوح سے استوار کرتا ہے تو عجز و انکسار کے ساتھ حقِ تعلّی بھی مانگتا ہے کیوں کہ عشق کے اعلیٰ درجوں میں معشوق سے طلب کو عاشق اپنا شیوہ بناتا ہے۔ انشاءاللہ خاں انشاؔ نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں کہا ہے:

؎ ساغر بکف بیاید و گفتد بوقت نزع
پنداشتی کہ ساقیِ کوثر نمی رسد

یعنی حضرت علیؑ ہاتھ میں ساغر لے کر میری بالیں پہ آئے اور فرمایا تو نے کیا سمجھ رکھا تھا کہ تیرے آخری وقت تجھے سیراب کرنے علیؑ نہیں آئیں گے یعنی یہاں شاعر نے عشق کی قوت سے مختار کو مجبور کر دیا۔ بس کچھ ایسی کیفیت باقرؔ زیدی کی تعلّی میں نظر آتی ہے جو ان کی شخصیت کی تفسیر معلوم ہوتی ہے۔ کچھ اشعار اس موضوع پر روشنی ڈالنے کے لیے ملاحظہ فرمایئے:

؎ ابو طالبؑ سے ہم نے نعت کے انداز سیکھے ہیں
ہماری طرح کوئی اور مدح خوان تھوڑی ہے

☆

؎ بنجر زمیں میں خوب کھلے منقبت کے پھول
بزمِ سخن کو صحنِ گلستاں بنا دیا

☆

؎ میں بھی یہ چاہتا ہوں اچھے ہوں شعر میرے
ہے منقبت میں مولاؑ اک مسئلہ انا کا

☆

؎ میں نے جو منقبت پڑھی حبِ علیؑ کی مئے چلی
مجھ کو یہ فخر ہے کہ پی سب نے مرے حساب میں

☆

؎ جب درِ علمِ نبیؐ تھا جبہ سائی کے لیے
کیوں کوئی گھر ڈھونڈتے ہم رہ نمائی کے لیے

اور تمام عمر اس در پہ جبہ سائی کر کے بھی دل نہیں بھرا تو اقرار کیا:

؎ باقرؔ تمام عمر ثنا گر رہا مگر
خدمت کا حق ادا نہ ہوا کچھ حقیر سے

لیکن ہم باقرؔ زیدی کی شاعری کی گہرائی اور گیرائی سے متاثر ہو کر یہی کہیں گے۔

؎ شنیدنی لگے مانند دیدنی باقرؔ
خدا نصیب کرے ایسی شاعری کرنا

۞

باب الحمد

ترتیب

قطعات ورباعیات ۳۹
سروشِ وحدت ۴۱

قِطعات و رُباعیّات

تو سمیع و علیم ہے مولا
کون تجھ سا عظیم ہے مولا
عاصیوں کو بھی رزق دیتا ہے
تُو وہ ربِّ کریم ہے مولا

❋

نیرنگیِ شش جہات، اللہ اللہ
کیا ذات ہے، کیا صفات، اللہ اللہ
ہر سمت ہے آفاق میں بس حُسن ہی حُسن
صورت گرِ کائنات، اللہ اللہ

❋

ہر آن، ہر اک گاہ نظر آتا ہے
ہر راہ میں، ہم راہ نظر آتا ہے
واللہ کہ جس شے پہ ٹھہرتی ہے نگاہ
اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے

❋

مالک ہے وہی یہ بود و ہست اُس کا ہے
خشک و تر و بلند و پست اُس کا ہے
کیا جانیے منکر کا ٹھکانا ہے کہاں
کونین کا سب بندوبست اس کا ہے

❋

ہیں قلب و نظر، نگار خانہ اُس کا
خلقت کی زباں پہ ہے فسانہ اُس کا
مخلوق پہ الطاف و کرم کرنے سے
کچھ کم نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

❋

صورت گرِ مخلوق ہے میرا معبود
دیتا ہے ہر اک شے کو وہی شکل، وجود
اُس خالقِ یکتا کی یہ یکتائی دیکھ
مجھ سا بھی نہیں دوسرا کوئی موجود

❋

جتنے مظہر مری صفات کے ہیں
سب کرشمے یہ حُبِ ذات کے ہیں
میں خطاکار بھی، فرشتہ بھی
دونوں رخ ایک ہی حیات کے ہیں

سروشِ وحدت

لکھ رہا ہے قلم ثنا کس کی
ابتدا ہے نہ انتہا ہے جس کی

حَیّ و قیّوم اور صبور و غفور
وہ مُصوّر، صمد، شہید و شکور

وہ مُقیت و مُمیت و مُغنی بھی
وہ مُہیمن، مُذِل و مُحصی بھی

ماجد و مانع و متین و مجید
مُحیی و مُبدی و مُجیب و مُعید

رافع و نافع و غنی، غفّار
قابض و قادر و قوی قہّار

ظاہر و ہادی و رؤف و جلیل
واسع و وارث و ودود وکیل

حاکم و جامع و حمید و حکیم
خافض و خالق و لطیف و حلیم

مَلک و مالک و رشید و رقیب
مُتکبّر، حفیظ اور حسیب

ضار و جبّار و باقی و توّاب
نور، قدّوس، باطن اور وہّاب

عفو و عدل و مُعز، عزیز و عظیم
مُنتقم، مُقتدر، سمیع و علیم

وہ مُقدّم، مُؤخّر اور بصیر
باعث و باری و وحید و کبیر

ہے وہی ذوالجلال والاکرام
اوّل و آخر و بدیع و سلام

اَحد و واحد و خبیر و رحیم
مُقسِط و باسط و قدیم و کریم

مُتعالی ہے وہ ولی، والی
بَر و مؤمن ہے وہ علی، عالی

وہ ہے فتّاح و واجد و رحمان
ماسوا کُلِّ مَن علیہا فان

رزق دیتا ہے سب کو کام اُس کا
تب تو رزّاق بھی ہے نام اُس کا

اس کا جو نام ہے صفاتی ہے
ایک اللہ اسمِ ذاتی ہے

کیسے تعریف اس کی ذات کی ہو
کیا حقیقت بیاں صفات کی ہو

صفتوں سے نہیں ہے ذات جدا
ذات سے بھی نہیں صفات جدا

ہر صفت عینِ ذات ہے گویا
ذات عینِ صفات ہے گویا

سب ہمہ وقت ہیں صفات اس کی
ہے ازل سے قدیم ذات اس کی

جیسے سب ہیں وہ ایسا ایک نہیں
ہے جو گنتی میں ویسا ایک نہیں

مل کے دو نصف سے جو ایک ہوا
عدد اُس کے لیے نہ نیک ہوا

کب کسی کا شریک ہے اللہ
وحدہ لا شریک ہے اللہ

حرمتِ حرفِ محترم وہ ہے
مالکِ لوح اور قلم وہ ہے

عقل کیا، عقل کی سمائی کیا
حرف کیا، حرف کی رسائی کیا

کم نظر مہر و مہ کو کیا پہنچے
فکرِ کم فہم تہہ کو کیا پہنچے

کب کسی کی سمجھ میں آتا ہے
کب کوئی اس کا بھید پاتا ہے

ذہن لاکھوں گمان لیتا ہے
ایک دل ہے جو مان لیتا ہے

وقت سے پہلے تھا وہی معبود
وقت سے پہلے تھا اسی کا وجود

ابتدا، جس کی ابتدا ہی نہیں
انتہا، جس کی انتہا ہی نہیں

وہ ہے بے مثل، بے مثال ہے وہ
لم یزل وہ ہے، لایزال ہے وہ

سعی بے جا، شمار وقت کا ہے
خود وہ پروردگار وقت کا ہے

سب عروج و زوال اس نے دیے
وقت کو ماہ و سال اس نے دیے

وقت اس پر گزر نہیں کرتا
کوئی لمحہ اثر نہیں کرتا

ہر زماں، ہر مکاں پہ اس کا ورود
وہ ہمہ وقت، ہر جگہ موجود

ایسا موجود، جو عدم سے نہیں
یعنی یکتا کسی کے دم سے نہیں

کوئی ثانی نہ اس کا ہمسر ہے
ربِ اعلیٰ ہے سب سے برتر ہے

حکمتِ ہست و بود اس کی ہے
ساری نام و نمود اس کی ہے

خشک و تر، بحر و بر کا مالک ہے
وہ قضا و قدر کا مالک ہے

قدرت و اقتدار سب اس کے
جبر اور اختیار سب اس کے

جو بھی قادر ہے، اس پہ قادر ہے
خلق مامور ہے، وہ آمر ہے

اس کا جو حکم ہے، وہ مُحکم ہے
اس کی جو بات ہے، مُسلّم ہے

زندگی ہر زماں بدلتی ہے
اس کی سنت کہاں بدلتی ہے

عقلِ انسان ہے تحیر میں
ماسوا اللہ سب تغیر میں

وقف حیرت ہے، فہم امکانی
شرک ہے انتسابِ جسمانی

کہیں غفلت تو راہ پاتی نہیں
نیند اور اونگھ اس کو آتی نہیں

روز و شب وجہِ انحطاط نہیں
اس کو اعضا سے ارتباط نہیں

جسم ہوتا تو پھر مکاں ہوتا
یہاں ہوتا کبھی وہاں ہوتا

وہ تو آتا ہے اور نہ جاتا ہے
وہ اشارے میں کب سماتا ہے

وہ نہاں بھی ہے اور عیاں بھی ہے
وہ یہاں بھی ہے اور وہاں بھی ہے

وصف ہی وصف، اوّل و آخر
جیسا باطن ہے، ویسا ہی ظاہر

ایسا ظاہر نہیں جو باطن ہے
ایسا واجب نہیں جو ممکن ہے

خلق عابد ہے اور وہ معبود
خلق ساجد ہے اور وہ مسجود

وہ عدم کو وجود دیتا ہے
وہی نام و نمود دیتا ہے

کُن کی جو ایک بات اس نے کی
خلق یہ کائنات اس نے کی

نہ وہ عاجز ہُوا بنانے میں
نہ کسی کو عدم سے لانے میں

جو بنایا وہ تجربے کے بغیر
کسی منصوبے، مشورے کے بغیر

سنگ کو دیں شرار کی میخیں
نصب کیں کوہسار کی میخیں

آتش و ابر و خاک و باد بنائے
سب حواس اس نے طبع زاد بنائے

اس نے تخلیق جن و انس کیے
اختلافاتِ صنف و جنس کیے

عقل و وجدان کو وجود دیا
اس نے امکان کو وجود دیا

ہے وہی ہر وجود کا خالق
حرکت کا، جمود کا خالق

وہ جمادات کا بھی خالق ہے
وہ نباتات کا بھی خالق ہے

اصل کا اور فروع کا خالق
ختم کا اور شروع کا خالق

جسم کا، روح کا وہ خالق ہے
آدمؑ و نوحؑ کا وہ خالق ہے

جو بھی ہے اُس کی کائنات میں ہے
زندگی، موت اس کے ہات میں ہے

اُس نے ہر شے کو اک مزاج دیا
سب کو مخصوص کام کاج دیا

مختلف سب کی صورتیں رکھیں
سب میں پنہاں ضرورتیں رکھیں

آگ، پانی، ہوا میں، پتھر میں
رزق اس نے دیا ہے ہر گھر میں

حد ہر اک شے کی ایک حد میں رکھی
اور ہر شے فنا کی زد میں رکھی

شے کا، شے کی حدوں کا عالم ہے
سب ہیں محکوم، سب کا حاکم ہے

واقفِ حال، قبلِ حالت تھا
واقفِ خلق، قبلِ خلقت تھا

ہر خوشی اور غم کو جانتا تھا
قبلِ خلقت بھی ہم کو جانتا تھا

خلقِ معدوم اس کو ہے معلوم
وقتِ معلوم اس کو ہے معلوم

جو عیاں ہے، وہ اس سے واقف ہے
جو نہاں ہے، وہ اس سے واقف ہے

جانتا ہے تمام قسموں کو
دیکھتا ہے لطیف جسموں کو

ہر صدائے نحیف سنتا ہے
جس قدر ہو ضعیف، سنتا ہے

پاس کی ہو کہ آس کی آواز
دور کی ہو کہ پاس کی آواز

دل کی سنتا ہے، لب کی سنتا ہے
وقتِ واحد میں سب کی سنتا ہے

ذرہ ذرہ کو چاہ اس کی ہے
تہلکوں میں پناہ اس کی ہے

جب ہر اک آس ٹوٹ جاتی ہے
تب اُسی کی تو یاد آتی ہے

ساری مخلوق ساتھ مل کر بھی
اس کو کچھ تقویت نہیں دیتی

بہر طاقت تو خلق کی ہی نہیں
کچھ ضرورت اُسے تو تھی ہی نہیں

کوئی طاقت بڑھا نہیں سکتا
کوئی اس کو گھٹا نہیں سکتا

اُسے اندیشہ و خیال نہیں
کسی حملے کا احتمال نہیں

خوف کچھ اُس کو ماسوا سے نہیں
اور کسی دشمنِ خدا سے نہیں

خلق کرتا ہے، وہ کرے گا وہی
تھا وہی ہے، وہی رہے گا وہی

جتنے مظہر عطا و جود کے ہیں
سب نشاں اس کے ہی وجود کے ہیں

جو جہاں بھی ہے دان ہے اس کا
ہر جگہ سائبان ہے اس کا

جو بھی ہے اس کا ہی سوالی ہے
اس کی نعمت سے کون خالی ہے

نعمتوں کا شمار ناممکن
رحمتوں کا حصار ناممکن

نعمتیں لا زوال ہیں اس کی
رحمتیں بے مثال ہیں اس کی

اس کو پہچاننے کا نام ہے دین
جان کر ماننے کا نام ہے دین

وہ رسنِ حصارِ ظلِ اللہ
نام محبوب کا محمدؐ ہے

ایک ہی گھر میں ہیں رسول و امام
بھیجو باقرؔ انہیں درود و سلام

حمد میں اس کی شعر کہتے ہیں
نام جتنے ہیں اس کے اتنے ہیں

بابِ الرحمت

ترتیب

دعا	۵۴
بابِ قبول	۵۴
سروشِ رحمت	۵۵
سائیں	۶۰
نعتیہ مسدس	۶۱
آقائے دو جہاں کا محمدؐ جو نام ہے	۶۴
محبت کا دل کو قرینہ ملے	۶۶
آسماں کی طرح رتبہ مرا اُونچا کرنا	۶۷
لکھنی ہے پھر قلم کو جو مدحت حضورؐ کی	۶۹
آپ پہچانیں گے باقرؔ فکرِ عقبیٰ چھوڑ کر	۷۱
نعت پڑھنے جو محمدؐ کے غلام آتے ہیں	۷۳
فہم سے بالا ہے رفعت آپ کی	۷۴
یوں مری چشمِ عقیدت میں سمایا کوئی	۷۶
پھیکا نہ ہو کبھی مرے حرفِ ہنر کا رنگ	۷۸
مرے دل کے صفحے پہ خامہ رواں ہے	۸۰
مرا ممدوح، ممدوحِ خدا ہے	۸۲

مرا دل کہ ہے آشنائے محمدؐ ۸۳
بہارِ صبحِ گلستاں، محمدِ عربی ۸۴
جس پہ نعتِ نبی بیان ہوئی ۸۵
پھر مجھے نعت کی توفیق عطا ہوتی ہے ۸۶
میرا دن، میری رات، نجمِ رسل ۸۷

۞

دعا

کیا کبھی کی ہے یہ خواہش کہ دفینہ دے دے
یا مجھے نوحؑ کی مانند سفینہ دے دے
میں ہوں راضی برضا، اتنی دعا ہے مالک
اپنے محبوب کی مدحت کا قرینہ دے دے

بابِ قبول

اے دستِ دُعا بابِ قبول آتا ہے
اس شاخِ تمنا پہ بھی، پھول آتا ہے
منبر کی طرف بڑھا تو آواز آئی
وہ بلبلِ بستانِ رسولؐ آتا ہے

سَروشِ رحمت

نعت کی ابتدا ہے بسم اللہ
امتحاں ولا ہے بسم اللہ

وہ چچا جس نے ان کو پالا ہے
نعت کا پہلا لکھنے والا ہے

نعت ہے خلقتِ ابوطالبؑ
نعت ہے سنّتِ ابوطالبؑ

اے قلم کوئی معجزہ ہوجائے
ان کی نسبت کا حق ادا ہوجائے

اُس طرف سے یہ جوشِ رحمت ہو
نعت کیا ہو، سَروشِ رحمت ہو

جو لکھوں سَر بہ سَر صداقت ہو
نصِ مضموں حدیث و آیت ہو

وہ اَحد ہے تو یہ محمدؐ ہیں
خلق میں یہ کمال کی حد ہیں

یہ کلی بھی ہیں اور پھول بھی ہیں
یہ نبی بھی ہیں اور رسول بھی ہیں

یہی احمدؐ ہیں مجتبیٰؑ ہیں یہی
دونوں عالم میں مصطفیٰ ہیں یہی

اوّل و آخر و رؤف و رحیم
عادل و آمر و جواد و کریم

کامل و صادق و اَمین و مُبین
ظاہر و بَاطن و مُطیع و مَتین

قاسم و عاقب و ظہیر و مُنیر
خاتم و فاتح و بشیر و نذیر

ہَاشمی، اَبطحی، قوی محمود
اوّلی و اُمّی، بندۂ معبود

مرتضیٰ، مُقتصِد، قریب و مُجیب
حاشر و حام میم، حق و حبیب

مُہد و مَامون و طٰہٰ و یٰسین
دَاعی و معلوم و سیّد و طاسین

طیّب و حافظ و شکور و شہید
شاہد و حامد و وحید و رَشید

یہ ہیں مقصودِ آیہ تطہیر
زندگی ان کی اک سراجِ منیر

مہرِ عرفان و آگہی ٹھہرے
ابتدا خلق کی یہی ٹھہرے

سب سے پہلے انہی کا نور بنا
پھر تو سب ان کے ہی حضور بنا

پاس کی تھی نہ کوئی دور کی تھی
روشنی تھی تو ان کے نور کی تھی

تھے یہی عالمِ معانی میں
جب کہ آدمؑ تھے خاک، پانی میں

جو ہمیشہ سے ہے وہ ذاتِ احد
اُس کی تخلیق کا ہیں یہ پہلا عدد

خلقتوں کا کمال ہیں تب سے
یہ عدیم المثال ہیں تب سے

نورِ اوّل ہیں صبحِ اوّل ہیں
خلق پہ رحمتوں کا بادل ہیں

گو بہت دور دور سے دیکھا
نور موسیٰ نے طور سے دیکھا

باوا آدمؑ تلک جو دور کے ہیں
سب نبی کلمہ گو حضورؐ کے ہیں

سب کے افعال سے یہ واقف ہیں
سب کے اعمال سے یہ واقف ہیں

کب فقط یہ ہمارے شاہد ہیں
یہ تمام انبیاء کے شاہد ہیں

محنتوں، زحمتوں کے شاہد ہیں
اُمتوں، ملّتوں کے شاہد ہیں

یہ ہیں موت و حیات کے شاہد
یہ ہیں کل کائنات کے شاہد

یہ گواہوں کے بھی گواہ ہوئے
بادشاہوں کے بادشاہ ہوئے

آخری صاحبِ شریعت ہیں
انبیاء سب انہی کی امت ہیں

ذکر ان کا ہے سب صحیفوں میں
یہ دعاؤں میں ہیں، وظیفوں میں

ہادیِ عالمین، ہیں کہ نہیں
بہتر از بہترین ہیں کہ نہیں

اس بلندی پہ کیا کوئی پہنچے
قابَ قوسین تک یہی پہنچے

ماہِ دانش ہیں، مہرِ علم ہیں یہ
ایسے اُمّی کہ شہرِ علم ہیں یہ

علم کا شہر، مصطفیٰ ٹھہرے
شہر کا باب، مرتضیٰ ٹھہرے

خشک و تر کی ہے بات بات کا علم
ان کو حاصل ہے کائنات کا علم

علم دَر نے بھی شہر ہی سے لیا
بڑھ کے منبر سے پھر سلونی کہا

علم ان کو زماں، مکاں کا ہے
یاں سے بڑھ کر انہیں وہاں کا ہے

علم کی راہ سہل ہیں تو یہی
سببِ مرگِ جہل ہیں تو یہی

اِکتسابی نہیں ہے علم ان کا
کون تھا علم جو بڑھا سکتا
اور ہی راہ کے یہ سالک ہیں
یہ کہاں خالی ہاتھ آئے ہیں
راستے آسماں کے جانتے ہیں
ہر بلندی پہ چڑھ کے آئے ہیں
جہل اور مصطفیٰؐ، معاذ اللہ
ان کا ثانی نہ کوئی کل تھا نہ آج
وحی سے یہ زبان کھولتے ہیں
قُلزمِ نفس میں نہیں بہتے
کلمہ ان کا ہے اس میں کیا ہے کلام
ان کی چُپ بھی کلامِ حکمت ہے
نہ کوئی بحث اور نہ کوئی کلام
ہر اٹھے سر کو جھکنا واجب ہے
جس سے روکیں، وہ کر نہیں سکتے
نقص سے کوئی راہ ناممکن
کوئی ڈالے سبک نگاہ، گناہ
جو کہا، جو کِیا وہ سُنّت ہے
ہر درود و سلام واجب ہے
سب درود و سلام ان پہ ہے ٹھیک
وحی بھی، منقطع نبوت بھی
رب کا پیغام عام کرکے گئے
منجلی کارِ مصطفیٰؐ بھی ہوا

بس کتابی نہیں ہے علم ان کا
کون تھا جو اِنہیں پڑھا سکتا؟
وہی علم کے یہ مالک ہیں
علمِ لدُنّی لائے ہیں
یاں سے بڑھ کر وہاں کے جانتے ہیں
لوحِ محفوظ پڑھ کے آئے ہیں
علم خود بے پڑھا، معاذ اللہ
صاحبِ وحی صاحبِ معراج
جو وہ کہتا ہے، یہ وہ بولتے ہیں
اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے
ان کے اقرار کا ہے نام اسلام
جو یہ کہہ دیں وہی شریعت ہے
جو یہ کہہ دیں وہی حلال و حرام
روک دیں جس سے رکنا واجب ہے
اک قدم آگے دھر نہیں سکتے
ارتکابِ گناہ ناممکن
یاں خیالِ خطا، گناہ، گناہ
قول اور فعل سب ہی حُجت ہے
ان کا ہر احترام واجب ہے
اس میں تو لاشریک بھی ہے شریک
آپؐ پہ ختم ہے رسالت بھی
نعمتوں کو تمام کرکے گئے
راضی اس دین سے خدا بھی ہوا

خوش نصیبی میں بدنصیب ہیں ہم
جھگڑے فرقوں کے بات بات پہ ہوں
آپؐ اعلیٰ مرے یقین میں ہیں
مرتبے شرعِ امتیاز میں ہیں
سچے جتنے ہیں، ان سے سچے ہیں
لو سبق کافروں کی آرا سے
اوج ان کو یہ فرش پہ پہنچے
دھوپ میں گھر سے جب نکلتے ہیں
ہجرتوں کا نصاب دے کے گئے
ہر غلط بات، ہر نجاست دور
یہ ہے اندازِ برتری ان کا
وہ زلیخا کے، یہ حبیبِ خدا
یہ حسیں سے حسین ٹھہرے ہیں
سب سماج و رواج رحمت ہے
ہے انہی پہ جہاں کا دار و مدار
ان کی مرضی ہے جب یہ جو کردیں
وقت واپس سمٹ کے آجائے
ان کے قد سے یہ بات چھوٹی ہے
کون رمزِ الٰہی جانتا ہے
کارِ عقدہ کشائی عہدے ہیں
سنگریزے کلام کرتے ہیں
صاحبِ عزت و وقار ہیں یہ
پرچمِ حق کے ہیں علم بردار

پاس دولت ہے اور غریب ہیں ہم
متفق آپؐ ہی کی ذات پہ ہوں
آپؐ شاملِ اصولِ دین میں ہیں
آپ اذانوں میں ہیں، نماز میں ہیں
اچھے جتنے ہیں، ان سے اچھے ہیں
پوچھو نجران کے نصاریٰ سے
ان کے نعلین عرش پہ پہنچے
ٹکڑے بادل کے ساتھ چلتے ہیں
یہ بھی راہِ صواب دے کے گئے
جسمِ خاکی بھی ان کا نور ہی نور
جسم سایے سے ہے بری ان کا
حسنِ یوسف ہے ان کے سامنے کیا
رحمت العالمینؐ ٹھہرے ہیں
آپؐ کا تو مزاج رحمت ہے
سب ہیں عاجز، یہ احمدِ مختار
اک اشارے سے چاند دو کردیں
جاتا سورج پلٹ کے آجائے
یہ بڑے کائنات چھوٹی ہے
ان کے رتبے خدا ہی جانتا ہے
ان کے عُہدے خدائی عہدے ہیں
نخل آکر سلام کرتے ہیں
دونوں عالم میں نامدار ہیں یہ
ان کے بچے ہیں خُلد کے سردار

آلِ مصداقِ سورۂ کوثر — لائقِ احترام گھر کا گھر
ہم سے کیا ہوسکے ثنا ان کی — مدح کرتا ہے خود خدا ان کی
فکر و دانش نے آگہی نے ابھی — ان کو سمجھا نہیں کسی نے ابھی
کیا بھلا کچھ کبھی کہیں ہوتا ہے — یہ نہ ہوتے، تو کچھ نہیں ہوتا

خوب ہے احترام کا معیار
ہیں ''محمدؐ'' کے ہم عدد اشعار
۹۲

سائیں

مدینہ منزلِ فکر و نظر ہے — مدینے میں مرے سائیں کا گھر ہے
یہیں رہتا ہے محبوبِ دو عالم — اسی گھر پہ زمانے کی نظر ہے
یہاں انوار کی ہوتی ہے بارش — یہاں ہر دم فرشتوں کا گزر ہے
نگاہیں انبیا کی پڑ رہی ہیں — یہی گھر ہے جو تقدیسِ نظر ہے
نویدِ اِنّما آئی یہیں سے — یہیں سے منظرِ شق القمر ہے
یہی گھر ہے، جہاں قرآن اترا — اسی پہ خالقِ کل کی نظر ہے
اسی گھر کی تو دلہن ہیں خدیجہؑ — یہیں شاخِ تمنا کا ثمر ہے
یہاں رہتے ہیں سرکارِ مدینہ — یہیں مقداد و بوذر کا گزر ہے
فرشتوں کو مرادیں مل رہی ہیں — علاجِ فطرسِ بے بال و پر ہے
یہی ہے علم و حکمت کا مدینہ — اسی کے در سے رحمت کا گزر ہے
زمانہ کر رہا ہے جبہ سائی — خیالِ عظمتِ خیر البشر ہے
میں کیوں جاؤں کہیں اے ذوقِ سجدہ — یہی اک آستاں تو معتبر ہے
یہی ہے منزلِ ختمِ نبوت — اسی گھر میں امامت کا شجر ہے
یہ گھر ہے قلبِ مومن کی تمنا — اسی گھر کا مرے دل میں بھی گھر ہے
مجھے مل جائے اُس در کی غلامی — تمنا بس یہی اک مختصر ہے

چلو باقرؔ! یہیں دھونی رمائیں
جو اس در سے ہٹا، وہ در بدر ہے

نعتیہ مسدس

اے چشمِ عقیدت یہ تری دید کے دن ہیں
ناکامِ تمنا تری اُمید کے دن ہیں
تثلیث کے، افکار کی تردید کے دن ہیں
مسرورِ موحّد ہیں کہ توحید کے دن ہیں
اے ذوقِ سخن مدحتِ محبوبِ خدا کر
اے جوشِ ولا! سجدۂ تعظیم ادا کر

طاعت جو خدا کی ہے، اطاعت ہے انہیں کی
احکام انہیں کے ہیں، شریعت ہے انہیں کی
سب دولتِ کونین، بدولت ہے انہیں کی
یہ شافعِ محشر ہیں، قیامت ہے انہیں کی
حلّال مہمات ہے، وہ اسم ہے ان کا
سایے کی کثافت سے بَری جسم ہے ان کا

خالق کی عنایت بھی ہوئی ختم انہیں پہ
معراج کی رفعت بھی ہوئی ختم انہیں پہ
صد شکر ہے رحمت بھی ہوئی ختم انہیں پہ
حد ہے کہ نبوت بھی ہوئی ختم انہیں پہ
گنجینہ تخلیق کا، شہکار یہی ہیں
مجبور ہیں سب، احمدِ مختارؐ یہی ہیں

اخلاق ہے ہر ایک کے اخلاق سے بہتر
شفقت ہے کہ ماں باپ کے اشفاق سے بہتر
ایوبؑ سے، یعقوبؑ سے، اسحاقؑ سے بہتر
ٹھہرے ہیں یہی انفس و آفاق سے بہتر
افلاک سے پوچھو، شہِ لولاک یہی ہیں
تطہیر کی آیت کی قسم، پاک یہی ہیں

بیٹی وہ انہیں کی ہیں جو حسنینؑ کی ماں ہیں
عم زاد انھیں کے ہیں جو مولائے جہاں ہیں
بچے ہیں تو سردارِ جوانانِ جناں ہیں
گھر اور کہیں ایسے زمانے میں کہاں ہیں
اک ربط بزرگی سے پُرانا ہے کچھ ایسا
سب اہلِ شرف ہیں، یہ گھرانا ہے کچھ ایسا

ہیں کارگہِ شر میں یہی خیر مسلسل
زحمت کی کڑی دھوپ میں، رحمت کا ہیں بادل
حسنینؑ و علیؑ، فاطمہؑ و احمدِ مرسلؐ
یہ پنجتنِ پاک ہیں کونین میں افضل
خادم ہیں ملَک جن کے، یہ مخدوم ہیں ایسے
عصمت کو بھی ہے فخر یہ معصوم ہیں ایسے

سب کروبیاں کام پہ مامور ہیں ان کے
دربان ہیں، خیّاط ہیں، مزدور ہیں ان کے
مسکین ہیں، لاچار ہیں مجبور ہیں ان کے
الطاف و کرم، خلق میں مشہور ہیں ان کے

کچھ کم نہیں یہ بات کہ خاصانِ خدا ہیں
انسان کے پیکر میں خدا جانے یہ کیا ہیں

فاقوں میں بھی ہے شکر، یہ دستور ہے ان کا
قرآن کی آیات میں مذکور ہے ان کا
جو اوّلِ تخلیق ہے وہ نور ہے ان کا
جو قادرِ مطلق کا ہے، مقدور ہے ان کا
جو کچھ بھی، جہاں بھی ہے، وہ صدقہ ہے انھی کا
قدرت کی مشیّت بھی تو منشا ہے انھی کا

یوسف سے فزوں حسن میں، یعقوبؑ سے بہتر
ہو صبر کی منزل تو یہ ایوبؑ سے بہتر
دنیا میں ہر اِک طالب و مطلوب سے بہتر
جو بھی ہے کوئی خوب یہ اُس خوب سے بہتر
حیراں ہے عقیدت بھی کہ یہ کون ہے، کیا ہے
نائب ہے وہ ان کا، جو نصیری کا خدا ہے

نعت

آقائے دو جہاں کا محمدؐ جو نام ہے
یہ نام خود ہی نعتِ نبی لاکلام ہے

دل مرتبہ شناسِ شہِ خاص و عام ہے
گر یہ نہیں تو سانس بھی لینا حرام ہے

ہوتا نہیں جُدا کہیں محبوب سے حبیب
اللہ کے ساتھ ساتھ محمدؐ کا نام ہے

قرآں میں نام لے کے مخاطب نہیں کیا
پیشِ نظر حبیب کا وہ احترام ہے

ما ینطق کی مہر ہے لب پر لگی ہوئی
وحیِ خدا وہی ہے جو ان کا کلام ہے

میں بھی ہوں سیرتِ ابوطالب پہ گامزن
ان کے ثنا گزاروں میں میرا بھی نام ہے

جن کا ہوں مَیں، انہیں سے توقع ہے یہ مجھے
وہ حشر میں کہیں "یہ ہمارا غلام ہے"

عشقِ نبیؐ و فاطمہؑ و مرتضیٰؑ کے ساتھ
دل میں غمِ حسین علیہ السلام ہے

میں بھی سخنوروں میں فرزدق کے ساتھ ہوں
مدحِ نبیؐ و آلِ نبی صبح و شام ہے

ان کی ولا کے جام پیے جا رہا ہوں مَیں
سانسیں مری درود ہیں دھڑکن سلام ہے

مے خانۂ مدینہ میں کوثر کی ہے شراب
جامِ نجف ہے اور مرا ساقی امام ہے

جو زندگی ملی ہے، وہ صدقہ انہیں کا ہے
ان سے ہی ابتدا ہے، انہیں پر تمام ہے

حبِ نبیؐ کی مے ہے، عبادت سمجھ کے پی
"انگور کی شراب کا پینا حرام ہے"

بے حبِ اہلِ بیت اگر عمرِ خضر ہو
اس عرصۂ حیات کو میرا سلام ہے

محشر میں کس سکون سے باقرؔ کا ہے ورود
دل میں ولا ہے، لب پہ درود و سلام ہے

نعت

محبت کا دل کو قرینہ ملے
جو رہنے کو ارضِ مدینہ ملے

زیارت کروں بند آنکھوں سے بھی
کچھ ایسی مجھے چشمِ بینا ملے

مَیں طیبہ کی گلیوں میں کھویا رہوں
تخیل کو سیرِ مدینہ ملے

سجیں نعت میں ایسے مدحت کے پھول
انگوٹھی کو جیسے نگینہ ملے

جو پھیلا ہے تیرے درِ علم سے
وہی علم سینہ بہ سینہ ملے

نمازوں کی قسمت بدل جائے گی
جو سجدوں کو خاکِ مدینہ ملے

جو ہاتھوں میں ہو دامنِ اہلِ بیت
تو پھر نوح کا سا سفینہ ملے

نہیں مشک و عنبر کی اس کو طلب
جسے ان کی بوئے پسینہ ملے

نعت

آسماں کی طرح رتبہ مرا اونچا کرنا
کعبۂ دل کو مرے ارضِ مدینہ کرنا

ان کی تائید سے سب تابِ سخن ہوتی ہے
سنگریزوں کو اُنہیں آتا ہے گویا کرنا

گوش دل کا یہ شرف ہے کہ سنے اُن کے سخن
دیدۂ دل کی بصارت انہیں دیکھا کرنا

ارضِ طیبہ پہ جہاں نقشِ قدم ہیں ان کے
دل یہ ضد ہے کہ اسی خاک پہ سجدہ کرنا

سایۂ رحمتِ کونین تھا، رہتا کیسے
ان کے سائے کو تھا مخلوق پہ سایہ کرنا

کارِ خالق ہو کہ ہو خلقِ خدا کی مشکل
یہ تو وہ ہیں جنہیں آتا ہی نہیں نا کرنا

کامراں بس وہی ہوتے ہیں، جنہیں آتا ہے
آج کو دیکھ کے اندیشۂ فردا کرنا

آپ کے نام پہ شاید یہ کبھی مل بیٹھیں
ورنہ دشوار ہے اس قوم کو یک جا کرنا

نعت سے لفظ و معانی کو تقدس دے کر
اپنے اشعار کو اردوئے معلٰی کرنا

وقت کچھ دور نہیں، آج کے ظالم سن لیں
بھرنا تو پڑتا ہے ویسا ہی، ہو جیسا کرنا

جب بھی رحمتِ عالم ہیں، تو مایوسی کیوں
ان سے وابستہ ہو پھر دیکھ خدا کا کرنا

کوئی مشکل نہیں ان کو، انہیں خوب آتا ہے
لبِ تشنہ کو مثالِ لبِ دریا کرنا

آپ کے در سے تو خالی نہیں لوٹے وہ بھی
جن کو آتا بھی نہ تھا عرضِ تمنا کرنا

اے حسینؑ ابنِ علیؑ آپ سے سیکھے کوئی
دشتِ اندوہ و بلا کو بھی معلّا کرنا

آپ خود کہہ دیں کہ ہے، در کا بھکاری باقرؔ
اپنے منہ سے نہیں اچھا کوئی دعویٰ کرنا

نعت

لکھنی ہے پھر قلم کو جو مدحت حضورؐ کی
قرطاسِ دل پہ اتری ہے صورت حضورؐ کی

اتنا تو رنگ لائی محبت حضورؐ کی
ہوتی ہے چشمِ دل سے زیارت حضورؐ کی

دنیا کے لوگ آج بھی ہوتے ہیں فیض یاب
سنّت بنی ہے خیر سے ہجرت حضورؐ کی

اپنا سا ان کو کہنا بھی توہین ان کی ہے
اللہ کا غضب ہے اہانت حضورؐ کی

خالق نے خود کیا ہے محمدؐ کا احترام
لازم ہے جن و انس پہ حرمت حضورؐ کی

ہم پستیوں کے لوگ بھلا کیا سمجھ سکیں
افلاک سے بلند ہے رفعت حضورؐ کی

منظور تھا خدا کو جو عترت کا احترام
شامل ہوئی درود میں عترت حضورؐ کی

ناحق شناسیوں نے یہی فیصلہ دیا
بنتِ نبی نہ پائے وراثت حضورؐ کی

بازی لگا کے جان کی کون اپنی سو گیا
کس نے بچائی جاں شبِ ہجرت حضورؐ کی

کرتے ہیں بے شعور ہی ایماں پہ اس کے شک
کی جس نے ساری عمر کفالت حضورؐ کی

نانا کا حق تھا، حق نے نواسوں کو دے دیا
حسنینؑ کو ملی ہے شہادت حضورؐ کی

شبیرؑ! تیرے عزم نے ثابت یہ کر دیا
بدلی نہ جاسکے گی شریعت حضورؐ کی

اولادِ فاطمہؑ سے ہوں، خالق کا ہے کرم
شامل ہے میرے خون میں نسبت حضورؐ کی

جو زندگی ملی مجھے، صدقہ انہیں کا ہے
ہر سانس ہے مری تو امانت حضورؐ کی

قرآن و اہلِ بیتؑ کو رکھنا تھا ساتھ ساتھ
امت بھلا چکی ہے وصیت حضورؐ کی

اولادِ مصطفیٰؐ کے عدو، کیا کرے گا تو؟
تجھ کو کہاں ملے گی شفاعت حضورؐ کی

اس گھر کی ہے خوشی تو اسی گھر کا غم مجھے
باقر پہ ہے بڑی یہ عنایت حضورؐ کی

نعت

آپ پچھتائیں گے باقرؔ فکرِ عقبیٰ چھوڑ کر
آپ کو اب جلد جانا ہے یہ دنیا چھوڑ کر

ارضِ مکہ چھوڑ کر، ارضِ مدینہ چھوڑ کر
ہم نہیں جنّت کے طالب اپنی دنیا چھوڑ کر

اہلِ دنیا کیسے جاتے کارِ دنیا چھوڑ کر
لاشِ پیغمبرؐ پہ کون آتا سقیفہ چھوڑ کر

کیوں کسی رستے پہ جائیں، ان کا جادہ چھوڑ کر
کیا نہیں ہے پاس ان کے ایک سایہ چھوڑ کر

کیوں نہیں ہے ان کا سایہ، ان کا سایہ ہیں علیؑ
یہ کہیں جاتے نہیں ان کو اکیلا چھوڑ

در پہ پیغمبرؐ کے سجدہ ریز ہیں اہلِ ولا
پیاس کے مارے کہاں جائیں گے دریا چھوڑ کر

دھوپ میں دنیا کی سب پہ ابرِ رحمت بن گیا
تھے جو بے سایہ گیے وہ اپنا سایہ چھوڑ کر

مضطرب انسان کو دینا تھا ہجرت کا نصاب
ورنہ کیوں جاتے پیمبر اپنا مکّہ چھوڑ کر

نوح کی کشتی کی ہے مانند حُبِ اہلِ بیت
ناخلف بیٹا ہی جاتا ہے سفینہ چھوڑ کر

بس اسی در پہ پڑے ہیں ہم ہیں جس در کے فقیر
کون جاتا ہے کہیں اپنا ٹھکانا چھوڑ کر

قلزمِ ہستی میں اصحابِ وفا ایسے بھی ہیں
پیاسے لوٹ آتے ہیں جو دریا کو بہتا چھوڑ کر

جو ابھی آسودۂ ساحل ہیں، ان کو کیا خبر
ہوگا طوفانوں کا اندازہ کنارہ چھوڑ کر

نعت

نعت پڑھنے جو محمدؐ کے غلام آتے ہیں
عرش سے فرش نشینوں کو سلام آتے ہیں

دل سے آنکھوں کو جواشکوں کے پیام آتے ہیں
یہ تولّا کے چھلکتے ہوئے جام آتے ہیں

حُر تجّل ہو کے سوئے شاہِ امام آتے ہیں
جس طرح صبح کے بھولے ہوئے شام آتے ہیں

سب ہی منسوخ ہیں، ناسخ ہے شریعت ان کی
سارے عالم کے رسولوں کے امام آتے ہیں

یہ حقیقت ہے، حبیب ابنِ مظاہر کی قسم
دوست ہی دوست کی تکلیف میں کام آتے ہیں

شیش محلوں سے ہمیں لگتی ہیں قبریں اچھی
سنتے ہیں قبر میں مومن کے امام آتے ہیں

کام اسلام کے آنا ہی تھی اولادِ رسولؐ
گھر پہ پڑتی ہے تو گھر والے ہی کام آتے ہیں

کلمہ گویوں میں منافق بھی ہیں اور مومن بھی
جیسے جو ہیں اُسی فہرست میں نام آتے ہیں

نعت

فہم سے بالا ہے رفعت آپ کی
کون کرسکتا ہے مدحت آپ کی

خَلقِ اوّل، صبحِ اوّل آپ ہیں
آپ سب کے، ساری خلقت آپ کی

یہ شبِ معراج ثابت ہوگیا
لامکاں ٹھہری ہے رفعت آپ کی

آپ دریا ہیں، زمانہ تشنہ لب
ہے زمانے کو ضرورت آپ کی

آپ پہ سچائیاں قربان ہیں
مانی دشمن نے صداقت آپ کی

سب نبی ہیں آپ ختم الانبیاء
آخری ٹھہری شریعت آپ کی

چہرہ قرآں اور سیرت اہلِ بیت
مل گئی سیرت میں صورت آپ کی

پیکرِ خاکی میں اِک نوری وجود
روشنی کو ہے ضرورت آپ کی

انفس و آفاق پہ وہ اختیار
جیسے ہو ساری مشیّت آپ کی

مل گئی معراج اُس کے ذہن کو
جو سمجھتا ہے فضیلت آپ کی

ہر جگہ ہے دھوپ زیرِ آسماں
سایے میں رکھتی ہے رحمت آپ کی

کیا لکھے سیرت کوئی سیرت نگار
صورتِ قرآں ہے سیرت آپ کی

شرم کے مارے جھکے جاتے ہیں سَر
ہم سے عاصی اور نسبت آپ کی

ذہنِ انساں جب بھی پائے گا فروغ
ہر زباں دے گی شہادت آپ کی

چھوڑ کر قرآن و اہلِ بیت کو
بھول بیٹھے ہم وصیّت آپ کی

اس کو کافر کہہ رہے ہیں کلمہ گو
جس نے فرمائی کفالت آپ کی

آپ کی اولاد سے بغض و عناد اور اُمید شفاعت آپ کی
گھر لٹا کے روک لی شبیرؑ نے رائیگاں ہوتی تھی محنت آپ کی
آخری نائب ابھی پردے میں ہے تا بہ محشر ہے نیابت آپ کی
میں خدا ہوں، نے پیمبر نے امام
کیسے کرسکتا ہوں مدحت آپ کی

نعت

یوں مری چشمِ عقیدت میں سمایا کوئی
ساری دنیا میں نظر پھر نہیں آیا کوئی

حسن نے ان کے وہ معیارِ نظر بخش دیا
دل کو بھاتا نہیں ایسا کوئی، ویسا کوئی

آمنہ گود میں تم جس کو لیے بیٹھی ہو
دیکھا کس ماں نے ہے ایسا کبھی بیٹا کوئی

اتنی سی بات پہ لوگ اتنے پریشاں کیوں ہیں
نور ہیں نور کا ہوتا نہیں سایا کوئی

وہ تو خالق ہے، نہیں کوئی تقابل اُس سے
کہیں خلقت میں نہ اس پایے کا پایا کوئی

آپ کے در سے جو جائیں تو کہاں اہلِ طلب
پیاسے جاتے ہیں کہیں چھوڑ کے دریا کوئی

ان کے اوصاف و فضائل تو خدا ہی جانے
ہم تو انسان ہیں سمجھا نہ فرشتہ کوئی

اور لوگوں نے بھی پایے ہیں مدارج لیکن
قابِ قوسین کی منزل پہ نہ پہنچا کوئی

آپ کے بعد نبوت کی ضرورت نہ رہی
آگئے آپ تو پھر اور نہ آیا کوئی

دانشِ وقت علیؑ کو ہی نہ سمجھی اب تک
کس طرح مان لوں میں، آپ کو سمجھا کوئی

میری امداد کو پہنچے ہیں تو مَیں کیسے کہوں
کب بُرے وقت میں ہوتا ہے کسی کا کوئی

ہیں حفاظت کو جو موجود امامِ ضامن
مجھ کو ہوتا نہیں اندیشۂ فردا کوئی

دین کو کفر کی یورش سے بچانے والا
اور ہوتا نہیں، ہوتا ہے انہیں کا کوئی

بیٹی بخشی ہے تو داماد بھی خالق دے گا
عرش سے اترے گا دہلیز پہ تارا کوئی

ایک گھر دیکھ کے میثاقِ وفا باندھ لیا
ہم کو کیا کام کسی اور سے ہوگا کوئی

حشر میں آلِ محمدؐ کے، محمدؐ کے سوا
کام آئے گا کوئی غیر نہ اپنا کوئی

کیا کروں اہلِ زمانہ سے زمانے کی طلب
اپنی اولاد کا دے دو مجھے صدقہ کوئی

نعت

پھیکا نہ ہو کبھی مرے حرفِ ہنر کا رنگ
میرے سخن کے ظرف میں بھر دے اثر کا رنگ

ہوگا سوادِ شام میں کیسے سحر کا رنگ
بے رنگ کردیا ہے ابوذرؓ نے زر کا رنگ

تقلید کی روش نہ تاسّی کسی کی ہو
میرے کلام سے ہو عیاں میرے گھر کا رنگ

خود سا بشر کہا، تو سمجھ میں نہ آئیں گے
خیر البشر میں دیکھیے خیر البشر کا رنگ

نورِ خدا تھا چہرۂ خیر الانام پر
وہ رنگ تھا اِدھر کا، نہیں تھا اُدھر کا رنگ

شاعر سخن سرا ہیں، تو سامع سخن شناس
نعتِ نبیؐ میں دیکھیے اہلِ نظر کا رنگ

پلکوں کے موتیوں میں عقیدت کی آب ہے
دیکھے تو کوئی آج مری چشمِ تر کا رنگ

ظلمت جہانِ تار کی کافور ہوگئی
اسریٰ کی شب ہے، آئی ہے لے کر سحر کا رنگ

رنگِ بہار چھایا ہے، جاتے ہیں مصطفیٰؐ
بدلا ہے کائنات کے دیوار و در کا رنگ

جبریل اک مقام سے آگے نہ جاسکے
بے رنگ اس سفر میں ہوا ہم سفر کا رنگ

اس بات کو بھی حسنِ توجہ کا رنگ دو
اچھا جو انتقام سے ہے درگزر کا رنگ

ہم رنگِ مصطفیٰؐ فقط آلِ رسول ہیں
بھاتا نہیں ہے ہم کو اِدھر اور اُدھر کا رنگ

جوحسن سادگی میں ہے رنگوں میں وہ کہاں
لمحوں کی سادگی پہ فدا عمر بھر کا رنگ

کیا یادگار آج سفر کینیڈا کا تھا
برسات کے سفر میں رہا چشمِ تر کا رنگ

مدحِ نبیؐ سے مل گیا باقر کو اعتبار
ہلکا نہ پڑ سکے گا ہمارے ہُنر کا رنگ

نعت

مرے دل کے صفحے پہ خامہ رواں ہے
مری نعت گویا مرا حرفِ جاں ہے

عجب نام محبوب کو دے دیا ہے
"محمدؐ" میں، مدحت کا دریا رواں ہے

محمدؐ محمدؐ محمدؐ محمدؐ
اگر دل سے نکلے، تو دل نعت خواں ہے

یہ خلقت میں اوّل ہیں، آمد میں آخر
بغیر ان کے عالم مکمل کہاں ہے

کہیں ان کی تمثیل ممکن ہو کیسے
کوئی ان کے جیسا نہ یاں ہے نہ واں ہے

مکاں سے جو چل کر گیا لامکاں تک
خدا جانے آج اس کی منزل کہاں ہے

نہ ہو حاضری جس میں وہ حج ہی کیسا
جسے دیکھیے سوئے طیبہ رواں ہے

کہاں جانے ٹھہرائے گا میہماں کو
بلایا ہے جس نے، وہ خود لامکاں ہے

یہ سب جانتے ہیں نہیں جسم اس کا
تو کیا فاصلہ یہ کم از دو مکاں ہے
بیاں کس طرح سے ہوں اُس کے فضائل
قلم میں مرے اتنی طاقت کہاں ہے
اذاں کان میں جب مرے دی گئی تھی
اُسی دن سے نام اُن کا زیبِ زباں ہے
جو گھٹی میں پی ہے محبت ہے ان کی
پلائی تھی جس نے مجھے، میری ماں ہے
وہ ہجرت کی شب، وہ پیمبر کا بستر
کوئی سو رہا ہے کسی کا گماں ہے
نمک خوار ان کا پرانا ہوں، باقرؔ!
سو نامِ محمدؐ مرا حرزِ جاں ہے

نعت

مرا ممدوح، ممدوحِ خدا ہے ۔۔۔ یہ قرآں کیا ہے، نعتِ مصطفیٰؐ ہے
نبیؐ کی کفش دوزی کی ہے جس نے ۔۔۔ یہی بندہ نصیری کا خدا ہے
زباں پہ جس کی یہ نام آگیا ہے ۔۔۔ وہ انساں جھوٹ کیسے بولتا ہے
وہ کنکر بھی گواہی دے رہے ہیں ۔۔۔ جنہیں عرفانِ حقِ مصطفیٰؐ ہے
جمالِ ذاتِ حق نورِ محمدؐ ۔۔۔ مقابل آئینے کے آئینہ ہے
انہیں کے حرف بنتے ہیں حدیثیں ۔۔۔ زباں سے ان کی قرآں بولتا ہے
اُجالا ہی اُجالا ہیں محمدؐ ۔۔۔ اُجالے کا کہیں سایہ ہوا ہے
یہ کیا کم ہے شرف انسانیت کا ۔۔۔ بشر ہونا پسند اُس نے کیا ہے
ہمارے دل میں رہتے ہیں محمدؐ ۔۔۔ ہمارا دل مدینہ ہوگیا ہے
جہاں ہم مر کے جینا چاہتے ہیں ۔۔۔ مدینہ ہے، نجف ہے، کربلا ہے
اُسے کتنی اذیت دی ہے کس نے ۔۔۔ جبینِ وقت پہ سب کچھ لکھا ہے

وہ اپنے وقت کا رشدی تھا، باقرؔ!
جو توہینِ پیمبرؐ کر گیا ہے

نعت

مِرا دل کہ ہے آشنائے محمدؐ
کسی کا نہیں ہے سوائے محمدؐ

فقیری کی دنیا ہے شاہی سے اچھی
ہے فخرِ سلیماں گدائے محمدؐ

انھی کے توسّل سے مِلتا ہے سب کو
عطائے خدا ہے، عطائے محمدؐ

اُسے پھر دو عالم سے لینا ہی کیا ہے
جسے مل گئی ہو ولائے محمدؐ

وہاں تک نہ پہنچا تخیّل ِکسی کا
جہاں تک گئے نقشِ پائے محمدؐ

زمیں، آسماں، کہکشاں، چاند، سورج
کسی کے نہیں ہیں سوائے محمدؐ

خدا بے نیازِ زمین و زماں ہے
ہیں سب عرش و کرسی برائے محمدؐ

کہیں عاصیوں کا ٹھکانا نہیں ہے
خطا پوش ہے بس عبائے محمدؐ

کروں گا میں سجدے حدِ لامکاں تک
وہاں پر بھی ہیں نقشِ پائے محمدؐ

رضائے محمدؐ کے طالب ہو، باقرؔ!
رضائے خدا ہے، رضائے محمدؐ

نعت

بہارِ صبحِ گلستاں، محمدِؐ عربی
زمانہ جاں ہے، رگِ جاں محمدِؐ عربی

کسے ہے آپ کا عِرفاں، محمدِؐ عربی
خرد ہے سر بہ گریباں، محمدِؐ عربی

یہ وہ حسیں ہیں کہ شیدا ہے جن کا خالقِ حسن
ہیں فخرِ یوسفِ کنعاں محمدِؐ عربی

انہیں سے ہے متوازن وجودِ عالمِ کُن
ہیں کائنات کی میزاں، محمدِؐ عربی

ہر ایک درد کا درماں درود ہے ان پر
علاجِ گردشِ دوراں محمدِؐ عربی

وہ اک کتابِ ہدایت، یہ ہادیِ اعظم
وہ چپ ہے، بولتے قرآں، محمدِؐ عربی

خدا نے سونپ دی تنظیمِ کائنات جسے
اس اعتبار کے انساں، محمدِؐ عربی

تمہارا نام لکھا ہے بیاضِ دل پہ مِری
یہ دل ہے نعت کا دیواں، محمدِؐ عربی

نعت

جس پہ نعتِ نبیؐ بیان ہوئی
وہ زمیں صرف آسمان ہوئی

عبد و معبود کے وسیلے کو
آپ کی ذات درمیان ہوئی

ان کو دنیا کہاں سمجھ پاتی
وحیِٔ معبود ترجمان ہوئی

اک ملاقات عبد و خالق میں
دو کمانوں کے درمیان ہوئی

اک مکیں ملنے لامکاں سے گیا
لامکانی جو میزبان ہوئی

کانپتے ہونٹ بھیگتی آنکھیں
میری صورت، مری زبان ہوئی

میہماں کی یہ شان تو دیکھو
ذاتِ معبود میزبان ہوئی

نعت

پھر مجھے نعت کی توفیق عطا ہوتی ہے
پھر مری فکرِ سخن عرش رسا ہوتی ہے

مجھ پہ یوں بھی میرے مولا کی عطا ہوتی ہے
ہونٹ کھلتے نہیں، مقبول دعا ہوتی ہے

آپ کے نام کا ہوتا ہے وظیفہ ہر دم
جو مرے دل کے دھڑکنے کی صدا ہوتی ہے

ہو وہ قرآن کی سورت کہ حدیثِ قدسی
آپ کے حُسنِ تکلم کی عطا ہوتی ہے

اس طرح آپ کی رحمت کی تمنا ہے مجھے
جیسے بیمار کو امید شفا ہوتی ہے

نام جب آپ کا آتا ہے تو پڑھتا ہوں درود
یہ عبادت بھی کہیں مجھ سے قضا ہوتی ہے

زندگی سیرتِ معصوم میں ڈھل جائے اگر
قریۂ شام میں بوذر کی صدا ہوتی ہے

نعت تو سب ہی کہا کرتے ہیں لیکن، باقرؔ!
کس سے مدّاحیِ ممدوحِ خدا ہوتی ہے

نعت

میرا دن، میری رات، ختمِ رسل — کُل متاعِ حیات، ختمِ رسل
میری جانب بھی ہو نگاہِ کرم — میں ہوں اور کربِ ذات، ختمِ رسل
الاماں، الاماں، گناہ مرے — التفات، التفات، ختمِ رسل
سارے بت پاش پاش ہوجائیں — دل ہو کیوں سومنات، ختمِ رسل
مانگنا کیا ہے اور کیا مانگوں — صرف عرفانِ ذات، ختمِ رسل
العطش، العطش، وجود مرا — سَیلِ آبِ حیات، ختمِ رسل

ہم کو فکرِ نجات کیا، باقرؔ!
ہیں سبیلِ نجات، ختمِ رسل

بابِ مناقب

ترتیب

مناقبِ حضرت ابو طالب علیہ السلام	۹۷
رباعی و قطعہ	۹۹
نذرِ ایمانِ ابو طالب	۱۰۰
مناقبِ علی علیہ السلام	۱۰۳
قطعات و رباعیات	۱۰۵
سروشِ ولایت	۱۱۱
نذرِ غالب — علی علی کہا کرو	۱۱۷
قصیدۂ مولائے کائنات	۱۲۰
گزر رہی ہے اگر زندگی علی کے بغیر	۱۲۳
خُم کے میداں میں خدا کا آخری پیغام ہے	۱۲۵
سہرا	۱۲۷
اگر جوشِ ولا صورت گرِ اظہار ہو جائے	۱۲۹
ضیا فگن مہ و اختر نہیں علی کے بغیر	۱۳۰
جس کے لہو میں دشمنیِ بوتراب ہے	۱۳۲
ثنائے مرتضیٰ ہے اور میں ہوں	۱۳۴
دل پُرسکوں ہے حُبِ جنابِ امیرؑ سے	۱۳۵

جو لوگ منزلتِ بوترابؑ سمجھے ہیں	۱۳۷
نہیں حبِ علیؑ جس دل میں واں ایمان تھوڑی ہے	۱۳۹
مری چشمِ ولا کو وہ ملے حُسنِ نظر، مولا!	۱۴۱
مصطفیٰؐ والے، مرتضیٰؑ والے	۱۴۳
مسدّس بہ سلسلۂ غدیر	۱۴۴
جب علیؑ کا نام ہر دل کی صدا بن جائے گا	۱۴۸
شاخِ مدحِ مولا پر جب گلاب آتے ہیں	۱۵۰
جو معتبر ہیں وہ کرتے ہیں اعتبار کی بات	۱۵۳
کمالِ مدحتِ علیؑ کے نام سے ہے	۱۵۵
وہ جو بغضِ علیؑ میں مرتے ہیں	۱۵۶
وہ مصطفائے غدیر اور وہ مرتضائے غدیر	۱۵۷
جوشِ ولا سے کام لیے جا رہا ہوں مَیں	۱۵۸
جب درِ علمِ نبیؐ ہے جبہ سائی کے لیے	۱۶۰
کیا پوچھتے ہو ہم سے ہوا کیا غدیر میں	۱۶۱
گھٹا کعبے پہ برسی ہے مرادآئی پیمبرؐ کی	۱۶۴
منقبتی مسدّس	۱۶۶
جہاں جہاں ہیں خدائی میں کردگار کے رنگ	۱۶۸
ہم آئے بزم میں لے کر کلام کی خوشبو	۱۷۰
مطلعِ نو کی فکر تھی مدحتِ بوترابؑ میں	۱۷۲
عقیدتوں میں بسر اپنی زندگی کرنا	۱۷۴
کون کس کو لائے گا اس انتہا کے سامنے	۱۷۶
بیاضِ منقبتِ بوترابؑ رکھتے ہیں	۱۷۷
فضائے گلشنِ ہستی میں عہدِ نو بہار آیا	۱۸۰

اسلام تری وجہِ بقا کوئی نہیں ہے	۱۸۲
دیں وار چاہیے نہ گنہ گار چاہیے	۱۸۵
مناقبِ حضرت فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا	۱۸۷
قطعات و رباعیات	۱۸۹
سوز	۱۹۰
شادی — منقبتی مسدّس	۱۹۱
سیّدہ کے نور کو تطہیر کا پیکر ملا	۱۹۵
مثنوی شادی	۱۹۸
وہ انساں جو محمدؐ اور حیدرؑ سے نکلتے ہیں	۲۰۳
آئینۂ جمالِ پیمبرؐ ہے سیّدہؑ	۲۰۶
فاطمہؑ	۲۰۸
کسی زماں میں نہیں اور کسی مکاں میں نہیں	۲۰۹
بیٹھے ہیں رند ساقیِ کوثر کے ساتھ ساتھ	۲۱۱
ایسی کہیں جہان میں جوڑی کسی کی ہے	۲۱۳
حق نگر حق نما کی شادی ہے	۲۱۴
جو ابتدائے خلق ہے، خلقت انھیں کی ہے	۲۱۷
علم کے در سے جو بھی بد دل ہے	۲۱۹
وہ سخن ور جس کے لب پر مدحتِ شبیرؑ ہے	۲۲۲
کوئی کہاں محترم ہے ایسا زباں پہ آتے ہیں نام ان کے	۲۲۴
خدا کے بندے سب ہی ہیں لیکن برائے کارِ خدا یہی ہیں	۲۲۷
ممکن ہو تو ڈھونڈ کے لاؤ ایسا گھرانا ایسا کوئی گھر	۲۳۰
وہ شہر جس کے افق پہ باقرؔ طلوعِ مہرِ ولا نہیں ہے	۲۳۲
ان کی ولا سے صاحبِ توقیر ہوگیا	۲۳۴

جو عمر رہتی ہے باقرؔ وہ یوں تمام کرو	۲۳۶
سب کو کہاں ملتی ہے سعادت بھی ثنا کی	۲۳۷
ہر فصل میں کھلا جو خلافِ اصول ہے	۲۳۹
ہمارا دل تو کسی بھی پیر کسی کا نہیں	۲۴۱
مُصحفِ عصمت	۲۴۳
مناقبِ حضرت امام حسن علیہ السلام	۲۴۷
مری زباں پہ سدا ہے یہی کلامِ حسن	۲۴۹
حسن جہان میں آتے ہیں عیدِ اکبر ہے	۲۵۱
گلشن میں فاطمہؑ کے سماں ہے بہار کا	۲۵۲
مناقبِ حضرت امام حسین علیہ السلام	۲۵۳
قطعات	۲۵۵
کاروانِ عزم	۲۵۷
منقبتی مسدس	۲۵۹
ذکرِ شبیرؑ میں جو ہم شعرا کہتے ہیں	۲۶۲
خدا کا شکر کہ مانوس ہو گئے غم سے	۲۶۴
اشہد اَن لا الہ کہتا ہوا	۲۶۷
وہ جن کو مصلحت نے مسلماں بنا دیا	۲۶۸
دنیا میں جہاں نصرتِ مظلوم رہی ہے	۲۷۰
وہ جو بغضِ علیؑ میں مرتے ہیں	۲۷۱
ہے فاطمہؑ کے گھر جو ولادت امام کی	۲۷۳
احترامِ بتولؑ کرتے ہیں	۲۷۴
مدح کی جو دین کے سلطان کی	۲۷۶
ولادت کی خوشی ہے خانۂ بنتِ پیمبر میں	۲۷۷

رہ روِ راہِ رضا پیدا ہو	۲۷۸
علیؑ کے در پہ ہے پھر سے کشوں کا جمِ غفیر	۲۷۹
محفل میں ہے جو باقرؔ یہ شورِ مرحبا کا	۲۸۱
مفتی نہیں، فقیہ نہیں، پارسا نہیں	۲۸۳
دیں بچانا تھا جسے وہ دین دار آ ہی گیا	۲۸۴
فصلِ گل آئی ہے، غنچوں کی ہنسی کا دن ہے	۲۸۶
جس کی خواہش پہ نظر شمس و قمر رکھتے ہیں	۲۸۹
مناقبِ حضرت عباس علیہ السلام	۲۹۱
ثنائے حضرتِ عباسؑ پر جو جی آیا	۲۹۳
علم دارِ وفا دریا میں جب تشنہ دہاں ٹھہرا	۲۹۴
منقبت لکھی ہے ہم نے اِک بہ عنوانِ وفا	۲۹۵
پدر مشکل کشا ٹھہرے، پہ حاجت روا ٹھہرا	۲۹۶
مولا عباسؑ	۲۹۸
یا عباسؑ	۲۹۹
عباسؑ تیری مدحت ہم سے کہاں ہوئی ہے	۳۰۰
یوں رہا ذکرِ علَم شہہ کے علم دار کے ساتھ	۳۰۲
منقبت حضرتِ علی اکبر علیہ السلام	۳۰۵
اسلام کے گلشن کو بچایا ہے خزاں سے	۳۰۷
منقبت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام	۳۰۹
ایک ہی گھر کے ہیں دونوں وہ نبی ہوں کہ امام	۳۱۱
مناقبِ حضرت امام علی رضا علیہ السلام	۳۱۳
قطعات	۳۱۵
شبِ بے چارگی سے روشنیِ صبحِ امکاں تک	۳۱۶

بات کیا ہوگی وہاں اسلام اور ایمان کی ۳۱۹

مناقبِ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ ۳۲۱

قطعات ۳۲۳

جلدی خیال کیجیے اس انتظار کا ۳۲۷

ٹوٹ کر چھائی گھٹا ابرِ بہار آ ہی گیا ۳۲۹

مؤنسِ خلقِ عام آئیں گے ۳۳۰

ہم روز مانگتے ہیں دعائیں قرار کی ۳۳۱

محبتوں میں یہ شدت نہیں تو کچھ بھی نہیں ۳۳۳

ہے عیدِ ماہِ نیمۂ شعباں کہاں کہاں ۳۳۵

نوعِ بشر کے عقدہ کشا آ بھی جائیے ۳۳۷

پھر آج کائنات میں جشنِ بہار ہے ۳۳۹

جس کے دل میں وہ جانِ جاں آئے ۳۴۰

کمالِ حسنِ عقیدت ہے ان کے نام کے ساتھ ۳۴۳

مناقبِ حضرت ابو طالب علیہ السلام

رباعی

ہے آلِ محمدؑ سے محبت مجھ کو
خالق نے عطا کی ہے یہ دولت مجھ کو
جو ان کے عدو ہیں وہ عدو ہیں میرے
گھر سے ابوطالبؑ کے ہے نسبت مجھ کو

قطعہ

علی سے جو شرفِ انتساب رکھتے ہیں
سخن قبول، دعا مستجاب رکھتے ہیں
مقابلے کی نہیں یہ تو بات ظرف کی ہے
نجوم تم رکھو، ہم آفتاب رکھتے ہیں

نذرِ ایمان ابوطالب علیہ السلام

یہ ایک شرف دیکھو تنہا ابوطالب کا
اللہ کے گھر کا ہے، بیٹا ابوطالبؑ کا
اللہ کے کام آیا، جو تھا ابوطالبؑ کا
بیٹا ابوطالب کا، پوتا ابوطالبؑ کا

اللہ کی مرضی سے پالا ہے محمدؐ کو
قدرت کی مشیّت ہے، منشا ابوطالبؑ کا
راتوں میں بھتیجے کو بیٹوں سے بدل دینا
ایثار کا دفتر ہے، جذبہ ابوطالبؑ کا

الحمد کے سورے کی، آیات کے کام آیا
شادی میں پیمبرؐ کی خطبہ ابوطالبؑ کا
اس صنف کے شاعر ہیں، پیرو ابوطالبؑ کے
ہے نعت کے ماتھے پہ ٹیکہ ابوطالبؑ کا

اُسوہ ابوطالبؑ کا ایمان کی عزت ہے
قرآن کی صورت ہے چہرہ ابوطالبؑ کا
جو کفر کا پالا ہو، جو چاہے کہے جائے
اسلام کے سر پہ ہے سایہ ابوطالبؑ کا

یہ قرض چکانا ہے اک روز مسلماں کو
احسان ہے اُمت پہ کیا کیا ابوطالبؑ کا

کیا اس سے کوئی اچھا ممکن ہے زمانے میں
پیغمبرؐ آخر ہے، پالا ابوطالبؑ کا

گودی میں رسالت ہے، نسلوں میں امامت ہے
آخر ابوطالبؑ کا، پہلا ابوطالبؑ کا

پوتے ابوطالبؑ کے سردار ہیں جنت کے
اور ساقیِ کوثر ہے بیٹا ابوطالبؑ کا

اسلام کی دعوت سے دربار کے خطبوں تک
ہے ثبت زمانے پر، لہجہ ابوطالبؑ کا

ان کی ہی قیادت ہے اب روزِ قیامت تک
ہے پردۂ غیبت میں پوتا ابوطالبؑ کا

جب دین پہ وقت آئے بہتا ہے لہو ان کا
اسلام کا کرتا ہے، بھرنا ابوطالبؑ کا

احسان خدا کا ہے، اپنا یہ نسب، باقرؔ!
نسبت ابوطالبؑ کی، رشتہ ابوطالبؑ کا

مناقبِ حضرت علی علیہ السلام

قطعات و رباعیات

علم کے در سے جو گزرتے ہیں
آسمانوں پہ پاؤں دھرتے ہیں
مدحِ مولا کا قصد کافی ہے
وحی کی طرح شعر اترتے ہیں

❁

تخت و جاہ و حشم نہیں رکھتے
پھر بھی گردن کو خم نہیں رکھتے
منقبت جب علیؑ کی پڑھتے ہیں
ہم زمیں پہ قدم نہیں رکھتے

❁

ارادہ کیا ہے علیؑ کی ثنا کا
سفر کر رہا ہوں سمک سے سما کا
نصیری سے پوچھا ''تو بندہ ہے کس کا''
تو بولا ''خدا کا، خدا کا، خدا کا''

❁

جب بھی مشکل مقام آتا ہے
لب پہ مولا کا نام آتا ہے
یاعلیؑ یاعلیؑ، مدد کہنا
ہر مصیبت میں کام آتا ہے

❁

اس میں کیا ہے خطا نصیری کی
اُس کو سب سے اگر جدا سمجھے
جس میں اوصاف ہوں خدائی کے
اُس کو بندہ پھر اور کیا سمجھے

❁

برف سینے میں ہم نہیں رکھتے
آتشِ عشق کم نہیں رکھتے
ہم نے جینا علیؑ سے سیکھا ہے
موت کا خوف ہم نہیں رکھتے

❁

بہر صورت علیؑ کے نام سے ہے
قد و قامت علیؑ کے نام سے ہے
علیؑ والے کہیں جھکتے نہیں ہیں
بڑی رفعت علیؑ کے نام سے ہے

❁

راج دھانی نہ راج رکھتا ہوں
اپنی ٹھوکر پہ تاج رکھتا ہوں
بحث مجھ سے نہ کر خلافت کی
میں غدیری مزاج رکھتا ہوں

دانش کو آگہی سے جدا کرکے دیکھیے
سورج سے روشنی کو جُدا کر کے دیکھیے
تارے نظر نہ آئیں جو دن میں،تو بات ہے
اِسلام سے علیؑ کو جُدا کرکے دیکھیے

ہمیں علمِ کجی و راستی ہے
کھرے، کھوٹے کی کچھ پہچان بھی ہے
ہمارے پاس معیارِ تعلّق
علیؑ کے دوستوں سے دوستی ہے

اللہ کا کرم تھا کہ انساں بنا دیا
آئے رسولِؐ پاک، مسلماں بنا دیا
مولا بنے علیؑ، تو مقدر چمک گئے
اہلِ ولا کو صاحبِ ایماں بنا دیا

سبھی سے رسم و راہِ زندگی ہے
ہماری تو سبھی سے دوستی ہے
مگر اِک دُشمنِ حیدرؑ ہے، باقرؔ!
کھلی جس سے ہماری دُشمنی ہے

میں بانٹتا ہوں جو مولا کے نام کی خوشبو
جہاں میں پھیلی ہے میرے کلام کی خوشبو
میں اہلِ بیت کا شاعر ہوں، میری بات نہ پوچھ
غزل سے آتی ہے میری، سلام کی خوشبو

شاخِ مدحِ مولا پہ جب گلاب آتے ہیں
خوشبوؤں کے جھونکے پھر بے حساب آتے ہیں
سب کو اس حضوری کی رفعتیں نہیں ملتیں
خوش نصیب آتے ہیں، باریاب آتے ہیں

فاطمہؑ کے در پہ آکر زیست کا حاصل ملا
پھر اُنہیں کے ہو لیے ہم، جن سے اپنا دل ملا
جادۂ حُبِ علیؑ رستہ بھی ہے، منزل بھی ہے
جو ملا اس راہ میں، آسودۂ منزل ملا

علیؑ کے چاہنے والوں میں میرا نام ہو، باقرؔ!
اگر ہے آرزو کوئی تو یہ ہے قلبِ مضطر کی
جسے نسبت ہو ان سے، موت اُس کو چھو نہیں سکتی
مثالیں سامنے ہیں میثم و سلمان و قنبر کی

❁

ولا کی بزم میں جس طرح ماتمی آیا
نہ مجتہد کوئی آیا، نہ مولوی آیا
نجف سے پی کے چلا تھا غدیرِ خم کی شراب
چڑھی ہوئی تھی، سو کہتا علیؑ علیؑ آیا

رباعی

دوری کس سے ہے اور قربت کس سے
نفرت کس سے ہے اور اُلفت کس سے
اربابِ جہاں میں بے بساطی مت دیکھ
یہ دیکھ کہ شاعر کو ہے نسبت کس سے

❁

خیال و فکر میں وسعت نہیں تو کچھ بھی نہیں
بیاں میں زورِ فصاحت نہیں تو کچھ بھی نہیں
اگر نصیب سے یہ دونوں وصف مل جائیں
تو پھر مذاقِ سماعت نہیں تو کچھ بھی نہیں

❁

جسے زبانِ رسالت نے بابِ علم کہا
ہر اک سوال کا اس سے جواب سمجھے ہیں
ہمیں سناؤ نہ قصے ابوہریرہ کے
ہم اہلِ بیتؑ سے دیں کا نصاب سمجھے ہیں

❁

ساقی نہیں ہے وقت بس اب پیچ و تاب کا
منہ سے مرے لگا بھی دے پیالہ شراب کا
غالبؔ کا شعر سُن کے، خدا کی قسم مجھے
لطف آرہا ہے بندگیِ بوتراب کا

❁

گئے جو اہلِ ولا خون سے جلا کے چراغ
ہر ایک عہد میں روشن رہے وفا کے چراغ
زمانے، تیری ہوائیں بجھا نہیں سکتیں
کہ طاقِ جاں میں رکھے ہیں مری ولا کے چراغ

❁

سروشِ ولایت

اے قلم منقبت مزاج ہو پھر
میرے مولا کا ذکر آج ہو پھر

فیضِ مخلوق پہ ہے عام ترا
پہلی ہی وحی میں ہے نام ترا

عِلم کی نعمتیں ترے دم سے
فکر کی رفعتیں ترے دم سے

تجھ سے دانشوری کا قد بن جائے
تیرا لکھا ہوا سند بن جائے

خدمتِ خلق ہے جو تیرا شعار
تجھ سے باقی ہے زندگی کا وقار

اے محمدؐ کی آخری خواہش
جو نہ پوری ہوئی وہی خواہش

یوں خدا تجھ کو سرفراز کرے
تیرا لکھا تجھی پہ ناز کرے

نام سے اس کے ابتدا کرکے
اٹھنا کاغذ سے حق ادا کرکے

مصطفیٰؐ کے وصیؑ کی مدحت ہے
میرے مولا علیؑ کی مدحت ہے

ذکرِ خاصِ خدا ہے، مشکل ہے
مدحِ مشکل کشا ہے، مشکل ہے

ان کی مدحت میں جب چلا یہ قلم
کبھی پیچھے نہیں رہا یہ قلم

لکھ رہا ہے علیؑ کا نام قلم
کر رہا ہے ہمارا کام قلم

نقطہ زیرِ بائے بسم اللہ
ہیں یہی تو بنائے بسم اللہ

تیرھویں جب رجب کی آتی ہے
چاند اک چودھویں کا لاتی ہے

کیا حسیں یہ نوشت و خواند لگے
لو، رجب کو بھی چار چاند لگے

کب بھلا اور تھا کسی کے لیے
یہ شرف تھا تو بس انھی کے لیے

کس فضیلت سے بہرہ مند کیا
خود خدا نے یہی پسند کیا

جو بنے انبیاء کے ہاتھ سے گھر
بس وہی گھر ہو مولدِ حیدرؑ

جو زمانے سے ہو عبادت گاہ
وہ علیؑ کی بنے ولادت گاہ

جو جہاں میں خدا کا گھر کہلائے
ابوطالبؑ کا لعل اس میں آئے

ہر مسلمان کا جو قبلہ ہو
اس میں مولد وہ میرا کعبہ ہو

یہ جو آئے سمٹ گئی دیوار
ان کے رستے سے ہٹ گئی دیوار

مریم و سارہ، دایاں آئیں
حاجرہ، حوا مایاں آئیں

کب زباں کھولی، آنکھ کب کھولی
جب نبیؐ روبرو تھے تب کھولی

حسنِ منظر ظہور میں آیا
نور، آغوشِ نور میں آیا

نور سے نور یوں ملا جیسے
نصف سے نصف مل گیا جیسے

نور تھے، نور کی نظر میں رہے
رحمت العالمیں کے گھر میں رہے

عظمتوں کا مقام رکھا ہے
رب نے اپنا ہی نام رکھا ہے

نام حق سے انھیں ملا ہے علیؑ
جس کا مہمل بھی ڈھونڈیے تو ولی

کوئی ایسا مہابلی ہی نہ تھا
یہ تھے بس دوسرا علیؑ ہی نہ تھا

اوجِ توفیق کا ستارہ ہیں
یہ بلندی کا استعارہ ہیں

گلِ امید کھل گیا، کیا کیا
اِن کے آنے سے، مل گیا کیا کیا

ہاتھ آیا خزانۂ قارون
جیسے موسیٰؑ کو مل گئے ہارونؑ

انتہا مل گئی رسالت کو
ابتدا مل گئی امامت کو

منتظم دیں کو لاکلام ملا
متقیوں کو اِک امام ملا

قلبِ مومن کو مل گئی تنویر
حرفِ قرآں کو مل گئی تفسیر

در ملا علم کے مدینے کو
بادباں مل گیا سفینے کو

علم کے شہر کو جو باب ملا
تشنگانِ جہاں کو آب ملا

آگہی کو یمِ سرور ملا
دل کی تاریکیوں کو نور ملا

ظلمتوں نے نئی ضیا پائی
حبسِ تہذیب نے ہَوا پائی

نفسِ مطلب مباہلے کو ملا
یعنی سچا مقابلے کو ملا

جیشِ اسلام کو مِلا فاتح
متنِ قرآن کو ملا شارح

دُرِ مقصد مِلا محبت کو
حق ملا آیہِ مودّت کو

غنچہ و گل نے تازگی پائی
چاند تاروں نے روشنی پائی

حسنِ اخلاق نے اثر پایا
ہر فضیلت نے ایک گھر پایا

مرضِ جہل کو طبیب ملا
ادبیّات کو ادیب ملا

ایک نہج البلاغہ کا ہے وجود
ایک دیوانِ شاعری موجود

ایک قرآں ملا بصارت کو
ایک چہرہ ملا عبادت کو

تحفہِ ربِّ ذُوالجلال مِلا
ابوطالبؑ کو کیسا لال ملا

ہے یہ دل کو یقیں گماں میں نہیں
کوئی ایسا کہیں جہاں میں نہیں

صدق کو ناز ہے صداقت پہ
عدل کو ناز ہے عدالت پہ

تھی نبوت کی مہر زیرِ قدم
جب یہ کعبے میں توڑتے تھے صنم

خود کہا ہے بلند اتنا تھا
ہاتھ سے تارے توڑ سکتا تھا

شَرف افلاک سے بلند ہوئے
حدِ ادراک سے بلند ہوئے

علم کے بحر اِن سے بہتے ہیں
ہیں یہی جو سلونی کہتے ہیں

نسبتیں کیا نبیؐ سے پائی ہیں
یاں بھی بھائی ہیں واں بھی بھائی ہیں

دل میں ہے روشنی نبوت کی
سونگھتے تھے یہ بُو رسالت کی

مثلِ گل وہ، تو یہ کلی سے ہیں
یہ نبیؐ سے ہیں، وہ علیؑ سے ہیں

کب ہے ان کی طہارتوں کی نظیر
یہ ہیں مصداقِ آیہِ تطہیر

بند مسجد میں در سبھی کا ہوا
ایک در ان کا بس کھلا ہی رہا

اور گھر اور، ان کے در ہیں اور
ان کے در اور، ان کے گھر ہیں اور

ان کی ہر بات ہے الگ سب سے
ان کے منصب الگ تھلگ سب سے

گھر سے باہر رہیں کہ گھر جائیں
ساتھ ہے ان کے حق جدھر جائیں

ان کے فاقوں کا بھی عجب ہے حساب
آیتیں ان کی روٹیوں کا جواب

جو پیمبر کے دل کا چین ہوئے
ایسے بیٹے حسنؑ حسینؑ ہوئے

بیوی جنّت کی مالک و مختار
دونوں بیٹے ہیں خُلد کے سردار

سالکِ اللہ کی رضا کا ہے
ان کا جو دوست ہے خدا کا ہے

ان کی الفت، خدا کی الفت ہے
ان کی طاعت، خدا کی طاعت ہے

بے وفا ہے، وفا کا دشمن ہے
ان کا دشمن، خدا کا دشمن ہے

صلح کے دن قلم انہیں کو مِلا
روزِ خیبر، عَلَم انہیں کو ملا

کیا عبادت کا ہوسکے گا حساب
ایک ضربت میں دو جہاں کا ثواب

عبدِ ود سے لڑا ہے کون بتاؤ
کلِ ایماں ہو کوئی اور تو لاؤ

سیف جب ان کی ٹوٹ جاتی ہے
عرش سے ذوالفقار آتی ہے

کہاں ہوتے ہیں ایسے موج مثال
اک سپاہی ہیں اور فوج مثال

کفر کا رنگ ڈھنگ کوئی بھی ہو
فتح ان کی ہے، جنگ کوئی بھی ہو

ہر گھڑی ان سے استعانت ہے
نام ہی فتح کی ضمانت ہے

دم نہیں ہے کسی کے نعروں میں
جوش ہے یا علیؑ کے نعروں میں

نام لیتے ہی جوش آتا ہے
بعد میں ہوش ووش آتا ہے

ان کا جو بھی جہاں بھی دشمن ہے
اپنا یاں بھی، وہاں بھی دشمن ہے

اک یہی میرے دو جہان میں ہیں
یہ مری روح، میری جان میں ہیں

یہی مرقد میں میرے آئیں گے
یہی محشر میں بخشوائیں گے

پانی بیر العلم سے لاتے ہیں
یہ جنوں پہ بھی فتح پاتے ہیں

خوف و خطرہ میں آیتیں پہنچائیں
یہ امیں کی، امانتیں پہنچائیں

وہ برأت کی آیتیں گویا   تھیں تبرے کی ساعتیں گویا
یہ نہ ہوتے، تو خاک ہوجاتا   کوئی تھا جو ہلاک ہو جاتا
آپ کیا جانے کیا سمجھ بیٹھے   لوگ ان کو خدا سمجھ بیٹھے
بشریت کی صنفِ محکم کی   ان سے عزت بڑھی ہے آدم کی
بو علیؑ کا یہ قول ہے مقبول   جیسے محسوس میں کوئی معقول
شبِ ہجرت وہ جان کا سودا   ہیچ ہے کل جہان کا سودا
ان کی ہر بات معجزاتی ہے   خوفِ جاں ہو تو نیند آتی ہے
ایک ہی آدمی سے سیکھا ہے   ہم نے جینا علیؑ سے سیکھا ہے
ذوالعشیرہ میں یہ وصی ٹھہرے   خم میں مولا بنے ولی ٹھہرے
وقتِ بعثت کا عندیہ ہے غدیر   ذوالعشیرہ کا شکریہ ہے غدیر
جن معانی میں ہیں نبیؐ مولا   ان معانی میں ہیں علیؑ مولا
اپنے جیسا بنا دیا ان کو   سب کا مولا بنا دیا ان کو
فضل حاصل ہوا غدیر کے دن   دین کامل ہوا غدیر کے دن
جشن کا بن گیا جریدہ بھی   پڑھا حسّان نے قصیدہ بھی
خود پیمبر ہی نے رضا بھی دی   حق کی تائید کی دعا بھی دی
میں بھی ہوتا تو پیچھے کب رہتا   مدحِ مولا میں منقبت کہتا
اذن پاتا تو کیسے پڑھتا مَیں   اس بلندی پہ کیسے چڑھتا مَیں
منہ سے الفاظ کیا بیاں ہوتے   شعر اشکوں میں ہی رواں ہوتے
دل و جاں سے وہیں گزر جاتا   داد ملتی مجھے تو مر جاتا
یہ عدیم النظیر ہیں، باقرؔ!   یہ جنابِ امیرؑ ہیں، باقرؔ!
نوعِ انساں میں ایسا کوئی نہیں   حدِّ امکاں میں ایسا کوئی نہیں
ہر نفس ہر گھڑی کہے جاتا   یاعلیؑ، یاعلیؑ کہے جاتا
یہ جو مولائی ہیں علیؑ والے   یہ خدا والے، یہ نبیؐ والے

خواہشِ آمدِ بہار میں ہیں   ان کے نائب کے انتظار میں ہیں
دید کا دن قریب ہوجائے   یہ زیارت نصیب ہوجائے

خوب انداز احترام کے ہیں
ہم عدد شعر اُن کے نام کے ہیں
۱۱۰

نذرِ غالبؔ

مرزا اسداللہ خان غالبؔ کے ایک مکتوب سے اقتباس

"اور دینِ حق کو جو پوچھتے ہو، سواس کے سوا کیا ہے، علی علی کہا کرو، فارغ البال رہا کرو۔"

"بندۂ علی ابنِ ابی طالب —— اسداللہ خان غالب"

اسی سے ابتدا کرو اسی پہ انتہا کرو
یہ حرزِ جاں رکھا کرو اِک اسم ہے پڑھا کرو
علی ، علی کہا کرو

کہاں جہاں، کہاں علی جہاں ہے حق، وہاں علی
وہاں ہے حق، جہاں علی تو حق کا حق ادا کرو
علی ، علی کہا کرو

یہی تو وہ جوان ہے جو دو جہاں کی جان ہے
زمیں پہ آسمان ہے اُٹھا کے سر چلا کرو
علی ، علی کہا کرو

زمانہ جس سے زیر ہے یہی تو وہ دلیر ہے
یہی خدا کا شیر ہے کسی سے مت ڈرا کرو
علی ، علی کہا کرو

ہوں مشکلیں جو درمیاں جو بند ہو رہِ اماں
کہیں بھی ہو یہاں، وہاں یہ نام لے لیا کرو
علی ، علی کہا کرو

خوشی ہو یا ملال ہو کوئی تمہارا حال ہو
مئے ولائے آلؑ ہو پیا کرو، جیا کرو
علی ، علی کہا کرو

یہ ایک حرفِ کیمیا ہر اک مرض کی ہے دوا
یہی ہے نسخۂ شفا دعا کرو، دوا کرو
علی ، علی کہا کرو

علی ہے قلب جاں علی زباں علی، بیاں علی
ہزار داستاں علی کہا کرو، سنا کرو
علی ، علی کہا کرو

رئیسِ این و آں ہے یہ امیں ہے یہ، اماں ہے یہ
یہاں ہے یہ، وہاں ہے یہ تو دم بہ دم صدا کرو
علی ، علی کہا کرو

علی کے بادہ خوار ہو علی کے جاںنثار ہو
تبھی وفا شعار ہو جو موج میں بہا کرو
علی ، علی کہا کرو

درود کی سلام کی یہ نسبتیں ہیں کام کی
ہو مدح جب امامؑ کی تو نعرہ زن ہوا کرو
علی ، علی کہا کرو

نہ دل کی آنکھ کور ہو نہ دل میں کوئی چور ہو
گلی گلی یہ شور ہو مَرا کرو، جیا کرو
علی ، علی کہا کرو

عطائے رب کو دیکھ لو حسب نسب کو دیکھ لو
تم اور سب کو دیکھ لو پھر اُٹھ کے فیصلہ کرو
علی ، علی کہا کرو

کسی کا اور نام کیا کسی سے اور کام کیا
وہ خاص کیا، وہ عام کیا خرد کو رہنما کرو
علی ، علی کہا کرو

وہ شہر ہیں، یہ باب ہے زمیں پہ بوتراب ہے
یہ وارثِ کتاب ہے لکھا کرو، پڑھا کرو
علی ، علی کہا کرو

جنوں نہیں، خرد ہے یہ مصیبتوں کی زد ہے یہ
ہر ایک کی مدد ہے یہ یہ کارِ انبیاء کرو
علی ، علی کہا کرو

یہیں گداگری کرو اسی کی نوکری کرو
اسی کی چاکری کرو یہ قنبری کیا کرو
علی ، علی کہا کرو

ولی ہے یہ امام ہے اب اس میں کیا کلام ہے
علی خدا کا نام ہے یہ بندگی کیا کرو
علی ، علی کہا کرو

نصیریوں کا جرم کیا ہوئی ضرورتِ خدا
خدا کے گھر سے مل گیا چلو، خدا خدا کرو
علی ، علی کہا کرو

یہی تو دینِ حق ہے بس جو سانس کی رمق ہے بس
یہ ایک ہی سبق ہے بس ہمیشہ خوش رہا کرو
علی ، علی کہا کرو

خفی علی، جلی علی وصی علی، ولی علی
علی علی، علی علی وظیفہ ہے پڑھا کرو
علی علی کہا کرو

قصیدۂ مولائے کائنات

خدا کے گھر سے صبح دم نوید خوشگوار آئی
خزاں دنیا سے رخصت ہوگئی، فصلِ بہار آئی
خدا کا شکر وہ ساعت بہ فیضِ کردگار آئی
مری جانب نگاہِ لطفِ ساقی بار بار آئی
گھٹائیں ٹوٹ کر برسیں، کبھی ٹھنڈی پھوار آئی
تو جو مٹی کی سوندھاہٹ تھی بے گرد و غبار آئی
ہری خلعت پہن کر جب عروسِ نوبہار آئی
لیے دامن میں بوئے گل ہوائے مرغ زار آئی
چنبیلی، موتیا، چمپا، گلاب و سنبل و سوسن
مہک اُٹھیں تو گلشن سے صبا بھی عطر بار آئی
ادب سے سرو و شمشاد و صنوبر ایستادہ ہیں
چمن میں رات کی رانی کیے سولہ سنگھار آئی
کنول آغوش میں تالاب کی اَشنان کرتے ہیں
صبا اٹکھیلیاں کرتی کنارِ جوئے بار آئی
جو ہر پتے کے چہرے پر خزاں کے رنگ بکھرے تھے
وہ پت جھڑ میں بہارِ تازہ صدقے میں اُتار آئی

حسینانِ چمن نے پھر نئے ملبوس پہنے ہیں
بہار آئی تو سب کی کہنہ پوشاکیں اُتار آئی

تر و تازہ ہوئے غنچے، نئی سب کونپلیں پھوٹیں
عجب انداز سے موجِ نسیمِ نوبہار آئی

نہ جانے کتنے موتی آج شبنم نے لٹایے ہیں
حسینانِ چمن کے ہاتھ سلکِ آب دار آئی

چمن کی ڈالی ڈالی پہ پرندے چہچہاتے ہیں
سماعت میں بہت دن بعد پھر صوتِ ہزار آئی

گلستانِ ابوطالبؑ میں ایسا پھول مہکا ہے
کہ جس سے گلشنِ اسلام میں بادِ بہار آئی

زمانے بھر کی دولت سے جو کر دیتی ہے مستغنی
وہ دولت ہے محبت کی کہ بے حد و شمار آئی

ہجومِ تہنیت گویاں میں، مَیں بھی در پہ حاضر ہوں
عقیدت مدحتِ مولا میں یہ مطلع گزار آئی

سرِ میداں علیؑ کے ہاتھ میں جب ذوالفقار آئی
عدو اِک دوسرے سے کہہ رہے تھے، ہوشیار آئی

یہی لوہا تو اُترا تھا زمیں پہ آسمانوں سے
یہی تلوار جو حیدرؑ کو وقتِ کارزار آئی

بہت تھے لشکرِ اسلام میں بھی سورما، لیکن
انہی کو لافتا آیا، انہی کو ذوالفقار آئی

نہ تھا اک سورما کا وہ تو کلِ کفر کا خوں تھا
علیؑ کی تیغ اگلے پچھلے سب قرضے اتار آئی

پیمبرؐ کا تو ممکن ہی نہیں ہے یاریاں کرنا
یہ کیسی فکر تھی بن کر جو لب پہ یارِ غار آئی

لیا نامِ علیؑ بس پھر پلٹ کر بھی نہیں دیکھا
مری جانب کبھی جو گردشِ لیل و نہار آئی

ترے گھر کی غلامی سلطنت سے کم نہیں، مولا!
کہ جیسے ہاتھ پھیلائے عنانِ اقتدار آئی

نہ جانے کون وہ خوش بخت ہیں جو اُن کو دیکھیں گے
مری تقدیر میں تکلیفِ عہدِ انتظار آئی

محبت اور نفرت کا تعلق دل سے ہوتا ہے
درود آیا تو دل ہی سے صدائے بے شمار آئی

منقبت

گزر رہی ہے اگر زندگی علیؑ کے بغیر
تو جیسے رات ہو صحرا میں روشنی کے بغیر

کہیں کسی کے بغیر اور کہیں کسی کے بغیر
مگر نہیں ہیں پیمبرؐ کہیں علیؑ کے بغیر

دِلوں میں مشعلِ حُبِ علیؑ ضروری ہے
مکان رہتے ہیں تاریک روشنی کے بغیر

وہ جنگِ بدر و احد ہو کہ خندق و خیبر
ہوئی نہ فتح کوئی تیغِ حیدری کے بغیر

ہر ایک مسئلہ موجود ہے کہیں نہ کہیں
نہیں ہے فقہ کوئی، فقۂ جعفری کے بغیر

ولائے آلِ محمدؐ کو چھوڑ دیں کیسے
جو زندگی ہے ہماری جئیں اُسی کے بغیر

علیؑ نہیں تھے سقیفے میں گر تو حق بھی نہ تھا
کہ حق تو ہو نہیں سکتا کہیں علیؑ کے بغیر

عبادتوں میں تجھے، شیخ! لطف کیا آئے
تو جی رہا ہے مودّت کی زندگی کے بغیر

نہ ہوتی حُجّتِ قائمؑ تو کس طرح رہتا
زمانہ، نورِ محمدؐ کی روشنی کے بغیر

محبتوں کا جو حق ہے ادا نہیں ہوتا
عدوئے آلِ محمدؐ سے دشمنی کے بغیر

اب اپنے آپ سے اس کا حساب لیتے ہیں
جو وقت ہم نے گزارا ہے شاعری کے بغیر

نمازِ عید، جنازہ، نکاح یا تلقین
کوئی عمل نہیں ہوتا ہے مولوی کے بغیر

منقبت

خُم کے میداں میں خدا کا آخری پیغام ہے
بعد اس کے دشمنِ اسلام بے آرام ہے

دوست دشمن سب اکٹھا ہیں غدیرِ خم میں آج
عید کا سا اک سماں ہے، جشنِ خاص و عام ہے

بٹ رہی ہے آج منبر سے مئے حُبِ علیؑ
مَے کے خانہ منتظر خود ہیں، دورِ جام ہے

ذمہ داری دین کی شیرِ خدا کو سونپ کر
مطمئن کس درجہ قلبِ بانیٔ اسلام ہے

معنیٔ مَن کُنتُ مولا ہم تو سمجھے ہیں یہی
جو یہ دے دیں، جو یہ لے لیں، بس وہی اسلام ہے

مدحتِ مولا علیؑ تجھ ہی کو لکھنی ہے، مگر
اے قلم! کچھ دیر تھم جا، ساعتِ الہام ہے

حق نما دستِ خدا، روزی رساں، مشکل کشا
کام کوئی کر رہا ہے اور کسی کا نام ہے

مجھ کو جو کہنا تھا میں نے صاف لفظوں میں کہا
آپ یہ سمجھے کہ میرے شعر میں ابہام ہے

ہچکچاتے کیوں ہیں آخر آپ چلتے کیوں نہیں
یہ غدیرِ خم کا رستہ شاہ راہِ عام ہے

مجھ کو جانا ہے نجف کی سمت، جانے دے مجھے
تو کہاں رستے میں حائل گردشِ ایام ہے

اللہ اللہ حاجیوں کے روپ میں خوئے یزید
دل میں نیت قتل کی ہے، جسم پہ احرام ہے

ثبت ہیں اوراقِ ہستی پہ زمانے کے نقوش
جیسا جس کا کام تھا، ویسا ہی اُس کا نام ہے

ظلمتیں تو حشر تک تیرا مقدر بن گئیں
اے امیرِ شام تجھ کو! صبح سے کیا کام ہے

اُن کے دین ایمان پہ اب فاتحہ پڑھ لیجیے
جن مسلمانوں کا رہ بَر وہ امیرِ شام ہے

سہرا

خالق کے التفات کا سہرا علی کے سر
ہے آج کی برات کا سہرا علی کے سر

جنگیں ہوں یا ہو صلح وہ، ہجرت ہو یا غدیر
ہے حق کی بات، بات کا سہرا علی کے سر

اُن کی فضیلتوں کا ٹھکانا کوئی نہیں
حل ہائے مشکلات کا سہرا علی کے سر

نادِ علی کا وِرد کیا اور بلا ٹلی
تعظیم کائنات کا سہرا علی کے سر

مولائی ہوں کہ جن و ملک ہوں کہ انبیا
سب کی توقعات کا سہرا علی کے سر

عالم میں اک یہی تو درِ شہرِ علم ہیں
گویا قلم، دوات کا سہرا علی کے سر

بیر العلم میں کس نے جنوں کو شکست دی
دفعِ تحیرات کا سہرا علی کے سر

خیبر کا روز اور شبِ ہجرت گواہ ہیں
وہ دن کا ہو کہ رات کا، سہرا علی کے سر

خطبۂ حق تعارفِ توحید کا حصار
حفظِ صفات و ذات کا سہرا علی کے سر

راہِ علی ہے حق انہی چودہ حروف سے
سرِّ مقطعات کا سہرا علی کے سر

ہر دم زباں پہ رہتا ہے اپنی علی علی
دم دم توجہات کا سہرا علی کے سر

اُس نے نصیریوں سے کہا ''میں خدا نہیں''
ردِّ توہمات کا سہرا علی کے سر

اولاد نے علی کی بچایا ہے دین کو
اسلام کی حیات کا سہرا علی کے سر

منقبت

اگر جوشِ ولا صورت گرِ اظہار ہو جائے
زمینِ منقبت پر بارشِ اشعار ہو جائے
مزاجِ مدح خواں گر آج بھی ہموار ہوجائے
وہ مطلع ہوں کہ محفل مطلعِ انوار ہوجائے
جہاں لطفِ نگاہ حیدرِ کرار ہو جائے
کوئی قنبر، کوئی بوذر، کوئی عمار ہو جائے
ثنائے مرتضیٰ میں گر قلم تلوار ہو جائے
تو ہر دشمن علیؑ کا زیست سے بے زار ہو جائے
اگر لطفِ نگاہِ حیدرِ کرار ہو جائے
تو ذرّہ خاک کا اِک مہرِ پُرانوار ہو جائے
شعارِ کربلا گر جذبۂ بیدار ہو جائے
تو ایوانِ ستم گرتی ہوئی دیوار ہو جائے
وہاں کس کی سمجھ میں آئے ایثارِ ابوطالبؑ
جہاں ایمان وقفِ درہم و دینار ہو جائے
مودت کی فضا میں سانس لیتے ہیں علیؑ والے
ذرا بھی حبس ہو تو زندگی دشوار ہو جائے

منقبت

ضیا فگن مہ و اختر نہیں علیؑ کے بغیر
کوئی چراغ منور نہیں علیؑ کے بغیر
علیؑ کے ساتھ ہے حق اور حق کے ساتھ علیؑ
سو حق کا کوئی بھی مظہر نہیں علیؑ کے بغیر
حدیبیہ ہو کہ ہجرت، کہ ذوالعشیرہ ہو
کوئی مہم ہو، کبھی سر نہیں علیؑ کے بغیر
ہو داستان کوئی، زیبِ داستاں ہیں علیؑ
کسی کا ذکر موثر نہیں علیؑ کے بغیر
ستارے کسبِ ضیا مہر ہی سے کرتے ہیں
کوئی جہاں میں قلندر نہیں علیؑ کے بغیر
کسی کا مولا، کسی کا وصی، کسی کا خدا
عقیدتوں کا وہ مظہر نہیں علیؑ کے بغیر
کسی زباں سے سلونی نکل نہیں سکتا
وقارِ خطبہ و منبر نہیں علیؑ کے بغیر
نفس کی آمد و شد میں بسا لیا ہے انہیں
خدا کا شکر، میں دم بھر نہیں علیؑ کے بغیر

رکھی ہے جان کے ہم نے ردیف ہی ایسی
کہ کوئی مصرعِ تر، تر نہیں علیؑ کے بغیر

ادب کو ذکرِ علیؑ نے ادب سکھایا ہے
سخن نہیں ہے، سخن ور نہیں علیؑ کے بغیر

منقبت

جس کے لہو میں دشمنیِ بوتراب ہے
ناپاک وہ وجود ہے، مٹی خراب ہے

دل طالبِ شرابِ مودّت نصاب ہے
پیا جسے ثواب، نہ پیا عذاب ہے

روئے بہارِ گلشنِ ہستی پہ آب ہے
دیکھو جدھر بھی شاخِ شجر پر گلاب ہے

مٹی میں جس کی خاکِ درِ بوتراب ہے
ذرّہ بھی اُس کا اپنی جگہ آفتاب ہے

محشر کی کوئی فکر نہ خوفِ حساب ہے
جم کر پیو پلاؤ، ولا کی شراب ہے

پینے کو جو غدیر کی کُہنہ شراب ہے
جو دل جلتا ہے بغضِ علیؑ سے، کباب ہے

ہم سے غمِ حسینؑ کی لذّت نہ پوچھیے
یہ زندگی خدا کی قسم لاجواب ہے

پھر در پہ فاطمہؑ کے ملائک کا ہے ہجوم
پھر گھر میں فاطمہؑ کے بڑی آب و تاب ہے

جو دے رہا ہے شہ رگِ اسلام کو لہو
اکبر ہے وہ شبیہِ رسالت مآب ہے
اب بھی سمجھ میں آئے تو تعلیمِ کربلا
باطل کی سازشوں کا مکمل جواب ہے
ذرِ فاطمہؑ کا وہ ہے کہ رُکتی نہیں کبھی
دل سے نکل گئی تو دُعا مستجاب ہے
یہ ایسے راہ بَر ہیں کہ ان کا ہر ایک قول
اللہ کی کتاب ہدایت کا باب ہے
کس گلشنِ وفا سے چنے ہیں حسینؑ نے
جو پھول ہے وہ اپنی جگہ انتخاب ہے
کِھلتے نہیں ہیں اس میں ولائے علی کے پھول
نسلِ امیر شام کی مٹی خراب ہے
گھر فاطمہؑ کا پھونک کے بیٹھو گے چین سے؟
نسلیں چکائیں گی، یہ پُرانا حساب ہے

منقبت

ثنائے مرتضیٰ ہے اور میں ہوں — مری فکرِ رسا ہے اور میں ہوں
ابوطالبؑ کے گھر سے ہے جو نسبت — شرف کا سلسلہ ہے اور میں ہوں
یہ دھڑکن ورد ہے نامِ علیؑ کا — مرے دل کی صدا ہے اور میں ہوں
میں ڈوبتا ہوں نشۂ عشقِ علی میں — مرا جامِ ولا ہے اور میں ہوں
جبینِ شوق سجدے کر رہی ہے — علیؑ کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں
نظر آتا ہے عکسِ روئے مولا — کہ دل کا آئنہ ہے اور میں ہوں
علیؑ والے فنا ہوتے نہیں ہیں — مرا عزمِ بقا ہے اور میں ہوں
نظر مشکل میں ہے مشکل کشا پہ — شعارِ انبیاء ہے اور میں ہوں
پڑی ہیں مشکلیں خود مشکلوں میں — مرا مشکل کشا ہے اور میں ہوں
کسی سے بغض ہے حُبِ علیؑ میں — مرا عہدِ وفا ہے اور میں ہوں
کہیں اس در سے اب جانا نہیں ہے — یہ میری انتہا ہے اور میں ہوں
چلو اے واعظو رستہ لو اپنا — نجف کا راستہ ہے اور میں ہوں
مری مٹی کو ملنا ہے اسی میں — سو خاکِ کربلا ہے اور میں ہوں
یہ اس مصرع کی مجبوری ہے، باقرؔ!
کہ تکرارِ اَنا ہے اور میں ہوں

منقبت

دل پُرسکوں ہے حُبِ جنابِ امیر سے
ہم مطمئن ہی رہتے ہیں اپنے ضمیر سے

ثابت ہوا ہے وحیِ خدائے قدیر سے
تکمیلِ دینِ حق ہوئی روزِ غدیر سے

منکر ہوا ہے جو بھی جنابِ امیر سے
پتھر اُسی پہ برسے ہیں عرشِ منیر سے

نسبت فقیر کو ہے جنابِ امیر سے
کچھ واسطہ نہیں کسی پیرانِ پیر سے

محوِ نیاز و ناز تھے ایسے نماز میں
مولا تو بے نیاز تھے پاؤں کے تیر سے

حیدرؑ سے فیض بوذر و مقداد پا گئے
روشن ستارے ہوگئے ماہِ منیر سے

ہارون کو جو حضرت موسیٰ سے تھی کبھی
نسبت علیؑ کو ہے وہ رسولِ قدیرؐ سے

ویسے علیؑ سے رکھتے ہیں امید مصطفیٰؐ
ڈھارس ہو بادشاہ کو جیسے وزیر سے

اژدر شکن بنا کبھی خیبر شکن بنا
بنتِ اسد خدا کا ولی، تیرے شیر سے

دنیا کے بادشاہوں کے محتاج کیوں رہیں
لے کر فقیر بھیک جنابِ امیر سے

اٹھو نمازِ مدحتِ حیدرؑ ادا کرو
آتی ہے یہ اذان، قلم کی سریر سے

اے سامعینِ محفلِ میلاد، دیکھنا!
عقبیٰ بنے گی ذکرِ جنابِ امیر سے

مدحِ علیؑ میں خوب ہیں یہ خوش بیانیاں
بندے ہیں کس کے پوچھ لو غالبؔ سے،میرؔ سے

میں خُلد میں بھی جا کے سناؤں گا منقبت
دادِ سخن ملے گی انیسؔ و دبیرؔ سے

اُڑ اُڑ کے جائے گی مری خاکِ بدن نجف
مٹی مری ملے گی خود اپنے خمیر سے

باقرؔ تمام عمر ثنا گر رہا، مگر
خدمت کا حق ادا نہ ہوا کچھ حقیر سے

منقبت

جو لوگ منزلتِ بوتراب سمجھے ہیں
وہی مقامِ رسالت مآب سمجھے ہیں

کتابِ عشقِ علی باب باب سمجھے ہیں
سو زندگی کا سفر کامیاب سمجھے ہیں

بہ شامِ عمر بھی یہ ولولے جوانی کے
ہم اپنے عہدِ سخن کو شباب سمجھے ہیں

کُمیل و بوذر و سلمان و مالک و عمار
مقامِ خاکِ درِ بوتراب سمجھے ہیں

علی کو سرمد و رومی و غالب و اقبال
ولائے آل کی پی کر شراب سمجھے ہیں

ہمیں حضورؑ کے قائل، ہمیں ہیں غیبت کے
ہمیں تو ہیں جو حضور و غیاب سمجھے ہیں

زیادتی تو کسی سے بھی ہم نہیں کرتے
جو ہیں خراب انہیں کو خراب سمجھے ہیں

غدیرِ خُم نے اُمیدوں پہ پانی پھیر دیا
ہم آپ کا سببِ اضطراب سمجھے ہیں

صلاحیت ہے جنہیں سوچنے سمجھنے کی
قدم قدم روشِ انقلاب سمجھے ہیں

غدیرِ خم کی وہ مشہور تہنیت کی صدا
بتا رہی ہے کہ سب کچھ جناب سمجھے ہیں

ہمیں خبر ہے کہ کیا ہے چمک دمک اس کی
تو کب سراب کو ہم موجِ آب سمجھے ہیں

منقبت

نہیں حُبِّ علی جس دل میں واں ایمان تھوڑی ہے
بدن کا ڈھیر سمجھو اس میں کوئی جان تھوڑی ہے
ابوطالبؑ سے ہم نے نعت کے انداز سیکھے ہیں
ہماری طرح کوئی اور مدح خوان تھوڑی ہے
جو ایمانِ ابوطالبؑ کو مانے، نعت وہ لکھے
یہ بے ایمان کے ایمان کا سامان تھوڑی ہے
علی کی دشمنی پیدا ہی دہشت گرد کرتی ہے
جو خودکش ہے وہ کچھ بھی ہو مگر انسان تھوڑی ہے
ابھی تو خودکشی سے مارتا ہے بے گناہوں کو
جہادی ہے، ابھی پورا ابوسفیان تھوڑی ہے
یہاں آزاد ہیں سب اپنے مذہب اور عقیدے میں
یہ امریکا ہے، ہندوستان و پاکستان تھوڑی ہے
علی کا دوست جو بھی ہے اسے آنکھوں پہ رکھتے ہیں
جو سُنّی ہے مرے مولا سے رُوگردان تھوڑی ہے
خدا کے فضل سے ہر جا ملیں گے چاہنے والے
رہِ حُبِّ علی اب خیر سے ویران تھوڑی ہے

علی سے بچ کے جاؤ گے کہاں، اے بھاگنے والو!
یہ محشر ہے، کوئی صفّین کا میدان تھوڑی ہے
سوائے یا علی مشکل میں لب پہ کچھ نہیں آتا
جو ان پہ ہے کسی پہ اور اتنا مان تھوڑی ہے
علی کے نام پہ جی لیں، علی کے نام پہ مر لیں
یہی اِک آرزو ہے اور کچھ ارمان تھوڑی ہے
بڑائی کا سبب انسان کا کردار ہوتا ہے
بڑے پن کی علامت، قد کی کچھ لمبان تھوڑی ہے
علی سے جیسی الفت ہے، کسی سے ہو نہیں سکتی
طبیعت کو ہماری پھر بھی اطمینان تھوڑی ہے
تقابل کر رہی جو علی کا ایسے ویسوں سے
کھرے کھوٹے کی دنیا کو ابھی پہچان تھوڑی ہے
غلط اشعار پڑھتا ہے دھڑلّے سے خطابت میں
یہ علّامہ سہی پہ ایسا اردو دان تھوڑی ہے
یہ سب کچھ جانتا ہے کون کس کا بن گیا مولا
جو بَخٍّ کہہ رہا ہے اتنا بھی انجان تھوڑی ہے
نسب ناپاک ہو جس کا، وہ ان کا ہو نہیں سکتا
علی کی دوستی ہر ایک کے شایان تھوڑی ہے
فرزدقؔ کی طرح میں بھی انہیں کے دَر کا شاعر ہوں
سو میری حاضری بھی خارج از امکان تھوڑی ہے
چلو چھوڑو، میاں، اب کیا کرو گے سن کے باقرؔ کو
یہ تحت اللفظ میں پڑھتا ہے، خوش الحان تھوڑی ہے

مولا

مری چشمِ ولا کو وہ ملے حُسنِ نظر مولا
اِدھر دیکھوں، اِدھر مولا، اُدھر دیکھوں، اُدھر مولا

جو اہلِ بیتؑ ہیں وہ سب کے سب مثلِ محمدؐ ہیں
یہی تو اِک گھرانا ہے جہاں ہے گھر کا گھر مولا

وہ دو ٹکڑے ہوا اور اس نے اپنا راستہ بدلا
تمھیں پہچانتے ہیں خوب یہ شمس و قمر مولا

عزادارِ حسینؑ ابنِ علیؑ کو کون روکے گا
گزر جائے گا محشر سے وہ بے خوف و خطر مولا

کسی سے کوئی کیا چاہے، کسی سے کوئی کیا مانگے
فرشتوں نے بھی تیرے گھر سے پائے بال و پر مولا

جو مولائی ہے اُس کے دیدہ و دل بھی ہیں مولائی
تو پھر جوشِ محبت میں کہاں کوئی کسر مولا

ترے دَر کے گداؤں کو بھلا اوروں سے کیا لینا
تری دہلیز پہ جھکنے کے عادی ہیں یہ سَر مولا

جو دشمن ہو تمھارا اُس کے دل میں روشنی کیسی
نہیں ممکن کہ ان میں ہو کوئی اہلِ نظر مولا

زمانہ لاکھ دشمن ہو ہمارا کیا بگاڑے گا
تمھارا نام لیتے ہیں ہمیں ہو کس کا ڈر مولا

نجف کی خاک سے ڈھالے ہوئے دل بُوترابی ہیں
یہاں رہیے، یہ حاضر ہیں دلوں کے بام و در مولا

ہے دَر دَر کی غلامی تیرے دشمن کے مقدر میں
جو تیرا ہے، وہ ہوسکتا ہے، کیسے دَر بدر مولا

مجھے میثم کے صدقے میں وہی زورِ بیاں دے دے
جو مِدحت کر سکے تیری فرازِ دار پہ مولا

نہیں آتا کسی پہ اعتبار اپنی عقیدت کو
کوئی ہے ہی نہیں عالم میں ایسا معتبر مولا

تمھارے نام لیوا ہوں، تو ان کی آبرو رکھنا
مری نسلوں میں کوئی بھی نہ نکلے بے ہُنر مولا

مَیں خالی ہاتھ آیا تھا، مَیں خالی ہاتھ جاؤں گا
مجھے اپنا بنا لے بس، مری جھولی نہ بھر مولا

ہمیشہ ہر جگہ، ہر حال، مجھ کو سُرخ رُو رکھا
تو محشر میں بھی رکھیو، اپنے شاعر پر نظر، مولا!

منقبت

مصطفیٰؐ والے، مرتضیٰؑ والے خود بخود ہوگئے خدا والے
اِنّما والے، ہَل اتیٰ والے پنجتن پاک ہیں کسا والے
حُبِّ حیدرؑ میں ہے غرورِ انا ہم تو ہیں اور ہی ہوا والے
ان کا اپنا خدا سہی، لیکن ہیں نصیری بھی تو خدا والے
جو بھی دینا ہے، بےطلب دے دے ہم نہیں عرضِ مدّعا والے
جانتے ہیں مقام حیدر کا اوصیا والے، اولیا والے
ہم سے باقی ہے اعتبارِ وفا ہم ہیں عبّاسؑ باوفا والے
دے رہا ہے رسولؐ، لیتے نہیں ہاں تو کرتے نہیں ہیں نا والے
ہم کو خالی کتاب کافی نہیں دوسرے ہیں وہ حسبنا والے
جن سے زندہ ہے آج تک اسلام کربلا والے، کربلا والے
ان سے فرشِ عزا کی رونق ہے جو ہیں مظلوم کی عزا والے
یہ زمانے سے مٹ نہیں سکتے دے گیے ہیں دعا خدا والے
فکرِ محشر ہو کیوں ہمیں، باقرؔ!
ہم علیؑ والے، فاطمہؑ والے

منقبت بسلسلۂ غدیر

رُت پھر سے زمانے میں اک آئی ہے سہانی
پھر گلشنِ مدحت پہ ہے بھرپور جوانی
دریائے مودّت میں پھر آئی ہے روانی
غیروں کی طبیعت میں ہے پھر آج گرانی
پھر چشمِ عقیدت میں ہے اک دید کا منظر
پھر عالمِ ہستی میں ہے اک عید کا منظر

ہر چند کہ مانع ہے مری ہیچ مدانی
آئی ہے مگر آج طبیعت میں روانی
بکھرے ہوئے قرطاس پہ ہیں لفظ و معانی
مصرعوں کی روانی ہے کہ بہتا ہوا پانی
مدحت یہ اُسی کی ہے جو راضی بہ رضا ہے
اللہ کا بندہ ہے، نصیری کا خدا ہے

فردوس سے پھر جھومتی آئی ہیں ہوائیں
پھر چھائی ہیں کونین پہ رحمت کی گھٹائیں
دنیا نے سنی ہیں ابھی بخ بخ کی صدائیں
اللہ کرے فرض کا احساس دلائیں
تاریخ کے سینے پہ وہ آواز رقم ہے
کیا کیجیے اس کو کہ مورّخ کا قلم ہے

یہ رونقِ ہستی ہیں، یہی جانِ جہاں ہیں
حق اِن کی نشانی ہے تو یہ حق کا نشاں ہیں
بستر پہ پیمبرؐ کے یہی عرش مکاں ہیں
اس طرح کے انسان زمانے میں کہاں ہیں
کیا جانیے کیا جنسِ گراں بار لیے ہیں
خوابیدہ ہیں اور قسمتِ بیدار لیے ہیں

در کعبے کی دیوار میں بن جانے کو دیکھو
اور ڈوبتے سورج کے پلٹ آنے کو دیکھو
خیبر میں پیمبرؐ سے علم پانے کو دیکھو
ہاتھوں پہ اُٹھا کر اسے دکھلانے کو دیکھو
تلوار نہ ایسی، نہ کوئی ایسا جواں ہے
ضربت کہ وہ عالم کی عبادت سے گراں ہے

مرنے کا سلیقہ ہو کہ جینے کا قرینہ
محفوظ تلاطم سے انہیں کا ہے سفینہ
اللہ نے بخشا انہیں حکمت کا خزینہ
وہ علم کا ہیں شہر تو یہ بابِ مدینہ
وہ عرش پہ کر آتے ہیں اس خاک کی باتیں
یہ فرش پہ بتلاتے ہیں افلاک کی باتیں

یعقوب جو دیکھیں تو کہیں یوسفِ ثانی
جب چاہیں یہ پلٹائیں زُلیخا کی جوانی
یہ وہ ہیں جو پتھر کو بھی کر دیتے ہیں پانی
معراج میں گویا تھا خدا ان کی زبانی
حق کے لیے بے مول ہیں، مندے ہیں یہ ایسے
اللہ کے کام آتے ہیں بندے ہیں یہ ایسے

یوسف ہیں کہاں، گرمیِ بازار تو دیکھیں
اللہ و محمدؐ سے خریدار تو دیکھیں
گلبانگ سلونی ہیں یہ اسرار تو دیکھیں
کس نہج بلاغت سے ہے اظہار تو دیکھیں
خطبوں سے جو رس کانوں میں یوں گھول رہا ہے
سنتے ہیں، نصیری کا خدا بول رہا ہے

تلوار تری کفر کی گردن پہ چلی ہے
پیغمبرؐ اسلام کی نصرت میں ڈھلی ہے
ضربت تری دنیا کی عبادت سے بھلی ہے
اور اسمِ گرامی کو جو پوچھو تو علیؑ ہے
نعرہ ہے ترے نام کا اسلام کی طاقت
جُھکنے نہیں دیتی ہے ترے نام کی طاقت

یہ منصبِ اولیٰ جو تجھے آج ملا ہے
انعامِ مشیّت ہے، محمدؐ کی عطا ہے
خود احمدِ مختار نے مختار کیا ہے
معصوم نے معصوم کو مولا جو کہا ہے
وہ بعد کی ہستی ہو کہ اسلام سے پہلے
جچا نہیں یہ لفظ کسی نام سے پہلے

کیا ان کی ثنا خوف کے پیکر میں سمایے
ان کے لیے قرآن کے آیے بھی ہیں آیے
آجاتے ہیں، کوئی انہیں مشکل میں بلایے
یہ کون ہیں، کیا ہیں، یہ کوئی کیسے بتایے
حق ہے جو ثنا کا وہ ادا کس نے کیا ہے
کوزے میں سمندر بھی کہیں بند ہُوا ہے

مدحت سے تری دل مرا خورسند ہے مولا
ہاں زیست مگر موت کی پابند ہے مولا
دل شادِ ولا سے تری ہر چند ہے مولا
وابستہ جو تجھ سے ہے برومند ہے مولا
باقرؔ کو تری مدح سرائی بھی بہت ہے
مولا ترے قنبر کی گدائی بھی بہت ہے

منقبت

جب علیؑ کا نام ہر دل کی صدا بن جایے گا
زیرِ پا جو فرش ہے عرشِ عُلا بن جایے گا

نورِ حق انسان کے پیکر میں کیا بن جایے گا
مصطفیٰؐ بن جائے گا اور مرتضیٰؑ بن جایے گا

نام ربّ کا بھی علی ہے اس علوئے اسم سے
ناخدا میرا نصیری کا خدا بن جایے گا

دوستانِ آل کا مسکن ہمارے دل میں ہے
دوست ان کا اجنبی بھی آشنا بن جایے گا

اے اُحد سے بھاگنے والے بس اتنا سوچ لے
بھاگنا تیرے مقدر کا لکھا بن جایے گا

ہم ہیں اُن کے جن کی خاطر دَر بنا دیوار میں
ہم تو جس جانب بڑھیں گے، راستہ بن جایے گا

اے قلم قرطاس پہ لکھ داستاں عباسؑ کی
اک صحیفہ بہرِ دستورِ وفا بن جایے گا

قسمتیں کیسی بدل دیتی ہے حُبِّ اہلِ بیت
یہ کسے معلوم تھا حُر کیا سے کیا بن جایے گا

حُبِّ حیدر کی کسوٹی پہ اسے کَس کر تو دیکھ
دِل اگر مٹی بھی ہوگا، کیمیا بن جایے گا

رونے والے ساتھ پیغمبرؐ ہیں آنسو پونچھ لے
ورنہ بدنامی بڑی غارِ حرا بن جایے گا

اک دیا گُل جب شبِ عاشور کرویں حسینؑ
وہ اندھیرا بھی ضمیروں کی ضیا بن جایے گا

لکھ دیئے پنجتن کے سب اس کے فضائل اُس کے نام
کیا کچھ ایسی حرکتوں سے وہ بڑا بن جایے گا

ڈیٹرائٹ میں چلو ہم بھی پڑھیں اِک منقبت
ایک گھر جنت میں ہے تو دوسرا بن جایے گا

منقبت میں رکھے چودہ شعر باقرؔ اس لیے
ایک اِک تحفہ ہر اک معصوم کا بن جایے گا

منقبت

شاخِ مدحِ مولا پہ جب گلاب آتے ہیں
خوشبوؤں کے جھونکے بھی بے حساب آتے ہیں

دن بتوں کی مٹی کے اب خراب آتے ہیں
آج خانۂ حق میں بوتراب آتے ہیں

جشن ہے ولادت کا آج ڈیٹرائٹ میں
لُوٹنے درودوں کا ہم ثواب آتے ہیں

سب کو اس حضوری کی رفعتیں نہیں ملتیں
خوش نصیب آتے ہیں، باریاب آتے ہیں

بابِ شہرِ حکمت کی منقبت میں ہونٹوں پہ
حرف حرف مدحت کے انتخاب آتے ہیں

تیرے اوج کے آگے آسماں بھی خم ہوگا
اے زمیں مبارک ہو، بوتراب آتے ہیں

خانہ زادِ خالق ہے یا رسول ہاتھوں پہ
بولتی ہوئی لے کر اک کتاب آتے ہیں

آیتیں سناتے ہیں گود میں پیمبر کو
یہ وہیں سے پڑھ کے تو ہر کتاب آتے ہیں

علم شہر سے باہر کس طرح نکل پاتا
علم کے مدینے کا بن کے باب آتے ہیں
اِن کے علم کے دَر سے کیسے کیسے مفتی بھی
شرمسار آتے ہیں، لاجواب آتے ہیں
منبرِ سلونی پر ان سے چاہے جو پوچھو
ہر سوال کا لے کر یہ جواب آتے ہیں
صلح و جنگ و ہجرت ہو، سورۂ برأت ہو
یہ جہاں بھی جاتے ہیں، کامیاب آتے ہیں
بھاگنا مقدر میں ان کے دشمنوں کے ہے
شاہِ لافتا ہو کر، فتح یاب آتے ہیں
بدر و خندق و خیبر معرکہ کوئی بھی ہو
ہو کے فتح و نصرت بھی ہم رکاب آتے ہیں
یہ سبھی سے اولیٰ ہیں، یہ ولی، یہ مولا ہیں
ان کو حق سے آتے ہیں، جو خطاب آتے ہیں
یہ غدیر کا منبر، مطلعِ ولایت ہے
آفتاب آتے ہیں، ماہتاب آتے ہیں
ایسے سورماؤں سے نسبتوں کا کیا رکھنا
ہر مہم سے ہو کے جو آب آب آتے ہیں
ذکر بھی عبادت ہے، نام بھی خدا کا ہے
جس کے نام سے تم کو پیچ و تاب آتے ہیں
غاصبِ فدک بھی ہو، شک بھی ہے رسالت پر
جتنے کام آتے ہیں، لاجواب آتے ہیں
ظلم ہو کہیں پر بھی کب پنپنے دیتا ہے
طالبان سے پوچھو، کیا عذاب آتے ہیں

جو لہو ہے ناحق، رائگاں نہیں جاتا
خون سے شہیدوں کے انقلاب آتے ہیں
منکرِ ولایت کے سر پہ آسمانوں سے
پتھروں کی صورت میں اب عذاب آتے ہیں
لکھ دیا عریضہ تو لَو بھی تو لگانی ہے
تار دل کے ملتے ہیں، تب جواب آتے ہیں
منتظر زمانہ ہے، منتظر کی آمد کا
ہر کوئی یہ کہتا ہے، بس شتاب آتے ہیں
کون یہ بنا مولا دشتِ خُم میں اے باقرؔ!
تہنیت جسے دینے شیخ و شاب آتے ہیں

منقبت

جو معتبر ہیں، وہ کرتے ہیں اعتبار کی بات
سو کان دھر کے سنو، منقبت نگار کی بات

وہ بزم کی ہو کہ میدانِ کارزار کی بات
کہاں علیؑ کے فضائل، کہاں شمار کی بات

وہ وہ تھے، اُن کا مقدر بنی فرار کی بات
یہ یہ ہیں، ان سے چلی تیغِ کردگار کی بات

ہم اُس سے ذکرِ علیؑ بار بار کرتے ہیں
وہ ذہنِ کند جو سمجھے نہ ایک بار کی بات

نہ کرتے دین کی نصرت، تو کفر ہی ہوتا
یہ بات تھی ابوطالبؑ کے اختیار کی بات

جو ذوالعشیرہ سے چل کر غدیر تک پہنچی
نہ ایک بار کی تم نے وہ بار بار کی بات

غدیر بھول گئے تم تو کیا تعجب ہے
کہ نادہند بھلا دیتے ہیں اُدھار کی بات

میں بوتراب کا بندہ، زمیں کی کیا ہے مجال
کہ میری قبر کی مٹی کرے فشار کی بات

بہارِ عشقِ علیؑ میں جنوں سے کام رہا
سو ہم نے دی ہی نہیں سن کے ہوشیار کی بات

علیؑ کا ذکر ہے اس ذکر کی ہے بات ہی اور
یہی ولا کا تقاضا یہی شعار کی بات

کسی کی باتوں میں آتے نہیں علیؑ والے
کہیں بدلتی نہیں اپنے اعتبار کی بات

علیؑ کے بغض نے مارا ہے، کیوں نہیں کہتے
زباں پہ جن کے ہے ملّت کے انتشار کی بات

اس ایک بات سے باتیں کئی نکلتی ہیں
نہ چار یار کی کیجئے نہ یارِ غار کی بات

یہی تو باغ ہے جس میں خزاں نہیں آتی
چمن ہے حبِ علیؑ کا سدا بہار کی بات

ہو ان کی ضد پہ تو مسجد بھی محترم تو نہیں
نہ بھولیے گا کبھی مسجدِ ضرار کی بات

درود آلِ محمدؐ پہ جب بھی پڑھتا ہوں
زبانِ دل سے نکلتی ہے بے شمار کی بات

منقبت

گلِ مدحت علیؑ کے نام سے ہے کہ یہ ساعت علیؑ کے نام سے ہے
ہماری محفلوں میں آ کے دیکھو بڑی زینت علیؑ کے نام سے ہے
عبادت دو جہاں کی کم ہے جس سے وہ اک ضربت علیؑ کے نام سے ہے
ہیں ان کی نسل میں معصوم گیارہ رہِ عصمت علیؑ کے نام سے ہے
انھیں کے لعل ہیں سردارِ جنت سو یہ جنت علیؑ کے نام سے ہے
ہمارا کیا بگاڑے گا زمانہ ہمیں نسبت علیؑ کے نام سے ہے
لرز جاتا ہے دشمن نام سن کے عجب ہیبت علیؑ کے نام سے ہے
انھیں خوفِ اجل ہوتا نہیں ہے جنھیں نسبت علیؑ کے نام سے ہے
کوئی سویا ہے تلواروں میں ایسے شبِ ہجرت علیؑ کے نام سے ہے
کبھی نامِ علیؑ لے کر تو دیکھو بڑی طاقت علیؑ کے نام سے ہے
نجف میں ہے فقیروں کا ٹھکانا درِ دولت علیؑ کے نام سے ہے
نسب میں فرق ہے اُس کے یقیناً جسے زحمت علیؑ کے نام سے ہے

میں ہوں مدّاحِ اہلِ بیت، باقرؔ!
مری شہرت علیؑ کے نام سے ہے

منقبت

وہ جو بغضِ علی میں مرتے ہیں اپنی عقبیٰ خراب کرتے ہیں
جن کو ہے اہلِ بیتؑ سے نسبت زیورِ علم سے سنورتے ہیں
دل بھی بنتے ہیں عشقِ حیدر سے صرف چہرے نہیں نکھرتے ہیں
یا زباں پہ علیؑ ہے یا ہے حسینؑ اپنے موسم یونہی گزرتے ہیں
موسمِ گل کی ہے جہاں میں بہار گل قبائیں نئی کترتے ہیں
کھُل کے ملتے ہیں ہم عدو سے بھی کب کسی سے گریز کرتے ہیں
ہیں دھنی بات کے علیؑ والے اپنے موقف سے کب مکرتے ہیں
گھر جو حُبِ علیؑ سے ہو آباد ہم مسافر وہیں ٹھہرتے ہیں
دیکھ لو، طالبانِ دہشت گرد جیسا کرتے ہیں، ویسا بھرتے ہیں

راس آیا نہ آگ، خون کا کھیل
جہاں پہنچے، وہیں بکھرتے ہیں

غدیر

وہ مصطفائے غدیر اور وہ مرتضائے غدیر
عجیب حسن کا عالم تھا، اے خدائے غدیر

جو تہنیت سے سمجھوائے مدعائے غدیر
عجیب ہے کہ وہی شخص بھول جائے غدیر

جو عہد بن کے رہی وقت کے تسلسل میں
وہ ذوالعشیرہ کی محفل تھی ابتدائے غدیر

علیؑ کا عہدِ ولایت ہے حشر تک قائم
کہ انتہائے زمانہ ہے انتہائے غدیر

عدوئے آلِ محمدؐ کی بات کیا کیجیے
نہ آشنائے علیؑ اور نہ آشنائے غدیر

نجات اُسی کی ہے جو کان کھول کر سن لے
وہ گونجتی ہے فضا میں جو اِک صدائے غدیر

منقبت

جوشِ ولا سے کام لیے جا رہا ہوں میں
لے کر علیؑ کا نام جیے جا رہا ہوں میں

مے خانہ ہے نجف کا تو مے ہے غدیر کی
حُبِ علیؑ کے جام پیے جا رہا ہوں میں

ذکرِ حسینؑ ہے تو ثنائے علیؑ کبھی
یہ کام صبح شام کیے جا رہا ہوں میں

میں ذاکرِ حسینؑ، گدائے درِ نجف
دنیا میں اپنا کام کیے جا رہا ہوں میں

نامِ خدا علی ہے تو اب کس کا ڈر مجھے
اللہ کا یہ نام لیے جا رہا ہوں میں

مولا کے دوستوں کو بناتا ہوں اپنا دوست
میرا یہی ہے کام کیے جا رہا ہوں میں

حُبِ علیؑ حیات ہے، بغضِ علیؑ ہے موت
یہ اک پیامِ خیر دیے جا رہا ہوں میں

ان کے عدو کا میں تو کسی حال میں نہیں
مسلک کو اپنے عام کیے جا رہا ہوں میں

پڑھتا ہُوا درود پیمبر کے نام پر
خوشنودیِ امام لیے جا رہا ہوں میں

لکھ کے کبھی نجف کے، کبھی کربلا کے شعر
اپنی غزل، سلام کیے جا رہا ہوں میں

لکھ کے علیؑ کا نام علاوے کلام کو
اُونچا خود اپنا نام کیے جا رہا ہوں میں

میں منقبت شعار ہوں، میں مرثیہ نگار
محشر کا انتظام کیے جا رہا ہوں میں

اشعارِ منقبت ہیں کہ اِک نسخہِ وفا
اہلِ وفا کے نام کیے جا رہا ہوں میں

منقبت

جب درِ علمِ نبی ہے جبہ سائی کے لیے
کیوں کوئی گھر ڈھونڈتے ہم رہ نمائی کے لیے

سورما جتنے تھے سب تھے سورمائی کے لیے
پھر بھی حیدرؑ ہی گئے خیبر کشائی کے لیے

کس لیے آئی ہے رنجش دل میں بھائی کے لیے
کیا کوئی دشمن نہیں ملتا لڑائی کے لیے

کچھ رویّے دل شکن ہوتے ہیں لیکن کیا کریں
قلب آمادہ نہیں ہوتا برائی کے لیے

اس طرح ملیے گلے، سارے گِلے جاتے رہیں
آج کا دن خوب ہے دل کی صفائی کے لیے

جن سے نسبت ہے اُنھی سے ہو سخن کا انتساب
ورنہ ساری شاعری ہے خودنمائی کے لیے

دیکھ کر ہجرت کی شب حیرت میں ہیں کرّوبیاں
بھائی سو جاتا ہے تلواروں میں بھائی کے لیے

جیسے تھے عونؑ و محمدؑ، جیسے عباسؑ و حسینؑ
اس طرح ہوتے نہیں کیوں بھائی بھائی کے لیے

غدیر میں

کیا پوچھتے ہو ہم سے ہُوا کیا غدیر میں
مولائیوں کو مل گیا مولا غدیر میں

مولا کا ہو رہا ہے جو جلسہ غدیر میں
سب حاجیوں کا غول ہے یکجا غدیر میں

ہوتے جو ہم تو پڑھتے قصیدہ غدیر میں
یا نذر کرتے جان کا ہدیہ غدیر میں

ایمانِ کُل ہیں یہ ابوطالبؑ کی جان ہیں
دہرائی جا رہی ہے عشیرہ غدیر میں

مولائے کُل کو مل گیا نفسوں پہ اختیار
بہتا ہے اختیار کا دریا غدیر میں

دیں ہوگیا تمام جو مولا بنے علیؑ
منشا خدا کا ہوگیا پورا غدیر میں

اس آخری پیام کا انداز اور تھا
بدلا ہوا تھا وحی کا لہجہ غدیر میں

خالق ولی، رسولؐ ولی، اور علیؑ ولی
باقی کا ہوگیا ہے صفایا غدیر میں

اے کاش اپنے آپ کو دیکھوں میں خواب میں
پڑھتے ہوئے علیؑ کا قصیدہ غدیر میں

ایمانِ کُل کو جب ملا مولائے کُل کا تاج
برہم ہوا مزاجِ ثلاثہ غدیر میں

جو نشرِ ذوالعشیرہ تھی اصلی خبر وہ تھی
نکلا ہے اس خبر کا ضمیمہ غدیر میں

سب کے گناہ دُھلے ہوئے، سب پاک صاف ہیں
حج کر کے آ رہے ہیں صحابہ غدیر میں

حُبِ علیؑ تو حاصلِ ایمان بن گئی
مولائیوں کا لگ گیا میلہ غدیر میں

چڑھنے لگا زمیں کا مزاج آسمان پہ
مولا کا پڑ رہا ہے جو سایہ غدیر میں

ہر امتحاں میں آج علیؑ کامراں ہوئے
نکلا ہے امتحاں کا نتیجہ غدیر میں

اعلان سے غدیر کے کتنے ہی خوش ہوئے
کتنے دلوں کو لگ گیا دھچکا غدیر میں

کیا بغض تھا کسی کو نہ آئی غدیر یاد
موجود تھے سب اہلِ سقیفہ غدیر میں

کیا کس کی شان ہے، یہ مسلمان دیکھ لیں
یکجا ہیں آج چاروں خلیفہ غدیر میں

مولا علیؑ بنے تھے، تو دیکھا سبھی نے تھا
کوئی نہیں تھا آنکھ کا اندھا غدیر میں

کس کس کی خواہشوں پہ یہاں اوس پڑ گئی
نکلا ہے حسرتوں کا جنازہ غدیر میں

سب دھوپ میں تھے، سر پہ چمکتا تھا آفتاب
تھا رحمتِ تمام کا سایہ غدیر میں

یہ آخری تھی وحی، یہی آخری تھا کام
پایا علیؑ نے رتبۂ اعلیٰ غدیر میں

پہنچا جو جشن پڑھنے تو باقرؔ کو یوں لگا
بیٹھے ہوئے ہیں فارقلیطا غدیر میں

مولودِ کعبہ

گھٹا کعبے پہ برسی ہے مُراد آئی پیمبرؐ کی
بنی ہاشم کے گھر میں عید ہے میلادِ حیدرؑ کی

زمانہ ایک ہوجاتا اگر اُلفت پہ حیدرؑ کی
جہنم کو نہ کرتا خلق یہ مرضی تھی داور کی

کہاں ممکن کوئی تمثیل اس حسنِ مقدر کی
نبوت آپؐ کے گھر میں، امامت آپؑ کے گھر میں

ابو طالب بہت خوش ہیں کہ بیٹا چاند سا پایا
بلائیں ماں بھی جھک کر لے رہی ہے روئے انور کی

ابھی تو کلۂ اژدر سے پنجہ آزمائی ہے
جواں جب خیر سے ہوگا، خبر لائے گا خیبر کی

رسالت کی مہک سے جو مشامِ جاں معطر ہو
اُسے خواہش نہیں ہوتی کسی بوئے گلِ تر کی

ہزاروں رات کا جاگا، وہ چادر تان کر سویا
میسر جس کو راحت آئی پیغمبرؐ کے بستر کی

حصارِ ذہن میں اس کی بلندی آ نہیں سکتی
علیؑ ہو نام جس کا کام ہو نصرت پیمبر کی

زمانے نے نہیں دیکھا کہیں عابد کوئی ایسا
ہزاروں بار اک شب میں صدا اللہ اکبر کی
تمھارے در سے ہاتھ آئے ہیں کتنے چاہنے والے
یہ نسبت پانچ کی، بارہ کی، چودہ کی، بہتر کی
ترے بچوں کی قربانی کا حاصل ہیں، خدا رکھے
صدائیں آ رہی ہیں آج جو اللہ اکبر کی

منقبتی مسدّس

بس یکہ و تنہا وہ خدائے ازلی تھا
تخلیق کے ماتھے پہ پھر اک نورِ جلی تھا
اک ذاتِ محمدؐ تھی، اِک اعلیٰ، اِک علیؑ تھا
تینوں میں جسے دیکھیے ہر ایک ولی تھا
خالق نے علیؑ کو اسد اللہ بنایا
کاموں کو خدائی کے ید اللہ بنایا

مٹی ابھی آدم کی نہ گھولی تھی، علیؑ تھا
انساں تھے نہ جنات کی ٹولی تھی، علیؑ تھا
نے رنگ تھے نے رنگوں کی ہولی تھی، علیؑ تھا
دنیا نے ابھی آنکھ نہ کھولی تھی، علیؑ تھا
کُن سے ابھی ایجاد کا دفتر نہ کھلا تھا
اُس وقت بھی موجود نصیری کا خدا تھا

ہجرت کی گھڑی تھی کہ مواخات سکھائی
مکّے کے مکینوں کو نئی راہ دکھائی
بے آس تھے، بے آسوں کی یوں آس بندھائی
انصار کا ایک ایک مہاجر بنا بھائی
کوئی نہ ملا جب کہ وہ بھائی ہو ولی کا
خود تھام لیا ہاتھ پیمبرؐ نے علیؑ کا

اصحابِ پیمبرؐ میں غضنفر کو ملے گا
کرّار کو، جرّار کو، صفدر کو ملے گا
محبوبِ خدا عاشقِ داور کو ملے گا
بس آج عَلَم فاتحِ خیبر کو ملے گا
جگرا ہے کہ جی جان جگر ساتھ ہے اس کے
جاتا ہے جدھر، فتح و ظفر ساتھ ہے اس کے
آرام تو اس کو کبھی بھاتا ہی نہیں ہے
بزدل پہ کبھی ہاتھ اٹھاتا ہی نہیں ہے
دشمن تو نگاہوں میں سماتا ہی نہیں ہے
بے فتح کیے لوٹ کے آتا ہی نہیں ہے
وہ منہ کی ڈسے جس کو، کہاں پاتا ہے پانی
جنّات سے بھی چھین کے لے آتا ہے پانی

منقبت

جہاں جہاں ہیں خدائی میں کردگار کے رنگ
وہاں وہاں مرے مولا کے اختیار کے رنگ

علیؑ کا ہاتھ دکھاتا ہے ذوالفقار کے رنگ
تو ایک تیغ سے ملتے نہیں ہزار کے رنگ

علیؑ کی مدح میں جبریل ہم سخن ہے مرا
سو منقبت میں ہیں میری سب اعتبار کے رنگ

جوان ہو کے خدا جانے کیا کرے گا یہ طفل
عیاں ہیں کلّہِ اژدر سے ہونہار کے رنگ

اُدھر علیؑ کے ہیں دشمن اِدھر ہیں مولائی
وہاں خزاں کا تسلسل، یہاں بہار کے رنگ

غرورِ عشقِ علیؑ کا مزاج دار ہوں میں
کہاں ملیں گے مجھ ایسے دماغ دار کے رنگ

یہ گھر کا گھر ہے محمدؐ تو پھر تعجب کیا
شجر کے رنگ سے ملتے ہیں برگ و بار کے رنگ

شرابِ حُبِ علیؑ کا جو رنگ چڑھتا ہے
تو پھر دلوں سے اترتے نہیں خمار کے رنگ

جو ہر جگہ نظر آتے ہیں صورتِ اسلام
وہ سب ہیں غزوۂ خندق کے ایک وار کے رنگ

یہ لوگ اور ہیں، ان کا مقام ہے کچھ اور
نہ پوچھ ہم سے کسی مرثیہ نگار کے رنگ

مِلا کے دیکھ لو قوسِ قزح کے رنگوں سے
عزائے شبہ میں مرے اشکِ آب دار کے رنگ

ہٹے جو رنگ تو رُوپ اور ہی نظر آئے
حقیقتوں کو جو دیکھا ذرا اُتار کے رنگ

علیؑ کے چاہنے والوں کے رنگ اپنے ہیں
کبھی نہ اُترے ہمارے کسی شعار کے رنگ

نہیں کسی کا، یہ مولا کے ذکر کا ہے کمال
چمک رہے ہیں جو ہر منقبت نگار کے رنگ

منقبت

ہم آئے بزم میں لے کر کلام کی خوشبو
تو حرف حرف سے پھوٹی سلام کی خوشبو

علیؑ کے چاہنے والوں کی بزمِ صلِ علیٰ
مہک رہی درود و سلام کی خوشبو

عریضہ لکھ کے، معطّر مشامِ جاں ہے مرا
کہ آرہی ہے جواب سلام کی خوشبو

ہم اہلِ درد، فضائے عزا کے خواہاں تھے
ملی، حسین علیہ السلام کی خوشبو

اگر ہو نقدِ دل و جاں، تو ہاتھ آتی ہے
فضائے گل میں کسی خوش خرام کی خوشبو

کروں جو قصدِ ثنائے نبیؐ تو پھیلتی ہے
مشامِ جاں میں محمدؐ کے نام کی خوشبو

ہوائے باغِ مودّت میں سانس لیتا ہوں
نفس نفس ہے نبیؐ کی، امامؑ کی خوشبو

ہمارے باغِ عقیدت میں پھول ہیں بارہ
ہمیں نصیب ہے اِک اِک امام کی خوشبو

سُخن طراز ہے خوشبوئے مدحتِ مولا
نہاں ہے جس میں درود و سلام کی خوشبو

جہاں ہو ذکرِ علیؑ، میں وہیں پہنچتا ہوں
پکار لیتی ہے مولا کے نام کی خوشبو

یہ ذکرِ آلِ محمدؐ کے پھول بھی ہیں عجیب
جدا جدا ہے ہر اک کے کلام کی خوشبو

مذاقِ عام سے اپنا، مشامِ جاں ہے الگ
کہاں رکھیں کسی سودائے خام کی خوشبو

نجف کی مے ہو، تو پینے میں لطف آتا ہے
کہ بوئے خُلد سے ملتی ہے جام کی خوشبو

یہ جس کے دل میں بسی ہو وہاں سے جاتی نہیں
کہ بوئے حبِ علیؑ ہے دوام کی خوشبو

ہم اہلِ بیتِ محمدؐ کے باغ کی ہیں نسیم
کہ ہم نہیں ہیں کسی راہِ عام کی خوشبو

زمانہ جس سے ہے قائم وہ ہیں یہیں موجود
ہے کائنات میں ان کے قیام کی خوشبو

انہیں شعور ہی کیسے ہو جن کی ناک ہے بند
حلال کی ہے کہ مالِ حرام کی خوشبو

اُنہیں فضاؤں میں دہشت گری کے مرکز ہیں
جہاں نہیں ہے علیؑ کے غلام کی خوشبو

فرشتوں نے بھی کیا شورِ واہ واہ بلند
لکھی یہ آج عجب دھوم دھام کی خوشبو

ملا فرزدق و دعبل سے سلسلہ، باقرؔ!
ثنا کی بزم میں ہم نے بھی عام کی خوشبو

منقبت

مطلعِ نو کی فکر تھی مدحتِ بوترابؑ میں
مطلعِ نو عطا ہوا رات ہی مجھ کو خواب میں

فکرِ سخن ہے جوش پر حسنِ سخن کے باب میں
پیر ہیں ہم تو کیا کہ ہے عمرِ سخن شباب میں

اور بھلا کہوں میں کیا، عشقِ علیؑ کے باب میں
پھول میں ایسی بو نہیں، نشہ نہیں شراب میں

ایسے بھی خوش بیاں ملے ذکرِ علیؑ کے باب میں
عمر ہی ساری کاٹ دی لفظوں کے انتخاب میں

لوگ انیسؔ بھی ہوئے، لوگ دبیرؔ بھی ہوئے
پھر بھی نہ حق ادا ہوا، مدحتِ بوترابؑ میں

عرصۂ عمرِ مختصر، ذکرِ علیؑ کی فکر کر
زحمتِ سفر ہے پشت پر، پاؤں بھی ہیں رکاب میں

کارِ بہ دراز میں اُن کی ولا کے فیض سے
بچتے رہے گناہ سے معرضِ ارتکاب میں

میں نے جو منقبت پڑھی، حُبِ علیؑ کی مے چلی
مجھ کو یہ فخر ہے کہ پی، سب نے مرے حساب میں

صاحبِ طرزِ بوذری، ہم ایسے کم بساط بھی
خیرہ نظر نہیں ہوئے، وقت کی آب و تاب میں

سارے جہاں کو چھوڑ کر، ہم نے علیؑ کو چن لیا
دونوں جہان مل گئے، ایک ہی انتخاب میں

جس نے غرورِ تاج و سر، خاک میں سب ملا دیا
کوئی تو ایسی بات تھی، رہبرِ انقلاب میں

علم کے در کو چھوڑ کر، علم سے واسطہ ہی کیا
جہل ہی ہاتھ آئے گا، جہل کے انتساب میں

منقبت

عقیدتوں میں بسر اپنی زندگی کرنا
کسی کا نام نہ لینا، علیؑ علیؑ کرنا

جو اُن کی بھی کوئی ہو، تو گفتنی کرنا
عدوئے آلؑ کے حق میں نہ کچھ کمی کرنا

شرابِ حُبِّ علیؑ ہے چراغ کی مانند
چراغ بانٹنا، گھر گھر یہ روشنی کرنا

علیؑ کی مدح میں، اللہ رے قلم کا غرور
کہ چاہتا ہے ہمیشہ قلندری کرنا

کسے نصیب ہے تشنہ لبی کے دریا میں
مثالِ حضرتِ عباسؑ زندگی کرنا

ہمیں تو ٹوٹ کے دیتی ہے راستہ دیوار
ہماری راہ میں دیوار مت کھڑی کرنا

علیؑ نہ ہوتے، تو کوئی ہلاک ہوجاتا
کسی کو آتا ہے اس طرح منصفی کرنا

یزیدیوں کا ہے شیوہ حسینیوں کا نہیں
نہ بھول کر بھی کسی سے زیادتی کرنا

عدوئے آلِ محمدؐ سے دشمنی اچھی
انہیں کے چاہنے والوں سے دوستی کرنا

علی کے ذکر میں کچھ وقت کی بساط نہیں
صدی کو لمحہ تو لمحات کو صدی کرنا

کچھ اس طرح کبھی ان کے خدا کی مدح کروں
کہ بھول جائیں نصیری علی علی کرنا

تمھارے دم سے عزائے حسینؑ باقی ہے
کبھی حسینؑ کے غم میں نہ کچھ کمی کرنا

عجیب ہے یہ تمھارا جہاد کا اقدام
کہاں سے سیکھا ہے تم نے یہ خودکشی کرنا

پڑے اگر کوئی مشکل کڑی، نہ گھبرانا
سکینہ بی بی کے، شئے کی حاضری کرنا

شنیدنی لگے مانندِ دیدنی، باقرؔ!
خدا نصیب کرے ایسی شاعری کرنا

منقبت

کون کس کو لایے گا اس انتہا کے سامنے
کُلِ کفر آتا ہے اس شیرِ خدا کے سامنے

جو خجل ہیں اہلِ بیتِ مصطفیٰ کے سامنے
وہ بھلا کس منہ سے جائیں گے خدا کے سامنے

نام لے لیں ساتھ ان کے، کوئی اس قابل تو ہو
کیا کسی کا ذکر ہو ان کی ثنا کے سامنے

گردِ پا میں ان کی، پنہاں ہیں ہزاروں آفتاب
کہکشاں کیا ہے؟ علی کی گردِ پا کے سامنے

معرکہ اژدر کا ٹھہرا ان کے گہوارے کا کھیل
ہیچ ہے ہر انتہا اس ابتدا کے سامنے

وہ تو کہیے خیریت گزری علی موجود تھے
کون جاتا عبدِ وَد سے سورما کے سامنے

جانے کیا وہ حشر میں کہہ دیں علی کو دیکھ کر
حشر میں ہوں گے نصیری جب خدا کے سامنے

فتحِ خیبر ہو شبِ ہجرت ہو یا روزِ غدیر
کس کو ملتا ہے شرف مشکل کشا کے سامنے

مرحب و عنتر مقابل خود تو آئے ہی نہیں
موت لائی گھیر کر شیرِ خدا کے سامنے

بڑھ گیا حُبِ علی سے اتنا پندارِ خودی
دب گئی سب کی انا میری انا کے سامنے

یا تو اپنا گھر بچاتے یا بچاتے دینِ حق
راستے دو تھے شہیدِ کربلا کے سامنے

جو شبِ عاشور گُل کرکے فروزاں کردیا
جل رہا ہے وہ دیا اب بھی ہَوا کے سامنے

منزلت مٹی کی وہ شبیر کے سجدے سے ہے
قدرِ گوہر کی نہیں خاکِ شفا کے سامنے

سر اُٹھا کر دہر میں جینے کا دے کر حوصلہ
کربلا ہمت بڑھاتی ہے بلا کے سامنے

منقبت

بیاضِ منقبتِ بوتراب رکھتے ہیں
ہم اپنے باغِ سخن میں گلاب رکھتے ہیں

جو لفظ تلخ نہ لہجہ خراب رکھتے ہیں
وہ زندگی کا سفر کامیاب رکھتے ہیں

سبک مقامِ رسالت مآب رکھتے ہیں
جو فکرِ نجدی یہ شیخ الوہاب رکھتے ہیں

خیالِ حسنِ رُخِ بوتراب رکھتے ہیں
سو روزِ مہر و شبِ ماہ تاب رکھتے ہیں

نقوشِ مہر مودت ہیں اور پائے علی
قدم کہاں مرے عالی جناب رکھتے ہیں

وہ شہرِ علم جسے کہہ دیا کہ اَن پڑھ ہے
کتاب اُسی کی تو اہلِ کتاب رکھتے ہیں

وہ ایک لمحہ سہی سر اُٹھا کے جیتے ہیں
بلند حوصلہ کتنا حباب رکھتے ہیں

دل ان کے غیر سے اپنا کبھی ملا ہی نہیں
اس ایک باب میں ہم، سدِّ باب رکھتے ہیں

بغیر حُبِ علیؑ سانس بھی نہیں لیتے
نفس کی آمد و شُد کا حساب رکھتے ہیں

علیؑ کی فتح کی سلمان ہی خبر دیں گے
نظر بہ روئے رسالت مآب رکھتے ہیں

رسولِ پاکؐ جہاں بیٹھتے تھے منبر پہ
نشست اپنی وہیں بوترابؑ رکھتے ہیں

وہی تو چین سے سوتے ہیں میٹھی نیند کہ جو
حصارِ نادِ علیؑ، وقفِ خواب رکھتے ہیں

حسینؑ تر ہے مری زندگی سے موت مری
مری لحد میں قدم بوترابؑ رکھتے ہیں

کچھ انتظار کرو، قرض سب چکا دیں گے
جو ہو رہا ہے ہم اس کا حساب رکھتے ہیں

علیؑ کے جشنِ ولادت میں ذکرِ غیر بھی ہو
کہ مے کے ساتھ مزے کو کباب رکھتے ہیں

وہ چند ماہ کے اصغر وہ پیر سال حبیبؑ
جہادِ حق میں یہ دونوں شباب رکھتے ہیں

حسینؑ دفن کو رکھتے ہیں لاشہ اصغر
کہ قبر میں دلِ اُمِ رباب رکھتے ہیں

منقبت

فضائے گلشنِ ہستی میں عہدِ نوبہار آیا
برس دن بعد پھر چپنے کا موسم خوشگوار آیا

نہایت مقتدر آیا، نہایت باوقار آیا
ابوطالبؑ کے گھر میں خانہ زادِ کردگار آیا

علیؑ کا نام یوں تو میرے لب پہ بار بار آیا
مگر ٹوکا کسی نے جب تو بے حدّ و شمار آیا

نہیں کوئی کبھی پیشِ نگاہِ ذوالفقار آیا
جو آیا وہ عروسِ مرگ کا اُمیدوار آیا

خدا کے نام پہ میداں میں لے کر ذوالفقار آیا
جو سر جھکتے نہیں تھے اُن کو گردن سے اُتار آیا

ہوئے تھے سورما خیبر میں جب سارے فرار، آیا
تھا جس کو فتح پہ اپنی مکمل اختیار آیا

جو ضامن حشر تک ہے دین کا، وہ دین دار آیا
رہے گی فتح جس پہ منحصر وہ انحصار آیا

جو عمر عبدِ وَد باطل کا بن کر شاہ کار آیا
تو یوں آیا کہ جیسے شیر کے منہ میں شکار آیا

ولادت یہ ابوطالبؑ کے گھر میں بھی تو ممکن تھی
مشیّت میں ہے کس کا دخل اب تو اعتبار آیا

اُدھر نامِ علیؑ دل نے لیا فرطِ عقیدت سے
اِدھر آنکھوں میں میری ایک اشکِ آب دار آیا

ہماری ہر مصیبت میں یہی تو کام آتے ہیں
نہ کوئی اجنبی آیا، نہ کوئی یارِ غار آیا

خلافت نے خود آ کر ان کے در پہ جبہ سائی کی
ہوا خود معتبر جب ان کے در پہ اقتدار آیا

نہیں ڈرتے کسی سے ہم جو کہنا ہے، وہ کہتے ہیں
وہ دیکھو میثمِ تمار بڑھ کر سوئے دار آیا

یہی تو ہیں اصولوں پہ جو اپنی جان دیتے ہیں
انہی کو دیکھ کر عزت سے جینے کا شعار آیا

یہ مالک ہیں، وہ قنبر ہیں، یہ سلمان و ابوذر ہیں
وہ ذرہ مہرِ تاباں بن گیا جو رُوبکار آیا

زمانے کی روش سے بعد اعلانِ ولایت کے
سبھی کو اعتبار گردشِ لیل و نہار آیا

کہاں کا مے کدہ، ہم تو گرا دیتے ہیں مسجد بھی
کسی بھی دور میں بن کر اگر کوئی ضرار آیا

عزادارِ حسینؑ ابنِ علیؑ جنت میں یوں پہنچا
کہ جیسے کاٹنے کو فصل اپنی کاشت کار آیا

منقبت

اسلام تری وجہِ بقا کوئی نہیں ہے
کنبہ ابوطالبؑ کا ہے یا کوئی نہیں ہے

تسکین وہ جوشِ ولا کوئی نہیں ہے
لفظیں ہیں، سزاوارِ ثنا کوئی نہیں ہے

دنیا کے کسی پیر سے نسبت نہیں مجھ کو
میرا مرے مولا کے سوا کوئی نہیں ہے

جس طرح علیؑ رہتے ہیں اس خلوتِ جاں میں
اس طرح مرے دل میں بسا کوئی نہیں ہے

عصمت کا، نبوت کا، امامت کا گھرانا
گھر ایسا کہیں صلِ علا کوئی نہیں ہے

دنیائے طہارت میں ہیں یہ پانچ نفسِ پاک
تطہیر میں جز اہلِ کِسا کوئی نہیں ہے

الفت وہ انہی کی ہے جو ضامن ہے بقا کی
اس راہ میں امکانِ فنا کوئی نہیں ہے

قرآن کے قاری بھی مفسر بھی بہت ہیں
مولا کے سوا نقطۂ با کوئی نہیں ہے

جو دوست ہے مولا کا مرے دل کی ہے ٹھنڈک
دشمن کے لیے مجھ سے برا کوئی نہیں ہے

اس ڈر سے نصیری کو نہ پاس اپنے بٹھایا
بہکے نہ کہیں، دل کا پتا کوئی نہیں ہے

ہر آن نظر میں ہیں مودّت کے تقاضے
میری اس عبادت کی قضا کوئی نہیں ہے

ہے حبِ علیؑ دل میں تو دشمن سے ہے نفرت
ہم سا تو عقیدے کا کھرا کوئی نہیں ہے

ہیں کفر کی گودی کے پلے آپ کے رہ بر
آغوشِ رسالت کا پلا کوئی نہیں ہے

جل جل کے عدو بغضِ علیؑ ہی میں مرے گا
ایسا یہ مرض ہے کہ دوا کوئی نہیں ہے

ہم خارجی و بدعتی و مشرک و کافر
سب نام پرانے ہیں، نیا کوئی نہیں ہے

محشر میں جو کام آئیں گے ان کا بھی مخالف
تجھ سا تو گرفتارِ بلا کوئی نہیں ہے

کون اپنا، کہاں دوست، کہاں اپنا ہے دشمن
اب اپنی نگاہوں سے چھپا کوئی نہیں ہے

ہم کو غمِ شبیرؑ نے ہر غم سے بچایا
اس سے بڑی خالق کی عطا کوئی نہیں ہے

شبیرؑ نے رکھے ہیں بہتر دیے روشن
گُل کر دے انھیں ایسی ہوا کوئی نہیں ہے

بیٹے دیے راہب کو تو تقدیر بدل کر
جب دیکھا کہ قسمت میں لکھا کوئی نہیں ہے

چودہ سو برس مشک و علم ساتھ رہے ہیں
ایسا تو علَم دار وفا کوئی نہیں ہے

سادات کو جو صفحۂ ہستی سے مٹا دے
ایسا تو کسی ماں کا جنا کوئی نہیں ہے

جنت کی تمنا میں بھی لکھ دیتا ہے اشعار
شاعر ترا پندارِ انا کوئی نہیں ہے

منقبت

دیں دار چاہیے نہ گنہ گار چاہیے
حق ہے علیؑ، علیؑ کا طرف دار چاہیے
اسلام کے عَلَم کو عَلَم دار چاہیے
خیبر کی فتح کے لیے کرّار چاہیے
مدحِ علیؑ کے پھر مجھے تازہ گلاب دے
فکرِ سخن کو صورتِ اظہار چاہیے
کرنی ہے عہدِ خاص سے خالق کو گفتگو
مانوس ایک لہجۂ گفتار چاہیے
مشکل کشا کی واہ رے مشکل کشائیاں
ہر لحظہ ایک عقدۂ دشوار چاہیے
ہم بھی غدیرِ خم سے ہیں مولا علیؑ کے ساتھ
ہر قافلے کو قافلہ سالار چاہیے
ملتی نہیں متاعِ تولا ہر ایک کو
حُبِ علیؑ کو طالعِ بیدار چاہیے
خیبر تو اک تحمّلِ تعارف کی بات تھی
ہر معرکے کو حیدرِ کرّار چاہیے

عمامہ و عبا بھی ہیں، دستارِ علم بھی
واعظ کو صرف دولتِ کردار چاہیے
پھر اُس کے انتظار میں جینے کا لطف ہے
دل میں کسی کی حسرتِ دیدار چاہیے
اے عصرِ انتظار مسلسل گزر بھی جا
اے وقت! اور سرعتِ رفتار چاہیے
مدحِ علیؑ میں نذرِ عقیدت کے واسطے
اے چشمِ تر کوئی دُرِ شہوار چاہیے
حلّالِ مشکلات ہے باقرؔ علیؑ کا نام
وردِ زباں یہ نام لگاتار چاہیے

مناقبِ حضرت فاطمۃُ الزہرا صلوات اللہ علیہا

آستانۂ زہراؑ

نبی کی آل سے باقرؔ جو فیض پاتے ہیں
غمِ زمانہ کو خاطر میں کب وہ لاتے ہیں
کسی کے در پہ بھی اُن کی جبیں نہیں جھکتی
جو آستانۂ زہراؑ پہ سر جھکاتے ہیں

❋

کسی مصرع پہ مدحت کا ارادہ جو بھی کرتے ہیں
وہ پھر مفلس نہیں رہتے، تونگر سے نکلتے ہیں
نئی فکر و نظر ملتی ہے مدّاحوں کو زہراؑ سے
تو کیا کیا شعر پھر کلکِ سخن ور سے نکلتے ہیں

❋

کیوں کر بیاں ہو آج جو لیل و نہار ہے
دنیا تو خیر، دین بھی اک کاروبار ہے
حق کے لیے جو لوگ اُٹھاتے ہیں زحمتیں
اُن کا وجود اب بھی زمانے پہ بار ہے

❋

خدا کا نازِ مشیّت رسولؐ کی جاں ہیں
ہے جس سے گردنِ اسلام خم، وہ احساں ہیں
فضائل ان کے حدودِ بیاں سے ہیں باہر
یہ ایک وصف بہت ہے، حسینؑ کی ماں ہیں

سوز

اسلام کے وہی ہیں جو ان کے اصول ہیں
مہکیں نہ کیوں، کہ باغِ رسالت کا پھول ہیں
جنّت کے قصر ان کے ہی قدموں کی دھول ہیں
بیٹے امام ان کے ہیں، بابا رسولؐ ہیں

❋

ہے دین پہ اگر تو اجارہ انہیں کا ہے
جو ڈوبتا نہیں، وہ ستارہ انہیں کا ہے

شادی

شہزادیِ کونین کی شادی کی خبر ہے
امید کے گلشن میں مرادوں کی سحر ہے
پھولوں سے لدی باغ میں ہر شاخِ شجر ہے
اس جشن کی تقریب کا مسکن مِرا گھر ہے
مولا کی عنایت سے یہ عزت ملی مجھ کو
خوش ہوں کہ بڑی آج سعادت ملی مجھ کو

خالق کی عنایت سے ہوئے جشن کے بانی
اس جشن کے سایے میں رہیں عنبر و ہانی
اس جشن کے ہونے سے ہوئی شام سہانی
دریائے عقیدت میں ہے موجوں کی روانی
نورین ہے، میثم ہے تو غم کوئی نہیں ہے
الفت میں علیؔ کی یہاں کم کوئی نہیں ہے

ممنون میں اُن کا ہوں جو اس جشن میں آیے
اللہ انھیں کوئی مصیبت نہ دکھایے
خوش حال رکھے اور نظرِ بد سے بچایے
ہر فصل میں، ہر غنچۂ امید کھلایے
پھولیں پھلیں، ایمان کی دولت رہے باقی
سب خواہشیں پوری ہوں، نہ حسرت رہے باقی

رنگین یہ رُت آئی ہے ساون کی سہانی
شادی میں حسیں پہنے ہیں پوشاک شہانی
آئی ہے مِری فکر کی موجوں میں روانی
اور کشتِ مودّت پہ برسنے لگا پانی
اک رُخصتی انشا کروں، سہرا کوئی لکھوں
یا منقبت و نعت و قصیدہ کوئی لکھوں

وہ دامنِ گیتی ہو کہ ہو مسکنِ ماہی
نو رستہ و نوخیز ہے سبزہ ہو کہ کاہی
مکھڑوں کی کھلی دھوپ میں زلفوں کی سیاہی
دیدار کی پیاسی ہے بہت شوخ نگاہی
اک عالمِ اَسرار ہے، کھلتا ہی نہیں ہے
منظر کسی میزان سے تلتا ہی نہیں ہے

پہنائیِ افلاک میں تاروں کا چراغاں
لہرائی ہوئی رات کی زُلفیں ہیں پریشاں
بنجر جو زمینیں تھیں، ہوئیں رشکِ گلستاں
شادابیِ گلشن میں ہے اک حسن فراواں
جلووں سے ضیا بار ہوا نور کا منظر
موسیٰؑ کو بھی یاد آنے لگا طور کا منظر

غنچوں کی فراوانی سے رنگین ہے گلشن
تختے ہیں یہ پھولوں کے، کہ مالن کا ہے دامن
خوشبو میں بسی، رات کی رانی بنی دُلہن
حورانِ جناں آئیں بدن پر ملے اُبٹن
باغوں پہ جو پھر لوٹ کے آئی ہے جوانی
دُہرائی زُلیخا نے جوانی کی کہانی

رنگین فضا وہ گل و بلبل کے اشارے
تالاب کے پانی میں نہاتے ہوئے تارے
پیراہنِ کہنہ جو حسینوں نے اُتارے
خوش پوشیِ اربابِ چمن کے ہیں نظارے
یہ جشن کا ہنگام ہے، بارات کا دن ہے
''یوسف سے زُلیخا کی ملاقات کا دن ہے''

بیٹی بھی عجب رحمتِ عالم کو ملی ہے
یعقوبؑ کو یوسفؑ کو نہ آدمؑ کو ملی ہے
اِک خاتمِ عصمت ہے جو خاتمؐ کو ملی ہے
ان ہی کی مودّت تو ہے جو ہم کو ملی ہے
ہم روزِ ازل ہی سے ہوئے آلِ نبی کے
اور ایسے ہوئے پھر نہ ہوئے اور کسی کے

ایسا نہیں دنیا میں کہیں کوئی قد آور
ان کے ہی اشارے پہ چلا قُرصِ خاور
مہتاب نے تاروں کو کیا ان پہ نچھاور
نسبت ہے جسے ان سے، وہی بخت ہے یاور
حق گوئی کے جادے پہ ہمارا جو بھرم ہے
اس گھر کی قسم، صرف اسی گھر کا کرم ہے

یہ بنتِ نبیؐ، وہ ابوطالبؑ کے نشاں ہیں
خاتونِ جناں یہ ہیں، وہ مولائے جہاں ہیں
بیٹے ہیں جو سردارِ جوانانِ جناں ہیں
ایسے کہیں انسان زمانے میں کہاں ہیں
بس زیرِ فلک اِک شہِ لولاک کا گھر ہے
عالم میں یہی پنجتنِ پاک کا گھر ہے

اللہ کو ہے علم کہ یہ کون ہیں، کیا ہیں
خالق کی جو راہیں ہیں، وہی ان کی ہیں راہیں
یہ صورتِ آیت ہیں تو وہ نقطۂ با ہیں
دونوں جسدِ خاک میں انوارِ خدا ہیں
نام ایک کا باقرؔ درِ جنت پہ لکھا ہے
اور دوسرا بندہ تو نصیری کا خدا ہے

مجرم ہیں، خطاکار ہیں، احساس ہے بی بی
خلقت کے سبب کی ہمیں بو باس ہے بی بی
شبیرؑ کا غم صورتِ انفاس ہے بی بی
عباسؑ کے پرچم کی ہوا راس ہے بی بی
بی بی ترے دُکھ میں ہیں دُکھی، خوش ہیں خوشی میں
ہم قتل بھی ہوجائیں، تو راضی ہیں اسی میں

منقبت

سیّدہ کے نور کو تطہیر کا پیکر ملا
پھول کو خوشبو ملی، آئینے کو جوہر ملا

شکر کے سجدے کرو، باقرؔ! تمھیں وہ در ملا
جبہ سائی کا صلہ، جنت ملی، کوثر ملا

لفظ مدحت کے صفیں باندھے کھڑے ہیں بے شمار
منقبت بی بی کی لکھنے کو مجھے دفتر ملا

مرثیہ، نعت و سلام و منقبت کے فیض سے
شاعری کو اعتبارِ مسند و منبر ملا

بزمِ زہراؑ تھی تو زہراؑ نے سجائی شان سے
رحمتوں کی چھاؤں میں کاشانۂ جعفرؑ ملا

اپنے جیسا ہی دکھانا تھا شہِ لولاک کو
اِک سے بڑھ کر ایک اس صنعت کا کاری گر ملا

جلوہ کش تھے پنجتن دنیا میں کُل زیرِ کسا
آج اسی چادر کا سایہ برسرِ محشر ملا

اپنے سارے مشورے واعظ تو اپنے پاس رکھ
وہ کہاں جائے گا جس کو پنجتن کا در ملا

کس میں طاقت تھی سمک تک کی تباہی روکتا
لافتا کی ضرب کو جبریل کا شہ پَر ملا

میں نجف کے مے کدے کا اک پُرانا رند تھا
ساقیِ کوثر کے ہاتھوں سے مجھے ساغر ملا

نام سن کر جاں نکلتی تھی سپاہِ شام کی
کیا جری اہلِ وِلا میں مالکِ اشتر ملا

ہم ملے جس سے بھی حائل اِک تکلّف سا رہا
مِل گیا کوئی علی والا تو دل کھُل کر مِلا

تھا علی اصغر کے سینے میں ابوطالب کا دل
شیرخواری میں اسے کیا منصبِ اکبر ملا

جان کر تکذیبِ اعلانِ ولایت جس نے کی
اُس کو قدرت اور کیا دیتی، اسے پتھر ملا

شام کے بازار میں منڈی حدیثوں کی لگی
ایک سوداگر سے بڑھ کر ایک سوداگر ملا

کربلا کس کی شکست و ریخت کا انجام ہے
یہ سمجھنے کے لیے منظر سے پس منظر ملا

زاہدا! خالی عبادت سے کہاں چلتا ہے کام
اس میں کچھ صہبائے حُبِّ آلِ پیغمبر ملا

عابدِ بیمار کے پاؤں نہ تھے زنجیر میں
کشتیِ دینِ خدا طوفاں میں تھی، لنگر ملا

طوقِ منّت کا قلاوا ہے، کڑے ہیں، بیڑیاں
ہم ملنگانِ عقیدت کو بھی کچھ زیور ملا

اے مسلمانو! بتاؤ وارثِ قرآں ہے کون
آیتیں پڑھتا ہوا نیزے پہ کس کا سر ملا

کیا اثر دکھلا رہا ہے علم کے در سے گریز
جو علیؑ دشمن ملا، جاہل ملا، ابتر ملا

دشمنِ آلِ نبی جو ہے، وہ دہشت گرد ہے
کیا کہیں اہلِ ولا میں کوئی دہشت گر ملا؟

صحبتِ الفاظ کا اگلا چلن جاتا رہا
نام بھی سننے کو اب باقرؔ نہیں، باقرؔ ملا

شادی

اے خدا خالقِ خفی و جلی
آج بنتِ نبیؐ کی شادی ہے
اِک مسرت سی دشت و در میں ہے
رحمتِ کردگار چھائی ہے
یہ سعادت کسے نصیب ہوئی
پوری یہ خواہشِ ولا کردی
آج ہر شاخِ گل پہ داماں ہے
ساعتِ بد ہے تیرگی کے لیے
شامیانے کو ابر ہے موجود
نکہتوں کی نسیم چلتی ہے
پھر صبا عطر بار آتی ہے
جب گلابوں کا لمس اس کو ملا
غنچہ و گل میں ہیں بہار کے رنگ
دور سب درد و غم ہیں آج کے دن
رحمتوں کی جو ہے گھٹا چھائی
یہ جو مولائی ہیں علیؑ والے

اے خدا، ربِ فاطمہؑ و علیؑ
آج تیرے علیؑ کی شادی ہے
جشنِ شادی ہمارے گھر میں ہے
گھر ہمارے بہار آئی ہے
ہوگئی بس جسے نصیب ہوئی
جشنِ شادی کی ابتدا کردی
بزمِ افلاک میں چراغاں ہے
چاند سورج ہیں روشنی کے لیے
آب پاشی کو رحمتِ معبود
آج بادِ شمیم چلتی ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار آتی ہے
تب کہیں غنچۂ امید کھلا
رنگ لائے ہیں انتظار کے رنگ
گل و بلبل بہم ہیں آج کے دن
مست ہیں آج سارے مولائی
یہ خدا والے، یہ نبیؐ والے

دم بہ دم دم علیؑ کا بھرتے ہیں
وِرد نادِ علیؑ کا کرتے ہیں

یہ جو جشنِ سعید کا دن ہے
ہم سے پوچھو تو عید کا دن ہے

بی بی زہراؑ کا جشنِ شادی ہے
آج مولاؑ کا جشنِ شادی ہے

دونوں ہیں مرضیِ خدا کے ڈھلے
دونوں آغوشِ مصطفیٰؐ کے پلے

ایک کا گھر، خدا کا گھر ٹھہرا
دوسرا خانۂ رسولؐ خدا

شاہِ لولاک کا یہی گھر ہے
پنج تن پاک کا یہی گھر ہے

دونوں طاہر ہیں، دونوں ہیں معصوم
ان کے رتبے خدا کو ہیں معلوم

سب بہاریں انہی کی فصل میں ہیں
گیارہ معصوم ان کی اصل میں ہیں

کرم اللہ کا کرامت ہے
چہرے کو دیکھنا عبادت ہے

اپنے رستے سے ہٹ کے آتا ہے
جاتا سورج پلٹ کے آتا ہے

شبِ ہجرت کی بات کیا کہنا
قدردانی کی رات کیا کہنا

کچھ تو تھا نیند کا سبب مولا
آپ سوئے تمام شب مولا

سودا جو کرلیا تھا، دے کے اُٹھے
مرضیِ کردگار لے کے اٹھے

ابنِ مریمؑ کو بھی ہے ان سے نیاز
ان کے پوتے سے وہ پڑھیں گے نماز

جشن کا یہ سماں مبارک ہو
یا امامِ زماں مبارک ہو

ان کی ماں فاطمہؑ ہے عرش مقام
ان کا بابا وہ محسنِ اسلام

نخل جس نے بنایا کونپل کو
جس نے پالا نبیِ مرسل کو

حق کو روشن چراغ رکھا ہے
جس نے سرسبز باغ رکھا ہے

راہِ ایماں میں کیسے بیٹا ہو
کُل ایمان جس کا بیٹا ہو

جب خدیجہؑ سے تھا نبیؐ کا نکاح
ابوطالبؑ ہی نے پڑھا تھا نکاح

عقل اس بات کو کرے گی قبول
ایک کافر پڑھائے عقدِ رسولؐ

عقل سے کام کم ہی لیتے ہو
کفر کے فتوے خوب دیتے ہو

جتنے اصحاب بھی نمایاں تھے
رشتۂ فاطمہؑ کے خواہاں تھے

کچھ بڑی اہمیت کے حامل تھے
کچھ تو بوڑھے بھی ان میں شامل تھے

خواستگاری علیؑ بھی رکھتے تھے
شرم مانع تھی، کہہ نہ سکتے تھے

اپنی خواہش کو کس طرح پاتے
پاس کیا تھا، جو ہاتھ پھیلاتے

چپ تھا لیکن ادھر خدا کا رسولؐ
کوئی رشتہ نہیں کیا تھا قبول

پھر جو منشائے امرِ حق پایا
تب خدا کے نبیؐ نے فرمایا

آج اترے گا جس کے گھر تارا
ہوگا اس سے ہی عقد زہراؑ کا

تارہ تقدیر کا کہاں اُترا
جس کی قسمت کا تھا وہاں اترا

سمدھیانہ جو تھا خدا کو قبول
اس کی مرضی سے خوش بہت تھے رسولؐ

کہا ان سے کہ کیا ہے پاس بتاؤ
جو بھی رکھتے ہو بے ہراس بتاؤ

راہِ اخلاص کی بنا ڈالی
جتنی دولت تھی، سب گنا ڈالی

آپ دنیا تھا صرف تین ہی گھونٹ
ایک تلوار اِک زرہ، اِک اونٹ

تیغ تو عرش ہی سے آئی تھی
لافتیٰ کی سند بھی لائی تھی

ذوالفقار ان کی خاص تھی پہچان
اونٹ روزی کا کرتا تھا سامان

سورما سارے خوب جانتے تھے
اس کا لوہا تو سب ہی مانتے تھے

کس قدر صورتیں بگاڑی تھیں
کفر کی بستیاں اُجاڑی تھیں

اس لیے بھی کسی کو تیغ نہ دی
لوگ کہتے انہیں ملی ہی نہ تھی

تھی زرہ کی انہیں ضرورت کیا
گیے بازار، کردیا سودا

مل گئی جو زرہ سے آزادی
انہیں پیسوں میں ہوگئی شادی

ڈھائی دینار تھا جو زحتِ نکاح
دے دیا مہر میں بوقتِ نکاح

عقد ہے ہی مباح مسجد میں
ہو رہا ہے نکاح مسجد میں

یہ نمازی بھی اور عابد بھی
ان کا گھر ہے خدا کا مسجد بھی

ہاں فقط ایک در انہی کا تھا
صحنِ مسجد میں جو رہا تھا کھلا

کعبہ جو ہے خدا کا کاشانہ
ان کی خاطر بنا زچہ خانہ

خانۂ حق تو ان کا مولد ہے — مسجدِ کوفہ ان کا مشہد ہے
ایسے رُتبے جہاں میں کِن کے ہیں — جتنے گھر ہیں، خدا کے اِن کے ہیں
باوفا ہیں سو ہیں وفا کے لیے — مرنا جینا ہے سب خدا کے لیے
کیا بتایے کوئی برات کی شان — جیسے کھنچ آئی دو جہان کی جان
رنگ ہی رنگ کائنات میں تھے — آج کروبیاں برات میں تھے
تھیں سب ارواحِ انبیا موجود — بزم میں پڑھ رہی تھیں مل کے درود
دن خوشی کے، خوشی کی راتیں تھیں — یہ خدا و نبی کی باتیں تھیں
دیکھتے تھے جو چہرۂ نوشاہ — تھی عبادت براتیوں کی نگاہ
لکھ رہا ہوں کہ بات لگتی ہے ٹھیک — لاشریک ان کے عقد میں تھا شریک
خطبۂ عقد مصطفیٰؐ نے پڑھا — عرش پر عقد خود خدا نے پڑھا
اب جو عقدِ ابوتراب ہے یہ — کسی احسان کا جواب ہے یہ
غالبؔ و میرؔ نے لکھے سہرے — لحنِ داؤد نے پڑھے سہرے
آج قسمت کا اوج شامل ہے — اک رقیبوں کی فوج شامل ہے
ڈولی لے کر جو گھر گئے ہوں گے — کتنے چہرے اتر گئے ہوں گے
حوریں دلہن کے گھر میں آئیں ہزار — امِ سلمہ نے جب کیا تیار
شوق سے بدھیاں بنائی تھیں — گجرے جنت سے لے کے آئی تھیں
تھی جو سج دھج دھنک کے رنگوں میں — رنگ بھرنے لگی امنگوں میں
جو شہنشاہ کائنات کا تھا — اس نے بیٹی کو یہ جہیز دیا
اوڑھنی ایک، ایک پیراہن — ایک سر پیچ اور ایک لگن
ایک چکی تھی، ایک مشکیزہ — آبخورے تھے چند، اِک لوٹا
توشکیں دو تھیں، اِک چٹائی تھی — اِک گھڑا، ایک چارپائی تھی
چار تکیے تھے، ایک پردہ تھا — اور لکڑی کا ایک پیالہ تھا
کیا عجب شان سے برات چلی — ساتھ مولا کے کائنات چلی

اونٹنی پر رسولؐ کی تھیں سوار — دستِ مولا میں اونٹنی کی مہار
فاطمہ کی مراد بر آئی — فاطمہؑ، فاطمہ کے گھر آئی
سب ہی چھوٹوں، بڑوں کی خیر رہے — دوستوں، دشمنوں کی خیر رہے
دوست مولا علیؑ کے شاد رہیں — ہر زمانے میں بامراد رہیں

وقت کی بہتی رَو مبارک ہو
آمدِ سالِ نو مبارک ہو

1st January 2006

منقبت

وہ انساں جو محمدؐ اور حیدرؑ سے نکلتے ہیں
وہ کس کی گود میں پلتے ہیں، کس گھر سے نکلتے ہیں
غمِ شہ میں جو آنسو دیدۂ تر سے نکلتے ہیں
وہ پھر رومالِ زہراؑ میں جواہر سے نکلتے ہیں
جو جھولی بھر کے شہرِ علم کے در سے نکلتے ہیں
زمانے کے اُفق پہ ماہ و اختر سے نکلتے ہیں
سیادت سجدہ ریزی کر رہی ہے آستانے پہ
شرف کے سلسلے سارے اسی گھر سے نکلتے ہیں
یہ وہ گھر ہے کہ اس میں جو بھی ہے مثلِ محمدؐ ہے
زباں کے لفظ جیسے اپنے مصدر سے نکلتے ہیں
انہی پہ ناز کرتی آیۂ تطہیر آتی ہے
جو اصحابِ کسا زہراؑ کی چادر سے نکلتے ہیں
محبت ان کی، جن کے دل میں اپنا گھر بناتی ہے
وہی تو اہلِ دل سلمان و بوذر سے نکلتے ہیں
علیؑ کی منقبت سننے، علیؑ کی منقبت پڑھنے
فرشتے آسماں سے، اور ہم گھر سے نکلتے ہیں

ہمیں ان کی محبت ماں نے گھٹی میں پلائی ہے
ولا کے ولولے آغوشِ مادر سے نکلتے ہیں
جبینیں ہیں ہماری اور ان کا آستانہ ہے
ہمارے کام سب مولائے قنبر سے نکلتے ہیں
یہ وہ حق کا سپاہی ہے کہ اس کی تیغ کے جوہر
اُحد سے بدر سے، خندق سے، خیبر سے نکلتے ہیں
مرے جوشِ ولا نے دشمنِ دیں بھی دکھا ڈالے
کہ پس منظر کے جتنے رخ ہیں منظر سے نکلتے ہیں
عجب اللہ والے ہیں، یہ لمبی داڑھیوں والے
انہیں دیکھو تو دہشت گرد اندر سے نکلتے ہیں
خدا کو ڈھونڈنے پہنچے خدا کے گھر نصیری بھی
مراد اپنی لیے اللہ کے گھر سے نکلتے ہیں
یہ مجھ سے ہے، میں اس سے ہوں، نہیں ہیں عام سے کلمے
یہ آیت کی طرح نُطقِ پیمبرؐ سے نکلتے ہیں
خدا کو بیچ کر نفس اپنا، میٹھی نیند سوئے ہیں
یہ وہ ارماں ہیں، جو ہجرت کے بستر سے نکلتے ہیں
وہاں تم بھی تو ہو گے، دیکھ لینا اپنی آنکھوں سے
علیؑ والے کس آسانی سے محشر سے نکلتے ہیں
خیالِ ابنِ زہراؑ میں عجب اِک شب گزاری ہے
وہی قسمت کے حُر جیسے مقدر سے نکلتے ہیں
سرِ کشتِ ولا کچھ آنسوؤں کی آب یاری ہو
کہ گُل بوٹے جہاں مینہ کی جھڑی بھر سے نکلتے ہیں
خس و خاشاک بہہ جاتے ہیں سب اشکِ غمِ شبہ میں
یہ دریا وہ ہیں جو دل کے سمندر سے نکلتے ہیں

جو اپنے منہ عزائے شبہ میں یاں اشکوں سے دھوتے تھے
وہی چہرے تو محشر میں گُلِ تر سے نکلتے ہیں
ثنائے فاطمہ زہراؑ ہے، اپنا وزن رکھتی ہے
کہ رتّی بھر نہیں ہم اور من بھر سے نکلتے ہیں
پڑھے ہیں منقبت کے شعر اپنے مدحِ زہراؑ میں
تو کیا خوش بخت باقرؔ بزمِ جعفر سے نکلتے ہیں

سیّدہؑ

آئینہِ جمالِ پیمبرؐ ہے سیّدہؑ
ایماں ڈھلا ہے جس میں وہ پیکر ہے سیّدہؑ
عالم میں کون تیرے برابر ہے سیّدہؑ
جبریل سا مَلک ترا نوکر ہے سیّدہؑ
دینِ خدا کی ہادی و رہ بر ہے سیّدہؑ
یعنی شریکِ کارِ پیمبرؐ ہے سیّدہؑ
خاتونِ خاصِ عرصہِ محشر ہے سیّدہؑ
بیٹے رئیسِ خلد ہیں، مادر ہے سیّدہؑ
شاہد نبی ہیں دہر کا سورہ گواہ ہے
اللہ آپ تیرا ثناگر ہے سیّدہ
بیٹے امام، باپ پیمبرؐ ولی علیؑ
ایسا کہاں ہے جیسا ترا گھر ہے سیّدہؑ
جو فخرِ انبیاء ہو وہ تعظیم کو اُٹھے
یہ بات اور کس کو میسّر ہے سیّدہؑ
شوہر اسی کے ہیں جو جنابِ امیرؑ ہیں
دنیا فقیر اور تونگر ہے سیّدہؑ

مولائے کائنات اسی گھر کے فرد ہیں
گردش میں کائنات ہے، محور ہے سیّدہؑ

وارث کو جس نے حقِ وراثت نہیں دیا
یہ وہ بھی جانتا تھا کہ حق پر ہے سیّدہؑ

تم اس کا دل دُکھا کے کہاں چین پاؤ گے
اے ظالمو! رسولؐ کی دختر ہے سیّدہؑ

روشن چراغِ راہِ شہادت اسی سے ہے
سمجھو تو کربلا میں بہتر ہے سیّدہؑ

اولاد اسی کی دین کے آتی رہی ہے کام
اسلام مطمئن ہے کہ یاور ہے سیّدہؑ

فاطمہؑ

پیشِ حاکم لب کُشا ہے فاطمہؑ
ورثہ دارِ انبیاء ہے فاطمہؑ

نامِ نامی، زینتِ نُطقِ رسولؐ
اسمِ اعظم ہوگیا ہے فاطمہؑ

نُطق کی معراج ہے اُس کی ثنا
عورتوں کی مصطفیٰؐ ہے فاطمہؑ

برگزیدہ کیوں نہ ہوتا جبرئیل
آپ کے در کا گدا ہے، فاطمہؑ

اُٹھ رہے ہیں خود نبیؐ تعظیم کو
یہ خدا ہی جانے، کیا ہے فاطمہؑ

ہم ہیں اس گھر کے ہمیں مشکل ہے کیا
بانوئے مشکل کُشا ہے فاطمہؑ

اب بھی وہ شعلے جلاتے ہیں ہمیں
جن سے تیرا گھر جلا ہے فاطمہؑ

بعد ختمی مرتبتؐ کیا زندگی
زندگی کا مرثیہ ہے فاطمہؑ

منقبت

کسی زماں میں نہیں اور کسی مکاں میں نہیں
نظیر فاطمہ زہراؑ کی دو جہاں میں نہیں

ولائے آلِ نبی گر حصارِ جاں میں نہیں
تو یہ تو یوں ہے کہ جیسے مکیں مکاں میں نہیں

میں نام سنتے ہی ان کا درود پڑھتا ہوں
خدا کا شکر ہے چھالے مری زباں میں نہیں

ذرا وہ زیرِ کسا کائناتِ حسن تو دیکھ
یہ رنگ و نور ستاروں کی کہکشاں میں نہیں

کسی طرح نہیں ممکن فضیلتوں کا شمار
گنو تو اتنے ستارے بھی آسماں میں نہیں

انہیں کے لعل ہیں دونوں بہشت کے سردار
جو ان کا غیر ہے اُس کی جگہ جناں میں نہیں

یہ ذکرِ آلِ محمدؐ ہے، جس کے گھر میں بھی ہو
وہ گھر بہار کا گھر ہے کبھی خزاں میں نہیں

وفا کے باب میں عباسؑ کی مثال کہاں
کہیں کوئی کسی تاریخِ رفتگاں میں نہیں

لہو میں اپنے نہایے ہیں سورما کتنے
یونہی یہ رنگ قبیلہ کی داستاں میں نہیں

جو دوست رکھتے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی
وہ لوگ وہ ہیں،نہیں میں نہیں ہیں، ہاں میں نہیں

وہاں ہے نارِ جہنم، یہاں ہے آتشِ بغض
عدوئے آلِ محمدؐ کہیں اماں میں نہیں

وہ لوگ جن سے تمہیں اس قدر عقیدت ہے
وہ نام ہی مری فہرستِ دوستاں میں نہیں

رسول زادی کی دربار میں طلب، توبہ
لحاظ اپنے نبیؐ کا بھی بدگماں میں نہیں

وہ فاطمہؑ کے جنازے کا قافلہ دیکھوں
وہی ہے غیر جو آج اِن کے کارواں میں نہیں

منقبت

بیٹھے ہیں رند ساقیِ کوثر کے ساتھ ساتھ
انجم ہوں جیسے ماہِ منوّر کے ساتھ ساتھ

سب عورتوں کی ہادی و رہ بر ہیں فاطمہؑ
ہر ہر قدم ہیں مرضیِ داور کے ساتھ ساتھ

ممدوح کا کمالِ مناقب تو دیکھیے
ہے وجد میں سخن بھی سخن وَر کے ساتھ ساتھ

قسمت سے ایک رات کو سونا جو مل گیا
ہجرت کا ذکر رہ گیا بستر کے ساتھ ساتھ

تم اُن کے ساتھ ہو گے تمھیں جو پسند ہیں
ہم ہوں گے اہلِ بیتِ پیمبرؐ کے ساتھ ساتھ

بَخ بَخ کہا غدیر میں اور یوں پلٹ گئے
جیسے نظر پلٹتی ہے منظر کے ساتھ ساتھ

یہ سیّدہؑ ہیں، مادرِ آلِ رسولؐ ہیں
بچوں کے گھر ہیں خُلد میں مادر کے ساتھ ساتھ

بزمِ نبیؐ میں بھی جو منافق رہے تو کیا
کانٹے بھی ہیں چمن میں گُلِ تر کے ساتھ ساتھ

اب ان کے در کو چھوڑ کے جائیں گے ہم کہاں
سب موت زندگی ہے اسی گھر کے ساتھ ساتھ

بچّے یہیں سے منزلِ مقصود پائیں گے
چلتے رہے جو مسجد و منبر کے ساتھ ساتھ

جنّت میں بھی جہاں یہ مذاقِ سخن رہے
ایسی بھی اک جگہ ہو مرے گھر کے ساتھ ساتھ

منقبتِ شادی

ایسی کہیں جہان میں جوڑی کسی کی ہے
بیٹا خدا کے گھر کا ہے، بیٹی نبیؐ کی ہے
بعثتِ نبیؐ کے ساتھ جو شادی علیؑ کی ہے
ساعت خدا، رسول کے گھر میں خوشی کی ہے

رشتے بڑے بڑے ہیں مگر کیا کریں رسولؐ
زہراؑ تو ان کے پاس امانت علیؑ کی ہے
دولہا ولی، رسول ولی اور خدا ولی
سب اولیا ہیں شاد کہ شادی ولی کی ہے

دولہا کو دیکھیے تو عبادت کا ہے ثواب
تفسیرِ اِنَّما ہے جو صورت نبی کی ہے
ہوتے نہ گر علیؑ تو کہاں ان کا کفو تھا
اُترا جہاں ستارہ وہ چوکھٹ علیؑ کی ہے

اللہ کے مکان میں کھولی علیؑ نے آنکھ
دُلھن کا گھر وہ ہے جو رہائش نبیؐ کی ہے
حُبِ علی جہاں، وہاں بغضِ معاویہ
صورت جو دوستی کی، وہی دشمنی کی ہے

شادی

حق نگر حق نما کی شادی ہے
وارثِ مصطفیؐ کی شادی ہے
خانہ زادِ رسولِ پاک کے ساتھ
خانہ زادِ خدا کی شادی ہے

وحی لاتا ہے جبرئیل سخن
میرے ذوقِ ثنا کی شادی ہے
ہر نفس ہر قدم ہے بسم اللہ
نقطۂ تحتِ با کی شادی ہے

نور ہی نور کائنات میں ہے
نورِ ربِ علا کی شادی ہے
ابوطالبؑ کا لعل ہے دولہا
دخترِ مصطفیؐ کی شادی ہے

چل رہی ہے شرابِ حُبِ علیؑ
جانِ اہلِ ولا کی شادی ہے
جو ولی ہے خدا، رسول کے بعد
اُس ولیِ خدا کی شادی ہے

وجد کرتے ہیں اولیاء اللہ
اُس شہِ اولیاء کی شادی ہے

انبیاء خوش، ملائکہ مسرور
سب کے حاجت روا کی شادی ہے

آ نصیری مرے گلے لگ جا
آج تیرے خدا کی شادی ہے

آج سجتی ہیں خُلد میں حوریں
آج خیرِ نساء کی شادی ہے

عرش والوں کی فرش پہ ہے نظر
فخرِ ارض و سما کی شادی ہے

پیشوائی کو انبیاء آئے
خلق کے پیشوا کی شادی ہے

منقبت خواں ہے آیہِ تطہیر
آج جانِ کسا کی شادی ہے

سج گئی کائنات دُلہن سی
کسی گلگوں قبا کی شادی ہے

جس کو حق سے عطا ہوئی تلوار
آج اُس لافتا کی شادی ہے

نعرہِ حیدری بلند کرو
مردِ خیبر کشا کی شادی ہے

کانپتے ہیں بہادرانِ عرب
اسدِ کبریا کی شادی ہے

کفر دنیا میں بے امان ہوا
دین کے رہ نما کی شادی ہے

ہے بنا کائنات کا مولا
میرے مشکل کشا کی شادی ہے

جشنِ شادی جو گھر میں ہے، باقرؔ!
میرے بختِ رسا کی شادی ہے

منقبت

جو ابتدائے خلق ہے، خلقت انہیں کی ہے
تخلیقِ کائنات بدولت انہیں کی ہے

والی انہیں کے ہیں جو جناب امیر ہیں
عالم میں ہے اگر تو امارت انہیں کی ہے

حرفِ کساء و آیۂ تطہیر کی قسم
دنیا و آخرت میں طہارت انہیں کی ہے

یہ افتخار نسل کسی کو ملا نہیں
بس ایک سیّدہ ہیں سیادت انہیں کی ہے

روزوں کی روٹیاں ہوں کہ اونٹوں کی ہو قطار
بخشی ہے جو مثال سخاوت انہیں کی ہے

تمغے صداقتوں کے جہاں چاہو بانٹ دو
اہلِ مباہلہ ہیں، صداقت انہیں کی ہے

سارے امام ہیں ابوطالبؑ کی نسل سے
سجادۂ وفا پہ جماعت انہیں کی ہے

نائب انہیں کا آئے گا لے کر نظامِ عدل
سب جس کے منتظر ہیں عدالت انہیں کی ہے

نہج البلاغہ اب بھی ہے بے مثل و لاجواب
خطبے گواہ ہیں کہ خطابت انہیں کی ہے

بدر و حنین و خیبر و صفین و کربلا
سارے گواہ ہیں کہ شجاعت انہیں کی ہے

خطبہ پڑھا، ہلا دیا دربار شام کو
وہ دبدبہ انہیں کا، جلالت انہیں کی ہے

پھولوں کو بو چراغ کو لو، کہکشاں کو رنگ
جو جس کو مل رہا ہے، عنایت انہیں کی ہے

اس کی رگوں میں ہے جو لہو شیرخوار کا
اسلام کے بدن میں حرارت انہیں کی ہے

منقبت

علم کے دَر سے جو بھی بد دل ہے
لاکھ لکھا پڑھا ہو، جاہل ہے
ابوطالبؑ کا کلمہ پڑھتا ہوں
میرا ایمان یوں بھی کامل ہے
کوئی بوذر ہے، کوئی سلمان
اپنی محنت ہے، اپنا حاصل ہے
ہر عزادار اپنی خلقت میں
فاطمہؑ کی دعا کا حاصل ہے
اے ولائے علیؑ کے متوالو!
تم ہی حق ہو، زمانہ باطل ہے
جل رہا ہے جو بغضِ حیدرؑ میں
نارِ دوزخ ہی اس کی منزل ہے
سب کو ملتی نہیں ولائے علیؑ
کم نسب کب عطا کے قابل ہے
ناصبیوں کے حق میں ذکرِ علیؑ
دل کا دورہ ہے، زہرِ قاتل ہے

فکر میں تیری، اے عدوئے علیؑ!
کچھ طبیعت کی ٹیڑھ شامل ہے
دونوں کس طرح ہیں رضی اللہ
ایک مقتول، ایک قاتل ہے
کیسے کردے گا قاتلوں کو معاف
جو مرا رب ہے وہ تو عادل ہے
تم تو اب حشر ہی میں سمجھو گے
کون کس مرتبے کا حامل ہے
میرے لب پہ سدا ہے نامِ علیؑ
میرا طوفان، میرا ساحل ہے
جس کا مشکل کشا ہی اپنا ہو
اس کی مشکل بھی کوئی مشکل ہے
حق تو ہے ہی سدا علیؑ کی طرف
سامنے جو بھی آئے، باطل ہے
بغضِ حیدرؑ ہے بدنسب کا نصیب
اک بلا بن کے سر پہ نازل ہے
سانپ کو دیکھے اور رونے لگے
بُز کوئی کمال بزدل ہے
یہ جہادی، یہ خودکشی کا نقیب
یہ تو انسانیت کا قاتل ہے
خوار کردے گا تجھ کو باغِ فدک
وارثِ مصطفیٰؐ مقابل ہے

شان ان کی جدا، الگ آداب
ایک مجلس ہے، ایک محفل ہے

ذکرِ زہراؑ جہاں بھی ہو، باقرؔ!
وہ زمیں عرش کے مماثل ہے

منقبت

وہ سخن ور جس کے لب پر مدحتِ شبیرؑ ہے
کوئی ہے غالبؔ کی صورت، کوئی مثلِ میرؔ ہے

جو کوئی مدحت سرائے مادرِ شبیرؑ ہے
جیتے جی اس کی معیّن خلد میں جاگیر ہے

عالمِ اسلام کو درپیش جو تحقیر ہے
اس کا واحد حل تو اب بھی مسلکِ شبیرؑ ہے

ساری دنیا کے غموں سے جو دلاتا ہے نجات
ساری دنیا میں فقط وہ اِک غمِ شبیرؑ ہے

ہو جہاں حُبِ علیؑ، ایمان ہوتا ہے وہیں
قلبِ مسلم کے لیے یہ نسخۂ اکسیر ہے

ہے جو اہلِ بیت میں شامل بہ فرمانِ رسولؐ
رشک کے قابل تو بس سلمان کی تقدیر ہے

تو علی والے، علیؑ کے پیچھے پیچھے جائیں گے
وہ اسی کے ساتھ جائیں گے جو ان کا پیر ہے

حشر تک ملتا رہے گا ایسی ماؤں کو خراج
انقلابِ وقت جن کے دودھ کی تاثیر ہے

منتظر جس کا زمانہ ہے وہ آ تو جائے گا
دیکھنا یہ ہے کہ اپنی بھی کوئی تقدیر ہے

اہلِ بیتِ مصطفیٰؐ ہی وارثِ قرآن ہیں
ان کو چھوڑو گے تو پھر قرآن بے تفسیر ہے

ان کے بچوں کا لہو ہے شہ رگِ اسلام میں
کربلا کیا ہے، عطائے مادرِ شبیرؑ ہے

چھوڑ سکتا ہی نہیں باقرؔ درِ آلِ نبیؐ
یہ درِ آلِ نبی پر صورتِ تطہیر ہے

منقبت

کوئی کہاں محترم ہے ایسا زباں پہ آتے ہیں نام ان کے
عبادتوں کو ہے ناز جن پر صلوٰۃ ان کی، صیام ان کے

رکوع ان کے، سجود ان کے، قعود ان کے، قیام ان کے
درود ان کے، سلام ان کے، بجا ہیں سب احترام ان کے

حسب میں افضل، نسب میں افضل، جہانِ ہوا میں سب سے افضل
یہ نسلِ آدم کی سیّدہؑ ہیں پسر ہیں گیارہ امام ان کے

مخاطبِ انما یہی ہیں کہ صدرِ بزمِ کسا یہی ہیں
پدر بھی ان کے، پسر بھی ان کے، علی علیہ السلام ان کے

جو زیست سے بہرہ ور ہوئے ہیں، کسی دعا کا اثر ہوئے ہیں
انھی کی خواہش سے جی رہے ہیں، رہیں گے تا اختتام ان کے

مثالِ میثم، مثالِ بوذر، مثالِ فضہ، مثالِ قنبر
ہے جن کی ٹھوکر میں تاجِ شاہی، کنیز ان کی، غلام ان کے

وہ خطبۂ عقدِ مصطفیٰؐ ہو کہ شقشقیہ کا سلسلہ ہو
حدیث و قرآں سے ملتے جلتے، کلام ہیں لا کلام ان کے

انہیں کے بچوں سے تو بڑے بھی، سند غلامی کی چاہتے ہیں
کہ یہ دو عالم کے رہ نما ہیں، خواص ان کے، عوام ان کے

وہ چاہے راہب ہو چاہے فطرس، وہ قومِ جن ہو کہ انبیا ہوں
یہ سب کے کام آنا جانتے ہیں، ہیں فیض عالم میں عام ان کے

بھگو کے کھاتے ہیں سوکھی روٹی، تو بابِ خیبر کو توڑتے ہیں
غضب کی طاقت ہے بازوؤں میں، ہیں فقر و فاقہ طعام ان کے

یہ وہ ہیں جن کا اشارہ پایے، تو ڈوبا سورج پلٹ کے آئے
ہیں یہ زمان و مکاں پہ قادر، ہیں حکم پر صبح و شام ان کے

مباہلہ ہو کہ کربلا ہو، کہ عصرِ حاضر کا مرحلہ ہو
یہ دینِ حق دین ہے خدا کا، مگر ہیں سب انتظام ان کے

کہیں حسینؑ و حسنؑ کی صورت، کہیں علیؑ اور کہیں محمدؐ
سب ایک ہی نور کے ہیں پیکر، بدلتے رہتے ہیں نام ان کے

بہار میں کیا بہار ہوگی، خزاں میں بھی لہلہا رہی ہیں
لہو سے سیراب کر گئے ہیں، جو کھیتیاں تشنہ کام ان کے

عجیب دانش کا فیصلہ تھا، کہ جس نے کایا پلٹ کے رکھ دی
بہشت میں سب سے پہلے پہنچا، جو ساتھ تھا چند گام ان کے

یہ درسِ اوّل تو شیر خواری میں، ہم کو ماؤں نے دے دیا ہے
پڑے ہیں گھٹّی میں یہ ہماری، تو کیسے بھولیں گے نام ان کے

وہ اپنی طاقت کے بل پہ نازاں، ہیں عدل و انصاف سے گریزاں
ہمیں بھی ہے انتظار اُس کا، جو آ کے بدلے نظام ان کے

خدا کی نصرت تھی ساتھ اُس کے، یہ بات خود ظالموں نے مانی
وہ جتنے منصوبے بن رہے تھے، وہ سب رہے ناتمام ان کے

اے ان کے گھر کو جلانے والو اور ان کے در کو گرانے والو
شرف میں کعبے سے کم نہیں ہیں، یہ در، یہ دیوار و بام ان کے

قبورِ آلِ نبیؐ تو ٹوٹیں، قبورِ شیخین ہوں سلامت
عجیب انصاف پہ ہیں مبنی، خدا کے دیں میں نظام ان کے

منقبت

خدا کے بندے سبھی ہیں لیکن، برائے کارِ خدا یہی ہیں
یہ ساری خلقت میں منتخب ہیں، کہ مصطفیٰؐ، مرتضیٰؑ یہی ہیں

زمیں انہی کی، فلک انہی کا، تمام آب و نمک انہی کے
ردا میں پیوند ہیں تو کیا ہے، کہ مالکِ دو سرا یہی ہیں

انہی سے تخلیقِ جزو وکل ہے، جو یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا
انہی سے قائم ہے بزمِ ہستی، مدارِ ارض و سما یہی ہیں

ہے رحمتوں کا ورود ان پر، سلام ان پر، درود ان پر
یہ سیّدہ ہیں، یہ طاہرہ ہیں، حریمِ حرفِ حیا یہی ہیں

جو ان کے دل کا اشارہ پائے، ستارہ گھر میں اُتر کے آئے
انہی کی مرضی ہے اُس کا منشا، کنیزِ خاصِ خدا یہی ہیں

نساء نا کی سفیر بن کر، تو صرف زہراؑ ہی جا رہی ہیں
تو بات سیدھی سی ہے کہ سچا، کہیں کوئی دوسرا نہیں ہے

شرف کے جتنے بھی سلسلے ہیں، وہ بھیک ہے سب انہیں کے گھر کی
بہ زعمِ خود محترم بہت ہیں، مگر بہ اذنِ خدا یہی ہیں

علیؑ کی اولاد اور بھی ہے، مگر سیادت انہیں ملی ہے
ہیں سارے سادات جس کے دم سے، وہ ماں یہی، مامتا یہی ہیں

اُٹھا کے تاریخ دیکھ لیجے، کہ کون، کب، کیسے کام آیا
وہ جس کی اولاد نے بچایا، ہمیشہ دینِ خدا یہی ہیں

نہ ان کے گھر آگ لے کے جاتا، نہ ان کو دربار میں بلاتا
وہ جن کے دشمن کی ابتلاء کو، عذابِ دوزخ بنا یہی ہیں

نبیؐ کی رحمت کی آرزو ہے، تو ان کے گھر سے یہ بغض کیسا
یہ جس سے خوش ہیں، وہ خوش قدم ہے، رہِ دلِ مصطفیٰؐ یہی ہیں

مدینہ ملحدِ مصطفیٰؐ ہو، کہ شام و کوفہ ہوں، کربلا ہو
ہے ظلم کی انتہا زمانہ، تو صبر کی انتہا یہی ہیں

ہزار دنیا کی کوششیں ہوں، ہزار باطل کی سازشیں ہوں
جو بجھ نہ پائے گا آندھیوں سے، وہ حق کا روشن دیا یہی ہیں

ہمیں تو جو کچھ بھی مل رہا ہے، اسی وسیلے سے مل رہا ہے
قبول کیونکر نہ ہوں دعائیں، دعاؤں کا واسطہ یہی ہیں

علیؑ کے بابا سے ابتدا ہے، علیؑ کے بیٹے پہ انتہا ہے
جو نصرتِ دیں کی آبرو ہے وہ ایک نقشِ وفا یہی ہیں

قلم کو قسمت پہ ناز بھی ہے، کہ خم جبینِ نیاز بھی ہے
ہے وقتِ تحریر سر بہ سجدہ، کہ نقطۂ تحتِ با یہی ہیں

منقبت

ممکن ہو تو ڈھونڈ کے لاؤ، ایسا گھرانا، ایسا کوئی گھر
سب ہیں ایک ہی نور کے پیکر، کوئی امام اور کوئی پیمبرؐ

دنیا ہو یا روزِ محشر، سب سے اعلیٰ، سب سے برتر
چھوٹے بڑے اس گھر کے برابر، جیسا اکبرؑ، ویسا اصغرؑ

خیبر میں، خندق میں، اُحد میں، ایک سپاہی بن گیا لشکر
تب تو ہے میدانِ وغا میں جنگ کا نعرہ، نعرۂ حیدر

بُغضِ علیؑ کے مارے ہوؤں کی، کیسی سپہ اور کیسا لشکر
یہ بھی ابتر وہ بھی ابتر، یہ بھی دلدر وہ بھی دلدر

بی بی ہیں خاتونِ جنت، بیٹوں کی سرداری بھی ہے
کام آئیں گے روزِ محشر، بس یہی بیٹے، بس یہی مادر

مجھ کو نسبت آلِ نبیؐ سے، تجھ کو عدوئے آل سے رغبت
میرا مقدر، میرا مقدر، تیرا مقدر تیرا مقدر

ایک قبیلہ ہے تو ہمارا، اس میں منافق کوئی نہیں ہے
ہم ہیں علیؑ کے ماننے والے، جیسے باہر، ویسے اندر

اس در پہ آنے والوں کو، علم کی سوغاتیں ملتی ہیں
یہ ہیں کشتیِ علم کے لنگر، ان کے نام کا چلتا ہے لنگر

سب کو ملا ہے فیض اُدھر سے، سب نے اچھے شعر کہے ہیں
ان کی ثنا جس بحر میں بھی ہو، کوئی زمیں ہوتی نہیں بنجر

کتنا دل کش ہے یہ منظر، مظہرؔ بھی آئے بیٹھے ہیں
شاعر، عالم جمع سبھی ہیں، آج ہے جنّت خانہِ جعفر

اب بھی آنکھیں کھول کے دیکھو، پھر خیبر کی جنگ چھڑی ہے
کون لڑے گا اُن سے جاکر، وقت کے ہیں جو مرحب و عنتر

حرزِ علیؑ میں رہنے والے، کس آسیب سے خوف زدہ ہیں
سارے افسوں توڑ چکے ہیں، ٹونا ٹوٹکا، جادو منتر

چھوڑو کس چکّر میں پڑے ہو، نام کی صحت اب مشکل ہے
آدھی صدی سے زیادہ گزری، باقرؔ کو کہتے ہیں باقرؔ

منقبت

وہ شہر جس کے اُفق پہ باقرؔ، طلوعِ مہرِ ولا نہیں ہے
ہمیں تو اُس شہرِ بے سحر کی پسند آب و ہوا نہیں ہے

اِدھر تو ہے دعویِ سلونی، کہ علم کی انتہا نہیں ہے
اُدھر ذرا یہ غضب بھی دیکھو، نبیؐ ہی لکھا پڑھا نہیں ہے

علیؑ کا دشمن، نبیؐ کا دشمن، نبیؐ کا دشمن، خدا کا دشمن
نظر میں اپنی وہی بُرا ہے، بس اور کوئی بُرا نہیں ہے

علیؑ کے در کا فقیر ہوں مَیں، قسم خدا کی امیر ہوں مَیں
ہے میرے ہاتھوں میں ہاتھ اُن کا، تو میرے قبضے میں کیا نہیں ہے

زباں پہ میری علیؑ علیؑ ہے، دھڑکتے دل کی صدا یہی ہے
میں اِک یہی نام جانتا ہوں، مجھے کسی کا پتا نہیں ہے

نظر کو معیار دے دیا ہے، تری غلامی کی رفعتوں نے
تو جو تجھے مانتا ہے مولا، کسی کو گردانتا نہیں ہے

بہ جز خدا و رسولؐ اکمل، ہمارا مولاؑ ہے سب سے افضل
یہ شیخ بھی خوب جانتا ہے مگر کبھی مانتا نہیں ہے

جہالتوں کے فروغ کو تو، یہ ایک فقرہ بہت ہے کافی
کہ ہم وہی قوم ہیں کہ جس کا، نبیؐ ہی لکھا پڑھا نہیں ہے

کہیں بھی دنیا میں آپ عزت سے جی سکیں گے نہ مرسکیں گے
جو دل میں حُبِ علیؑ نہیں ہے، مزاج میں کربلا نہیں ہے

نہ جانے کیوں کچھ خدا کے بندے علیؑ کو اللہ کہہ رہے ہیں
خدا کے گھر میں ہُوا ہے پیدا، مگر بشر ہے، خدا نہیں ہے

نصیب کی خوش نصیبیاں ہیں، مریضِ عشقِ علیؑ ہیں باقرؔ
اسی میں صحت ہے اس مرض کی، کہ اس مرض کی دوا نہیں ہے

منقبت

ان کی ولا سے صاحبِ توقیر ہوگیا
غالبؔ ہوا کوئی، تو کوئی میرؔ ہوگیا

نکلا ہوا کمان سے اِک تیر ہوگیا
بخ کا لفظ پاؤں کی زنجیر ہوگیا

مدحت سے ان کی صاحبِ تقدیر ہوگیا
اِک چھنو لال، حضرت دلگیرؔ[1] ہوگیا

مدحت سرائے مادرِ شبیرؑ ہوگیا
میں بھی جہاں میں صاحبِ جاگیر ہوگیا

قرآں کو اپنے حرف و معانی پہ ناز تھا
صورت کو ان کی دیکھ کے تصویر ہوگیا

ہم منقبت گزار کے مفلس نہیں رہے
ہر شعر اک قبالۂ جاگیر ہوگیا

ٹکرائیں گی نہ تم سے یہ باطل کی قوتیں
زندہ جو دل میں اُسوۂ شبیرؑ ہوگیا

---

۱ مشہور مرثیہ گو شاعر، چھنو لال دلگیر

پھر انقلابِ تازہ نے بخشی ہے روحِ نو
پھر زندہ زورِ نعرۂ تکبیر ہوگیا

حُر سَر کے بل چلا جو مودّت کی راہ پر
پھر خود ہی اپنا کاتبِ تقدیر ہوگیا

ذکرِ امیرِ شام میں اب اور کیا کہوں
بس اپنی ماں کے دودھ کی تاثیر ہوگیا

اولادِ فاطمہؑ نے بچایا ہے دین کو
یہ کس طرح سے شیخ کی جاگیر ہوگیا

باقرؔ کو دیکھ لو سگِ دنیا نہیں ہے، وہ
زہراؑ کی بارگاہ کا قطمیر ہوگیا

منقبت

جو عمر رہتی ہے باقرؔ، وہ یوں تمام کرو
نجف میں صبح کرو، کربلا میں شام کرو

بدل رہا ہے زمانہ، مذاقِ مے نوشی
مئے ولائے علیؑ کا سُرور عام کرو

بڑے ہیں ان کی کنیز اور غلام کے رتبے
تو پہلے قنبر و فضہ کا احترام کرو

زباں پہ جب بھی کبھی فاطمہؑ کا نام آئے
کبھی درود پڑھو اور کبھی سلام کرو

اب اس طرح بھی کبھی کیا کوئی ہُوا ہے بڑا
کسی سے لے کے فضائل، کسی کے نام کرو

مقامِ شرم ہے تم جس کا کلمہ پڑھتے ہو
اُسی کی بیٹی سے دربار میں کلام کرو

زباں سے دعویٰ الفت تو روز کرتے ہو
کبھی عمل سے بھی کچھ نصرتِ امام کرو

تمھارا بھی تو زمانے میں نام ہو، باقرؔ!
کبھی حیات میں ایسا بھی کوئی کام کرو

منقبت

سب کو کہاں ملتی ہے سعادت بھی ثنا کی
لکھتے ہیں جنھیں ہوتی ہے تائید خدا کی

مسجد میں بھی گرد آتی تھی ان کے کفِ پا کی
تطہیر کا معیار، اسی گھر کی تھی پاکی

کیا بخت ہے، کیا بات ہے ان اہلِ عزا کی
تاثیر ہیں یہ فاطمہ زہراؑ کی دعا

کب ان کی زمانے میں کوئی قدر کرے گا
جن لوگوں نے ناقدریِ اربابِ ولا کی

خوش فہم ہیں، قرآن کو سمجھیں گے وہ کیسے
تفہیم نہیں جن کو ابھی نقطۂ با کی

اس جنس کا حق دار کسی کو نہیں جانا
ہم نے تو سدا آلِ محمدؐ سے وفا کی

جس بات سے دل کو ہوئی تسکینِ مودّت
تسلیم وہی بات بلا چون و چرا کی

تاریخِ وفا ہم کو جو پُرکھوں سے ملی ہے
نسلوں کی جبیں صدیوں سے اس در پہ جھکا کی

پائے ہیں شرف جو بھی ہیں صدقہ اسی در کا
سب عزت و توقیر اسی گھر نے عطا کی

آلام کی شدت میں بھی نکھرے رہے چہرے
کیا شکل تھی ایسی کہ بگڑنے میں بنا کی

دعوائے رفاقت کو کیے دیتی ہے باطل
تاریخ نے کھینچی ہے جو تصویر حرا کی

خاصانِ خدا ہیں انھیں اپنا سا نہ سمجھو
یہ نور کے پیکر ہیں، تو ہم بندۂ خاکی

یہ جس کی زمیں ہے، وہ علَم دارِ سخن[1] ہے
تقدیسِ قلم اُس نے زمانے سے سوا کی

---
۱ میرانیسؔ: کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی

منقبت

ہر فصل میں کھلا جو خلافِ اصول ہے
باغِ ولائے آلِ محمدؐ کا پھول ہے

جس کی نظر میں حرمتِ آلِ رسول ہے
مسلک کوئی بھی ہو، ہمیں دل سے قبول ہے

جو منکرِ مناقبِ آلِ رسولؐ ہے
کھانا پسند اُس کا نہ پانی قبول ہے

بی بی اگر یہ کہہ دیں کہ ہدیہ قبول ہے
اشکِ عزائے شاہ کی قیمت وصول ہے

آب و غذا و نان و نمک تیرا مہر ہیں
جو کچھ جہاں میں ہے، ترے قدموں کی دھول ہے

ممکن نہیں ہے سورۂ کوثر سے انحراف
اولادِ فاطمہؑ ہی تو نسلِ رسولؐ ہے

بیٹے تھے سیّدہؑ کے ہوئے سیّدِ جناں
ماں کی عطا سیادتِ آلِ رسولؐ ہے

حرفِ حدیثِ مثّیتِ مصطفیؐ تو دیکھ
دشمن خدا کا ہے جو عدوئے بتول ہے

رکھی کہاں ہے ہم نے کسی غیر سے غرض
ان کی ولا ہی اصل میں اصلِ اصول ہے

اُترے گا آ کے کون کہ خالی نہیں مکاں
دل میں بسی محبتِ آلِ رسولؐ ہے

سمجھی کہاں کسی نے ابھی عظمتِ رسولؐ
مولائے کائنات وصیِ رسولؐ ہے

کیسے کوئی علیؑ کی بلندی کو پائے گا
تم خوب جانتے ہو یہ کوشش فضول ہے

ٹھہرے وہ نامراد پیمبر نے جب کہا
خالق کے خانہ زاد کا رشتہ قبول ہے

فرقت میں اُس کی جس سے ہو دل کا معاملہ
لمحوں کے انتظار میں صدیوں کا طول ہے

صدیوں کے جور و ظلم کی تاریخ ہے گواہ
حق سے ہٹیں گے ہم یہ زمانے کی بھول ہے

منقبت

ہمارا دل تو کسی بھی پہر کسی کا نہیں
نبیؐ کی آل ہے اس میں یہ گھر کسی کا نہیں

مری سرشتِ ولا پہ اثر کسی کا نہیں
علیؑ کا چاہنے والا ہوں، ہر کسی کا نہیں

نصیب کس کو ہوا، اور یہ نسب بی بی
کہ عالمین کی رحمت پدر کسی کا نہیں

مباہلے میں تو افراد تھے اسی گھر کے
تو اہلِ بیت کے جیسا تو گھر کسی کا نہیں

تری نظر میں ولائے علیؑ ہے عیب، تو سن
ہمارے عیب سے اچھا ہنر کسی کا نہیں

وہ جس کے در سے فرشتوں کو بھیک ملتی ہے
بہ جز بتولؑ زمانے میں گھر کسی کا نہیں

ہے ان کے مہر میں نان و نمک کی سب دولت
تو سب انہیں کا ہے کچھ مال و زر کسی کا نہیں

جسے علیؑ کے فضائل نظر نہیں آتے
ہمیں خبر ہے کہ وہ بے خبر کسی کا نہیں

نبیؐ و آلِ نبیؐ ہیں، درود کے حقدار
یہ احترام تو بیشِ نظر، کسی کا نہیں

امیرِ شام کی ٹکسال کی حدیثوں میں
کوئی بھی حرف، کہیں معتبر کسی کا نہیں

ہو دیں کو خوں کی ضرورت، تو صرف آلِ نبیؐ
یہ کیا کہ پھل تو ہیں سب کے، شجر کسی کا نہیں

ہے نسل ہی ابوطالبؑ کی، محسنِ اسلام
جو محسنوں کا نہیں، وہ بشر کسی کا نہیں

فرازِ دار پہ، میثمؑ ہیں اور مدحِ علیؑ
علیؑ کے عشق میں، یہ کرّ و فر کسی کا نہیں

رہِ حیات ہو یا عاقبت کی منزل ہو
علیؑ کا نام زباں پہ ہے، ڈر کسی کا نہیں

مدینہ و نجف و کربلا و سامرّہ
ہمارے شہروں سے اچھا نگر کسی کا نہیں

مصحفِ عصمت

مطلعِ نظمِ سخن، حسنِ عقیدت ہیں بتولؑ
حاصلِ مذہب و ایمان و شریعت ہیں بتولؑ
مصحفِ عصمت و قرآن و طہارت ہیں بتولؑ
مرکزِ دائرۂ اجرِ رسالت ہیں بتولؑ

نور ہیں، ختمِ رسلؐ نور کی تنویر ہیں یہ
سانس لیتی ہوئی قرآن کی تفسیر ہیں یہ

دین اللہ کا ہے، دین کی زینت ہیں بتولؑ
بہرِ تمثیلِ عمل، دیں کی ضرورت ہیں بتولؑ
عورتوں کے لیے قندیلِ ہدایت ہیں بتولؑ
کوئی حجت نہیں، بس ایک ہی حجت ہیں بتولؑ

سیّدہؑ ہیں یہی کونین کی مختار ہیں یہ
سارے عالم کی خواتین کی سردار ہیں یہ

خود جو یکتا ہیں تو اک مظہرِ وحدت ہیں بتولؑ
جس سے میزان ہے قائم، وہ عدالت ہیں بتولؑ
نصِ معصوم سے اک جزوِ نبوت ہیں بتولؑ
خود امامت کی قسم، نفسِ امامت ہیں بتولؑ

دین کی اصل ہیں، قدرت کی مشیت ہیں یہی
عرصۂ حشر میں خاتونِ قیامت ہیں یہی

خود بھی معصومہ ہیں، شوہر بھی ہیں ان کے معصوم
باپ ہیں ختمِ رسل، خلق کے پہلے معصوم
صرف بیٹے ہی نہیں، بیٹوں کے بیٹے معصوم
چشمِ افلاک نے دیکھے نہیں ایسے معصوم

جن کے خادم ہیں فرشتے، یہ وہ مخدومہ ہیں
گیارہ معصوموں کی ماں، یہ وہ معصومہ ہیں

ماں یہ ایسی ہیں کہ آغوش میں پلتے ہیں امام
بیٹی ایسی کہ پیمبر جسے کرتے ہیں سلام
ہیں بہو اُس کی، جو ہے محسنِ دینِ اسلام
بیوی اُس کی ہیں کہ آتا ہے جو مخلوق کے کام

نسب و اوج و سعادت کا نشاں ہے زہراؑ
بیٹے سردار ہیں، خاتونِ جناں ہیں زہراؑ

جن سے باقی ہے صداقت، وہ صداقت یہ ہیں
جن سے پاتی ہے فضیلت بھی، فضیلت یہ ہیں
جس سے اسلام ہے زندہ، وہ کفالت یہ ہیں
ہر بُرے وقت میں نصرت کی ضمانت یہ ہیں

جو سخن ان کی فضیلت میں ادا ہوتے ہیں
پوچھ لو آیۂ تطہیر سے کیا ہوتے ہیں

جس گھرانے میں ولادت ہوئی، وہ گھر دیکھو
جس کے گھر بیاہ کے آئی ہیں، وہ شوہر دیکھو
یہیں فضہ ہیں، اسی گھر میں ہیں قنبر دیکھو
اسی دہلیز پہ بنتے ہیں مقدر دیکھو

بات سچی ہے تو کہنے میں کوئی باک نہیں
یہ نہ ہوں خلق میں تو پنجتنِ پاک نہیں

ختم انہی پہ ہوئیں خالق کی عنایات تمام
ان کی تسبیح پہ ہوتی ہیں عبادات تمام
ان کے گھر آئی ہیں قرآن کی آیات تمام
ان کی اولاد کی اولاد ہیں سادات تمام
نفسِ معصوم نے سب نفسوں سے اولا کہہ کے
ان کے والی کو ولی کردیا مولا کہہ کے

مناقبِ حضرت امام حسن علیہ السلام

منقبت

مری زباں پہ سدا ہے یہی کلامِ حسن
منم غلامِ محمدؐ منم غلامِ حسنؑ

لیا ہے دل سے جہاں ایک بار نامِ حسنؑ
مدد کو آگئے میری وہیں امامِ حسنؑ

حدیبیہ کا تسلسل ہے صلحِ شبّر میں
وہ انتظامِ محمدؐ یہ انتظامِ حسنؑ

رضائے صلح میں تھی کربلا کی تیاری
بقائے دینِ خدا حُسنِ انتظامِ حسنؑ

حدیث و آیہ قرآن و موعظہ، تفسیر
یہی کلامِ محمدؐ یہی کلامِ حسنؑ

وہ صلح و جنگ میں پیشِ نگاہ حق کا فروغ
جو صبح و شامِ محمدؐ وہ صبح و شامِ حسنؑ

جہاں سے چاہو ہدایت کی روشنی لے لو
جو ہے پیامِ محمدؐ وہی پیامِ حسنؑ

نہ جانے کتنا ہے درکار دانشوں کو سفر
کوئی سمجھ ہی نہ پایا ابھی مقامِ حسنؑ

وہ آپ اپنا ہے دشمن جو ان کا دشمن ہے
جناں کے سیّد و سردار ہیں امامِ حسنؑ

امیرِ شام نے شرطوں سے مات کھائی ہے
معاہدے نے لیا خود ہی انتقامِ حسنؑ

لحد میں بھی یہی مصرع زباں پہ ہو، باقرؔ!
منم غلامِ محمدؐ منم غلامِ حسنؑ

منقبت

حَسنؑ جہان میں آتے ہیں عیدِ اکبر ہے
مزاج بادہ کشاں آج پھر فلک پہ ہے
کھِلی ہے گلشنِ زہرا میں ایک تازہ کلی
مشامِ بزمِ جہاں آج پھر معطّر ہے

ولائے آلِ محمدؐ نہیں ہے جس دل میں
وہ اہلِ دل کی نگاہوں میں ایک پتھر ہے
مرے امام وہاں بھی ہیں خُلد کے سردار
نہ مجھ کو ڈر ہے یہاں کا، نہ خوفِ محشر ہے

ثنائے آلِ محمدؐ کو روکنے والو
یہ دیکھو آلِ محمدؐ کا ذکر گھر گھر ہے
علی کے گھر سے تمسک ہی کام آئے گا
مقابلے پہ جو سفیانیوں کا لشکر ہے

ہر ایک کو نہیں ملتی یہ دولتِ بیدار
میں اور مدحِ حسنؑ یہ مرا مقدر ہے
جہاں میں دیکھو جہاں بھی حسینؑ کا ماتم
یہی تو غم ہے جو آفاقیت کا مظہر ہے

منقبت

گلشن میں فاطمہؑ کے سماں ہے بہار کا
کھِلتا ہے پھول رحمتِ پروردگار کا
نانا کی گود میں ہے ابھی سیّدہ کا لال
آغوشِ مصطفیٰؐ میں ہے موسم بہار کا

آلِ نبیؐ کے ساتھ نہ کر ذکرِ میرِ شام
کیا تذکرہ بہار کے پھولوں میں خار کا
میثاق نے نفاق سے پردہ ہٹا دیا
بتلا دیا کہ کون ہے کس اعتبار کا

خُلقِ حسنؑ سے، صلحِ حسنؑ سے اُتر گیا
نشہ چڑھا ہوا تھا بہت اقتدار کا
گزرے نہ ایک لمحہ بھی بے حُبِّ اہلِ بیت
کیا اعتبار ہستیِ ناپائیدار کا

تاریخ کی جبیں پہ لکھا ہے یہ فیصلہ
جھوٹا امیرِ شام ہے قول و قرار کا
باقرؔ وہ دل ملا ہے بہ فیضانِ پنجتن
ذرّہ بھی آئنہ پہ نہیں ہے غبار کا

مناقبِ حضرت امام حسین علیہ السلام

قطعات

۱

آج ہے رنگِ چمن بدلا ہوا
گلشنِ اسلام ہے مہکا ہوا
ہیں رسولِ حق کے زانو پہ حسینؑ
رحل پہ قرآن ہے رکھا ہوا

۲

معنی بدل دیے ہیں حیات و ممات کے
پھوٹے ہیں ان کے خون سے چشمے حیات کے
رندوں کا اک ہجوم ہے، ساقی نجف کا ہے
بیٹھے ہیں سلسبیل پہ پیاسے فرات کے

۳

ہر سمت عزاداروں کے آباد جو گھر ہیں
کیا جانیے کس کس کی تمنا کا ثمر ہیں
دنیا نے مٹانے کی بہت کی کوشش
قائم ہیں کہ زہراؑ کی دعاؤں کا اثر ہیں

۴

شروعِ ماہِ محرم ہوا، حسینؑ حسینؑ
زباں پہ آ گیا بے ساختہ، حسینؑ حسینؑ
جو چاہتے تھے عزائے حسینؑ مٹ جائے
وہ سب فنا ہوئے باقی رہا، حسینؑ حسینؑ

کاروانِ عزم

ایک منظر وقت کا دیکھا ہوا
عرصۂ تاریخ پر چھایا ہوا

قافلہ آیا ہُوا اک دُور سے
دشتِ پُر آشوب میں ٹھہرا ہوا

قافلہ سالار اک بوڑھا، مگر
عزم و ہمت پہ شباب آیا ہوا

ایک شاہِ جبر کے فرمان سے
ایک بیعت کا سوال اُٹھا ہوا

ایک انساں عظمتِ انساں بدوش
شاہ کا فرمان ٹھکراتا ہوا

اک جماعت مختصر سی اس طرف
اِک بڑا لشکر اُدھر اُترا ہوا

ایک کنبہ، اِک قبیلہ سر بکف
جان دینے کی قسم کھایا ہوا

اک گھرانا، ایک مقصد، ایک دل
ایک دل انگڑائیاں لیتا ہوا

پیاس کے موسم میں بندش آب کی
ایک دریا سامنے بہتا ہوا

سر کٹا دیں گے، جھکائیں گے نہیں
سرفروشوں کا عمل کہتا ہوا

اِک طرف گھمسان کا رن الاماں
پھر نہ کوئی معرکہ ایسا ہوا

ایک سیلِ خوں زمینِ گرم پر
اک قبیلہ نذرِ جاں دیتا ہوا

اِک جواں بیٹا، ضعیفی کا عصا
اپنے سینے پہ سناں کھاتا ہوا

اِک جواں بھائی علم دارِ وفا
اپنے دونوں ہاتھ کٹواتا ہوا

ایک ننھا پھول تپتی دھوپ میں
ایک شاخِ گل پہ مرجھاتا ہوا

ایک بھائی، اک بہن، رخصت کا وقت
ایک سکتہ دہر پہ چھایا ہوا

قافلہ سالار تنہا دشت میں
سارا کنبہ خون میں ڈوبا ہوا

ایک بچی اضطراب و انتظار
پردہ اک خیمے کا ہے اُٹھا ہوا

گردنِ مظلوم زیرِ تیغ ہے
خنجرِ قاتل لہو پیتا ہوا

وارثوں کو خاک و خوں میں چھوڑ کر
قیدیوں کا قافلہ جاتا ہوا

قافلے کا سارباں زنجیر میں
طوق بھی، گردن میں ہے جکڑا ہوا

اک بریدہ سر سناں کی نوک پر
آیتیں قرآن کی پڑھتا ہوا

فتح کا اک جشن ہے دربار میں
طشت میں اک سر بھی ہے رکھا ہوا

ایک کنبہ بے کس و بے بس اسیر
شہر کے زندان سے لایا ہوا

ایک مردِ حق سلاسل میں اسیر
پیشِ حاکم حرفِ حق کہتا ہوا

قید خانے میں وہ اک بچی کی قبر
عالمِ انصاف شرمایا ہوا

آزما کر سارے حربے ظلم کے
زعمِ شاہی سسکیاں لیتا ہوا

کس میں اب ہمت کہ بیعت مانگ لے
لشکرِ بیعت طلب پسپا ہوا

حشر تک وجہِ حقارت بن گیا
لفظِ بیعت اس قدر رسوا ہوا

فتحِ مقصد کی کسے حاصل ہوئی
کون جیتا، کون ہے ہارا ہوا

پرچمِ حق آج بھی ہے سر بلند
سطوتِ باطل کو ٹھکراتا ہوا

کاروانِ عزم، تیرے عزم سے
فرقِ انساں فخر سے اُونچا ہوا

منقبت

رُت پھر سے زمانے میں اک آئی ہے سہانی
ساون کی گھٹاؤں سے برستا ہوا پانی
پھر لوٹ کے آئی ہے زلیخا کی جوانی
شاعر کو بھی اس در سے عقیدت ہے پرانی
واں خانۂ زہراؑ پہ ہے انوار کی بارش
یاں ہوتی ہے قرطاس پہ اشعار کی بارش

ہر شاخِ شجر وجد میں ہے، جھوم رہی ہے
غنچوں کے دہن بادِ صبا چوم رہی ہے
یہ کس کی ولادت کی خبر گھوم رہی ہے
رندوں میں تو اس دن کی بڑی دھوم رہی ہے
ہر چشمِ تصور میں ہے اِک دید کا منظر
جس طرح سے ہوتا ہے کسی عید کا منظر

یہ عید ولادت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی
یہ وقت، یہ ساعت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی
یہ محفلِ مدحت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی
اسلام بدولت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی
سر کو نہ کٹاتے یہ تو اسلام نہ ہوتا
اللہ و محمدؐ کا کہیں نام نہ ہوتا

یہ منزلِ عصمت میں ہیں تطہیر کے پیکر
سب ایک سے ہیں دختر و ہم شیر و برادر
ماں شافعِ محشر ہیں، پدر ساقیِ کوثر
نانا کو جو دیکھو تو محمدؐ سا پیمبر
اس فرش پہ زینت وہ افلاک ہوئے ہیں
یہ آئے ہیں تو پنج تنِ پاک ہوئے ہیں

معصوم ہیں معصوم کی گودی کے پلے ہیں
حق کا وہی جادہ ہے جو یہ راہ چلے ہیں
مظلوم ہیں اور صبر کے سانچے میں ڈھلے ہیں
تلواروں کے نیچے وہ انہیں کے تو گلے ہیں
گل رنگ ہُوا دامنِ گیتی اسی خوں سے
سرسبز ہے اسلام کی کھیتی اسی خوں سے

گھر بھر کی نگاہوں کی ہیں یہ آنکھ کا تارا
یہ حق کے سہارے ہیں تو حق ان کا سہارا
کرتے نہیں تکلیف کسی کی یہ گوارا
کی اس کی مدد جس نے مصیبت میں پکارا
فطرس کو پر و بال انہیں سے تو ملے ہیں
راہب کو کئی لال انہیں سے تو ملے ہیں

سب اوجِ فلک پر مہ و اختر ہیں انہی کے
سب مسلکِ ایثار کے جوہر ہیں انہی کے
عباسؑ و علیؑ، اصغرؑ و اکبرؑ ہیں انہی کے
وہ ایک نہیں، سارے بہتر ہیں انہی کے
اس طرح کے ساتھی تو کسی نے نہیں پائے
سچ بات تو یہ ہے کہ نبیؐ نے نہیں پائے

اعمال کی دولت ہو کہ افکار کی دولت
خالق کی عطا ہوتی ہے کردار کی دولت
ملتی نہیں ہر ایک کو ایثار کی دولت
حُر کو تو ملی طالعِ بیدار کی دولت
سردار ہیں، جنّت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی
ہر اِک کو ضرورت ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کی

منقبت

ذکرِ شبّیر میں جو ہم شعراء کہتے ہیں
منقبت کہتے ہیں یا حرفِ ثنا کہتے ہیں
جس کو اربابِ نظر بوئے وفا کہتے ہیں
ہم علم دار کے پرچم کی ہَوا کہتے ہیں
آپ جس چیز کو خالق کی عطا کہتے ہیں
ہم اسے آلِ محمدؐ کی دُعا کہتے ہیں
کلمہ پڑھ پڑھ کے نبیؐ زادی کو جھٹلاتے رہے
پاس جوان کے نہ تھی، اُس کو حیا کہتے ہیں
شرط عصمت کی ہے ہر دین کے رہبر کے لیے
ہم گنہ گار کو کب راہ نما کہتے ہیں
چھوڑ کر اس کو ہے قرآن بھی پڑھنا مشکل
حرفِ قرآں میں اسے نقطۂ با کہتے ہیں
اس کو کس طرح سے ہوگی کسی منصب کی طلب
یہ وہ بندہ ہے جسے لوگ خدا کہتے ہیں
بھیک بھی ملتی نہیں اور کسی نام کے ساتھ
مانگنے والوں سے پوچھو کہ وہ کیا کہتے ہیں

ذکرِ شبیرؑ قضا ہی نہیں ہوتا ہے کبھی
وہ نمازیں ہیں، جنہیں لوگ قضا کہتے ہیں

آمد و شد میں نفس کی غمِ شبیری ہے
دل دھڑکتا ہے تو ماتم کی صدا کہتے ہیں

دے کے چادر بھی تو اسلام کا پردہ رکھا
اسی پردے کو تو زینبؑ کی ردا کہتے ہیں

ایک اِک شعر ہے جنّت کا قبالہ، باقرؔ!
لوگ حیران ہیں سن کر کہ یہ کیا کہتے ہیں

منقبت

خدا کا شکر، کہ مانوس ہوگئے غم سے
جہاں میں بنتے ہیں انسان دیدۂ نم سے

ڈھکی چھپی نہیں یہ بات چشمِ عالم سے
کہ آج دین ہے قائم حسینؑ کے دم سے

ہمیں کہاں کبھی فرصت، حسینؑ کے غم سے
یہ ہاتھ وہ ہیں جو تھکتے نہیں ہیں ماتم سے

ثنا علیؑ کی کہاں، کس طرح سے ہوتی ہے
یہ کام سیکھا ہے ہم نے جنابِ میثمؑ سے

علیؑ کا نام لیا اور دعا قبول ہوئی
خدا کا نام ہے، ملتا ہے اسمِ اعظم سے

دلوں کے زخم ہمارے ہرے نہیں رہتے
علاج کرتے ہیں حُبِ علی کے مرہم سے

جو باوفا ہے وہ عباسؑ کی سپاہ میں ہے
بندھا وفا کی ہے بندھن اُسی کے پرچم سے

غمِ حسینؑ کے اشکوں سے ہیں تر و تازہ
کہ جیسے غنچہ و گل آب دارِ شبنم سے

علیؑ کی مدح میں رکتا نہیں کبھی یہ قلم
نہ خوفِ جاں ہے، نہ رغبت ہے مال و درہم سے

علیؑ کا نام مری جاں کے ساتھ رہتا ہے
کہ دم سے دم ہے مسلسل اسی دما دم سے

جہانِ حق و صداقت کا اعتبار ہیں ہم
نہیں ملیں گے تمھیں آدمی کہیں ہم سے

زمانے! تُو نے مٹانے میں کیا کسر چھوڑی
مگر یہ ہم ہیں کہ باقی ہیں اپنے دم خم سے

عجیب بات ہے قاتل بھی تم، شہید بھی تم
وہ بے گناہ تھے، جو اُڑا دیے بم سے

ادھر نبیؐ کے جنازے پہ آ کے کیا ملتا
اُدھر تو حرصِ حکومت تھی جا پڑے دھم سے

جو آب دی مرے اشکِ عزا نے چہرے کو
ملی نہ قطرۂ شبنم سے اور نہ زم زم سے

علی کے ذکر میں کج بحثیوں سے کیا حاصل
ہماری بات کرو رد دلیلِ محکم سے

وہی ہے بغضِ عدو اور وہی ہے حُبِ علیؑ
شناخت اپنی تبرے سے ہو کہ ماتم سے

ہے اہلِ بیت سے نسبت جنھیں وہ اپنے ہیں
نہیں ہے کوئی شکایت سوادِ اعظم سے

ہیں خوش نصیب کہ زہراؑ کے دل کی ہم ہیں دعا
غمِ حسینؑ سے ہم ہیں تو ہے یہ غم ہم سے

بنا ہی اُس کے لیے ہے تو بچ نہیں سکتا
عدوئے آلِ محمدؐ کبھی جہنم سے

اگر حسینؑ نہ ہوتے تو کس طرح رہتا
خدا کا دیں جو چلا تھا رسولِ اکرمؐ سے

جو سارا سال ہمارے ہی ساتھ تھے، باقرؔ!
الگ الگ نظر آنے لگے محرم سے

منقبت

اشھدُ اَن لا الہ کہتا ہوا وارثِ پیغمبراں پیدا ہوا
ویدنی ہے بزمِ میلادِ حسینؑ منقبت کا باغ ہے مہکا ہوا
جب تجھے دنیا نے دیکھا سر بکف اعتبارِ رہنما پیدا ہوا
یہ قیادت کا عجب انداز تھا ہر شہیدِ کربلا یکتا ہوا
مُحسنِ انسانیت ہے کربلا مسلکِ انسانیت تیرا ہو
بس اسے کہتے ہیں حُر بختِ رسا کیا بُرا تھا اور کیا اچھا ہوا
ہم حسینی ہیں، ہمیں معلوم ہے ہر یزیدی دہر میں رسوا ہوا
نیند ہے یہ موت تو میرے لیے
پھر اُٹھوں گا منقبت کہتا ہوا

منقبت

وہ جن کو مصلحت نے مسلماں بنا دیا
یاروں نے اُن کو صاحبِ ایماں بنا دیا
اللہ کے کلام کا مصرف تو دیکھیے
اندھوں کو ہم نے حافظِ قرآں بنا دیا
جس کے لیے ہوئی ہے یہ کل کائنات خلق
تم نے اسے بھی اپنا سا انساں بنا دیا
حق ہے علیؑ، تو حق کا مقابل تو حق نہیں
اتنی سی بات نے اسے حیراں بنا دیا
مشکل تو تھا بہت کہ مسلمان زیر ہوں
آپس کے اختلاف نے آساں بنا دیا
تاریخ ہے گواہ کہ ذکرِ حسینؑ نے
سفیانیت کو خوابِ پریشاں بنا دیا
محشر کی شب حسینؑ نے گُل کرکے اِک چراغ
اہلِ وفا کو مشعلِ ایماں بنا دیا
معبودِ صبحِ حشر کو آنا تھا اس کے بعد
وہ شام جس کو شامِ غریباں بنا دیا

بنجر زمیں میں خوب کھلے منقبت کے پھول
بزمِ سخن کو صحنِ گلستاں بنا دیا
اُس کی عنایتوں کے تو ممنون ہم بھی ہیں
جس نے یہاں بھی شاہِ خراساں☆ بنا دیا

☆محفلِ شاہِ خراساں، نیوجرزی، امریکا

منقبت

دنیا میں جہاں نصرتِ مظلوم رہی ہے
وہ اُسوۂ شبیرؑ سے موسوم رہی ہے
اُس آنکھ کی قسمت میں اُجالے نہیں ہوں گے
جو اشکِ غمِ شاہ سے محروم رہی ہے
جینے میں نہ عزت ہو تو پھر موت ہے بہتر
یہ بات ترے نام سے مرقوم رہی ہے
ہر حال میں، حق اور علیؑ ساتھ ہیں
کیا خوب صفت لازم و ملزوم رہی ہے
یہ ساقیِ کوثر ہیں وہ خاتونِ جناں ہیں
کس گھر کی غلامی مرا مقسوم رہی ہے
افسوس کہ قائل بھی ہے توحید کی، لیکن
فرقوں میں بٹی امتِ مرحوم رہی ہے
اندازِ سخن اپنا الگ رکھتے ہیں باقرؔ
شعروں میں سرافرازی مفہوم رہی ہے

منقبت

وہ جو بغضِ علی میں مرتے ہیں
اپنی عقبیٰ خراب کرتے ہیں
موت کو زندگی جو کرتے ہیں
کربلا سے وہی گزرتے ہیں
روز جیتے ہیں، روز مرتے ہیں
آپ کا انتظار کرتے ہیں
جن کو ہے اہلِ بیت سے نسبت
زیورِ علم سے سنورتے ہیں
دل بھی بنتے ہیں عشقِ حیدر سے
صرف چہرے نہیں نکھرتے ہیں
آخری فصلِ گل کی آمد ہے
گل قبائیں نئی کترتے ہیں
یا زباں پہ علی ہے، یا ہے حسینؑ
سارے موسم یونہی گزرتے ہیں
گھر جو حبِ علی سے ہوں آباد
ہم مسافر وہیں ٹھہرتے ہیں

ہیں وہی بات کے علی والے
بات سے اپنی کب مکرتے ہیں
کھل کے ملتے ہیں ہم عدو سے بھی
کب کسی سے گریز کرتے ہیں

منقبت

ہے فاطمہؑ کے گھر جو ولادت امام کی
محفل سجی ہوئی ہے درود و سلام کی
آمد ہوئی حسین علیہ السلام کی
نکلے زباں سے آج دعا کوئی کام کی
شہرت کی کوئی فکر نہ کوشش ہے نام کی
ہوجایے بس قبول یہ مدحت امام کی
موجوں پہ ڈال دی ہے جو کشتی پیام کی
آواز آ رہی ہے علیکم سلام کی
وہ آخری رسولؐ، تو یہ آخری امام
وہ ابتدا کی شان ہیں، یہ اختتام کی
پندرہ کو آنے والا ہے معصوم چودھواں
ہے روشنی شباب پہ ماہِ تمام کی
پیتا ہوں اوک سے بھی مئے حُبِ اہلِ بیت
مینا کی کوئی فکر نہ حاجت ہے جام کی
میرے لیے کھلا ہے گلِ منقبت کا باغ
تختی لگی ہوئی ہے یہاں میرے نام کی

منقبت

احترام بتولؑ کرتے ہیں
اتباعِ رسولؐ کرتے ہیں
دشمنِ دیں پہ بھیج کر لعنت
اپنے قرضے وصول کرتے ہیں
موت جس زندگی کی ضامن ہو
ہم وہ مرنا قبول کرتے ہیں
پھول کے پاس کیوں رکھیں کانٹے
کارِ گل کیا ببول کرتے ہیں
یہ بھی ہے ایک صورتِ الہام
شعر بھی تو نزول کرتے ہیں
ہم محبت بھی اور نفرت بھی
بہ بنائے اصول کرتے ہیں
ہے عبادت کوئی تو ذکرِ علیؑ
اور کیا خاک دھول کرتے ہیں
ہم ادھورا درود پڑھتے نہیں
آل کا بھی شمول کرتے ہیں

ہر مصیبت میں پڑھ کے نادِ علی
اپنے کانٹوں کو پھول کرتے ہیں
لمحہ عشقِ علی سے خالی ہو
کب کوئی ایسی بھول کرتے ہیں

حرمتِ حرف باقر زیدی

منقبت

مدح کی جو دین کے سلطان کی
بڑھ گئی وقعت مرے دیوان کی

جس کا بیٹا کُلِ ایماں ہوگیا
وہ پدر بھی جان ہے ایمان کی

یاد تھا سب ہی کو اعلانِ غدیر
بھولتے کیا، بات تھی میدان کی

غیر معمولی تھا اعلانِ غدیر
تھی ضرورت معبرِ پالان کی

دہر کا سورہ بتا دے گا تمھیں
قدر و قیمت ان کے گھر کے نان کی

لیجیے قرآن کافی ہوگیا
کھا تو لیتے ہیں قسم قرآن کی

مضطرب دل ہو تو لکھ کر منقبت
سانس لے لیتا ہوں اطمینان کی

ہم نے اک مدّت گزاری ہے وہاں
رکھ الٰہی خیر پاکستان کی

منقبت

ولادت کی خوشی ہے خانۂ بنتِ پیمبر میں
سماتا ہی نہیں کوئی نگاہِ قلبِ مادر میں

ذرا تیور تو دیکھو نصرتِ آلِ پیمبرؐ میں
ابوطالبؑ نظر آتے ہیں عباسؑ دلاور میں

مسلسل صفحۂ قرطاس پہ موتی برستے ہیں
قلم لکھتا ہے جب کچھ مدحتِ آلِ پیمبرؐ میں

بالآخر مل گیا اللہ کے گھر سے نصیری کو
خدا کو ڈھونڈتے پہنچے تھے جو اللہ کے گھر میں

علیؑ کے گھر کا معیارِ شجاعت دیکھ لے دنیا
سپاہی چھ مہینے کا بھی شامل ہے بہتّر میں

تلاوت تھی، دعائیں تھیں، مصلّے تھے، مصلی تھے
شبِ عاشور کیا رونق تھی اِس اجڑے ہوئے گھر میں

یہ معیارِ عبادت، ناز کر اے نوعِ انسانی!
جو سر سجدے میں رکھا ہے، اُٹھے گا اب وہ محشر میں

ذرا اے چشمِ گریاں دیکھ اشکوں کی پذیرائی
کبھی رومالِ زہراؑ میں، کبھی دامانِ حیدرؑ میں

منقبت

رَہ روِ راہِ رضا پیدا ہوا
افتخارِ انبیا پیدا ہوا

پنجتن کی ہوگئی تکمیل آج
خامسِ آلِ عباء پیدا ہُوا

فاتحِ خیبر، مبارک ہو تمھیں
فاتحِ کرب و بلا پیدا ہوا

اِنما تنزیل کی تھی منتظر
آج امکانِ کساء پیدا ہوا

مل گیا اک رَہ بَرِ منزل شناس
کشتیِ دیں! ناخدا پیدا ہوا

اس ولادت پہ نصیری بھی ہیں خوش
اور اک ابنِ خدا پیدا ہوا

صرف ذکرِ کربلا ہوتا رہا
کب شعورِ کربلا پیدا ہوا

شکر ہے، باقرؔ! خدا کا شکر ہے
دل ترا حق آشنا پیدا ہوا

منقبت

علیؑ کے در پہ ہے پھر مے کشوں کا جمِ غفیر
ملی ہے نورِ امامت کو تیسری تنویر

اگر نہ ہوتے زمانے میں اکبرؑ و شبیرؑ
نہ ہوتی آیہِ ذبحِ عظیم کی تفسیر

کہیں زمانے میں ممکن نہیں ہے ان کی نظیر
یہ دو جہاں کے ہیں مالک، غذا ہے نانِ شعیر

سوادِ شام میں آتے ہیں کربلا کے اسیر
کہ ظلمتوں میں ہوں جس طرح روشنی کے سفیر

حسینؑ عالمِ انسانیت کے محسن ہیں
غمِ حسینؑ اسی واسطے ہے عالم گیر

گلوئے خشک سے تلوار کاٹنے والے
کسی نے کی نہیں طاقت کی اس قدر تحقیر

نجس جہاں بھی ہیں دنیا میں ان کے غیر ہیں سب
کہ ان کی شان میں آئی ہے آیہِ تطہیر

امیرِ شام کی دولت پہ ریجھنے والو!
خریدتے ہو جہنم، جو بیچتے ہو ضمیر

وہ دیکھو شمعِ امامت کے گرد پروانے
کہ حاشیے پہ ہو قرآں کے جس طرح تفسیر

زمیں خرید کے بیچی نہیں تھی مولا نے
یہ کربلا ہے ابھی تک حسینؑ کی جاگیر

وہ شاعری نہیں، باقرؔ! بڑی عبادت ہے
عیاں کرے جو زمانے پہ مقصدِ شبیرؑ

منقبت

محفل میں ہے جو، باقرؔ! یہ شور مرحبا کا
کچھ شور ہے سمک کا، کچھ شور ہے سما کا

جو کچھ حسینؑ کا تھا، سب دے دیا خدا کو
وہ اب حسینؑ کا ہے، جو کچھ بھی ہے خدا کا

بدلا خدا نے خود ہی یہ مرکزِ عقیدت
کیا کربلا کے آگے ہو ذکر اب منا کا

حُبِ علیؑ کی شمعیں جلتی ہیں آندھیوں میں
روشن چراغ رکھے یہ کام ہے ہَوا کا

ہم کو تو بچپنے سے ماں نے یہی بتایا
غازیؑ کا ذکر کرنا، لو نام جب وفا کا

بیمارِ کربلا کے صدقے میں جب دعا ہو
کرتی ہے تب دوا بھی، جو کام ہے دوا کا

کیا خوب ہو جو اُن کی صورت میں ویسی دیکھوں
جو ذہن میں کھنچا ہے مولا کا میرے خاکہ

دشمن علیؑ کا بچ کر ہم سے نہ جاسکے گا
پہچان لیں گے فوراً دیکھا ہے بارہا کا

ذکرِ علی و ماتم دو کام ہیں ہمارے
اک کام ابتدا کا، اک کام انتہا کا

فرشِ عزا سے اٹھا فرشِ عزا پہ پہنچا
کوثر پہ جا کے نکلا ڈوبا ہوا ولا کا

عاجز انیس بھی ہیں، عاجز دبیر بھی ہیں
کیا ہم سے حق ادا ہو مولا تری ثنا کا

پیشِ نگاہ اپنے ایسا ہی ہے تبرا
کلمے میں ہے ہمارے جیسا مقام لا کا

ارباب فکر سوچیں ایسا جو ہو تو کیوں ہو
مجلس میں وقت آئے مغرب کا یا عشا کا

میں بھی یہ چاہتا ہوں اچھے ہوں شعر میرے
ہے منقبت بھی مولا اِک مسئلہ انا کا

میں آسماں پہ جاؤں سورج سا بن کے چمکوں
ذرّہ بنوں جو، باقرؔ! مولا کی خاکِ پا کا

منقبت

مفتی نہیں، فقیہ نہیں، پارسا نہیں
لیکن مری نمازِ مودّت قضا نہیں

اعلانِ امرِ حق کا جسے حوصلہ نہیں
وہ مجتہد بھی ہو تو کسی کام کا نہیں

دل مدحتِ حسینؑ سے میرا بھرا نہیں
کہنا جو چاہتا ہوں ابھی تک کہا نہیں

کٹ ہی گیا تو کیا کہ یہی گھر کی رسم تھی
باطل کے سامنے تو کبھی سر جھکا نہیں

کیا حشر ہوگا دشمنِ آلِ رسول کا
ہم کیا بتائیں کون ہے جس کو پتا نہیں

مشکل میں آپ میری مدد کو نہ آئے ہوں
ایسا تو آج تک مرے مولا ہوا نہیں

جنت تو کربلا کے مضافات کا ہے نام
جنت کا کربلا سے کوئی فاصلہ نہیں

اس گھر کی بھیک میں ہے سلیماں کی سلطنت
بدبخت ہے جو آپ کے در کا گدا نہیں

منقبت

دیں بچانا تھا جسے وہ دین دار آ ہی گیا
تھا پیمبرؐ کو بھی جس کا انتظار آ ہی گیا
عمر ابنِ عبدِ وَد خندق کے پار آ ہی گیا
شیر کے پنجے میں خود کھنچ کر شکار آ ہی گیا
آیۂ تطہیر کے آنے کا ساماں ہوگیا
وہ کسا کا پانچواں گردوں وقار آ ہی گیا
سوچتا تھا نذرِ زہراؑ آج کیا ہدیہ کروں
دل سے کھنچ کر ایک اشکِ آب دار آ ہی گیا
حق تو حق ہے، جب پلٹتا ہے تو حق ہی کی طرف
لشکرِ باطل سے حُرِ ذی وقار آ ہی گیا
یا علیؑ! تجھ کو تری دادِ شجاعت مل گئی
حق سے اک تحفہ بہ شکلِ ذوالفقار آ ہی گیا
ہو گیا وہ ساری دنیا کی عبادت سے گراں
وار اک ایسا بھی وقتِ کارزار آ ہی گیا
ذہن کی پستی نے پیغمبرؐ کو اپنا سا کہا
پھر اُسی پستی کے لب پر یارِ غار آ ہی گیا

اس کو کہتے ہیں محبت، اُس کو کہتے ہیں وفا
میثمِ تمار بڑھ کر سوئے دار آ ہی گیا
جب بھی جی بوجھل ہوا، مجلس میں بیٹھے رو لیے
کربلا کے ذکر سے دل کو قرار آ ہی گیا
قبر تھی ننھے سپاہی کی تو کیا کرتے حسینؑ
کیسا مشکل کام پیشِ ذوالفقار آ ہی گیا
جب صدا اسلام نے دی اور کون آتا بھلا
ایک تھا دینِ نبیؐ کا ورثہ دار آ ہی گیا
جس کی خاکِ پاک کا ہر ذرہ بنے گا سجدہ گاہ
اعتبارِ سجدہ وہ سجدہ گزار آ ہی گیا

منقبت

فصلِ گُل آئی ہے، غنچوں کی ہنسی کا دن ہے
جوشؔ سن لیں تو کہیں گل بدنی کا دن ہے

نرغۂ کفر میں ایماں طلبی کا دن ہے
دین کو جس نے بچایا یہ اُسی کا دن ہے

آج آتے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ دنیا میں
یہ علیؑ کا ہے، یہ اولادِ علیؑ کا دن ہے

شافعِ حشر کے گھر میں ہے ولادت کی خوشی
یہ گناہوں کی سزاؤں میں کمی کا دن ہے

آج طیبہ کی فضاؤں پہ ہیں رحمت کے سحاب
خشک آبی کا نہیں، آج تری کا دن ہے

بیٹے راہب کو تو فطرس کو پَر و بال ملے
آج کا دن تو سخی ابنِ سخی کا دن ہے

نسلِ سادات تو اب اور بھی پائے گی فروغ
خوش نصیبی کا ہے، اعلیٰ نسبی کا دن ہے

اور ہی ہوتا ہے کچھ نشۂ صہبائے نجف
آج سب مل کے پئیں، بادہ کشی کا دن ہے

تیسرا پھول کھلا باغِ ابوطالبؑ میں
شش امام کا ہے، اثنا عشری کا دن ہے

مژدۂ نعمتِ غم ہے یہ عزاداروں کو
شِمرِ ملعون ہو، خوشی کا دن ہے

باپ بیٹے کی ولادت نے انھیں نیک کیا
تین کو، تیرہ کو دیکھو تو بدی کا دن ہے

جادۂ کفر سے کہتا ہوا حُر آتا ہے
راہِ ایماں پہ یہی بازرسی کا دن ہے

ایک ہجرت کی وہ شب، ایک وہ روزِ عاشور
کبھی کی رات بڑی ہے تو کبھی کا دن ہے

یہ نبوّت کی خوشی ہے، یہ امامت کی خوشی
یہ صحابہ کا نہیں آلِ نبی کا دن ہے

لوگ اب ان کی غلامی کی سند چاہیں گے
اسی نسبت سے یہ اصحابِ نبیؐ کا دن ہے

جو بہم ہے اُسی توفیقِ تولّا کی قسم
بغضِ دشمن کا ہے، یہ حُبِّ علیؑ کا دن ہے

اس کے لمحوں کی عبادت میں زمانوں کا ثواب
قدر و قیمت میں یہی ایک صدی کا دن ہے

قریۂ شام سے پھیلی ہے جو ظلمت کی طرح
فکرِ باطل تری گردن زدنی کا دن ہے

پنجتنِ پاک کی تعداد ہوئی ہے پوری
یہ وہابی کا نہیں، پنج تنی کا دن ہے

آج کے روز یہ کیوں شدتِ گریہ، بی بی!
آج تو خیر مبارک کا، خوشی کا دن ہے

تم پہ باقرؔ جو گزرتی ہے عریضے میں لکھو
چاک دل ہوں گے رفو، بخیہ گری کا دن ہے

منقبت

جس کی خواہش پہ نظر شمس و قمر رکھتے ہیں
آپ اُسے تا حدِ امکان بشر رکھتے ہیں

ہر گھڑی موت کو جو مدِ نظر رکھتے ہیں
کچھ وہی لوگ تو جینے کا ہنر رکھتے ہیں

معنیِ سورۂ کوثر ہوئی اولادِ رسول
یہ شجر وہ ہیں جو شاخوں پہ ثمر رکھتے ہیں

ہوسِ زر نہیں رکھتے ہیں ابوذر والے
ظلمتِ شام میں بنیادِ سحر رکھتے ہیں

پختگی فن کی الگ بات ہے، لیکن، باقرؔ!
دل سے جو شعر نکلتے ہیں، اثر رکھتے ہیں

مناقبِ حضرت عباس علیہ السلام

منقبت

ثنائے حضرتِ عباسؑ پہ جو جی آیا
تو ایسا نشّہ ہوا مجھ کو جیسے پی آیا

نہ شافعی کوئی آیا نہ مالکی آیا
ولا کی بزم میں آیا تو جعفری آیا

کرم خدا کا، یہ تشنہ لبوں کے عشق میں ہے
اُسی کی ہوگئی بخشش جو آج پی آیا

جہاں میں ان کی وفا کے چراغ روشن ہیں
انھی کے ذکر سے احساسِ روشنی آیا

ہمارا دشمنِ جانی، عدوئے آلِ نبیؐ
ہمیں تو بس یہی اندازِ دشمنی آیا

بڑھا چڑھا کے ہی قصے بیان کرتے ہیں
وہ جن کے حصے میں احساسِ کم تری آیا

مباحثوں میں تو کج بحثیوں کی عادت تھی
مباہلے میں نہ کوئی جماعتی آیا

بھرا جو غازی نے مشکیزۂ سُخن، باقرؔ!
تو منقبت میں شعورِ سخن وری آیا

علم دارِ وفا

علم دارِ وفا دریا میں جب تشنہ دہاں ٹھہرا
وہ اک لمحہ، قیامت تک کی صدیوں پر گراں ٹھہرا

وہ دریا چھین کر پانی میں جب تشنہ دہاں ٹھہرا
تو صورت دیکھنے عباس کی آبِ رواں ٹھہرا

علیؑ کے گھر ولادت کی خبر سن کر کہاں رکتے
درِ ساقیِ کوثر پر ہجومِ مے کشاں ٹھہرا

ترا ذکرِ وفا ٹھہرا ہے جیسا حق پرستوں میں
زمانے پہ نہ ایسا کوئی نقشِ جاوداں ٹھہرا

علیؑ و حمزہؓ و جعفرؑ علم بردارِ لشکر تھے
مگر منصب کسی کے نام کا حصہ کہاں ٹھہرا

مرے مشکل کشا کا لعل بھی مشکل کشا نکلا
میں اس کا نام لے کر گردشوں کے درمیاں ٹھہرا

کوئی صفّین میں دیکھے تو اس کم سن سپاہی کو
کہ جب تک جنگ کی دشمن کو حیدرؑ کا گماں ٹھہرا

مرے شاعر، مرے باقرؔ نے ایسی منقبت لکھی
زمینِ شعر پہ آ کر ادب کا آسماں ٹھہرا

وفا

منقبت لکھی ہے ہم نے اِک بہ عنوانِ وفا
یا مرتب کرلیا ہے ایک دیوانِ وفا

باندھ رکھا ہے کسی سے عہد و پیمانِ وفا
ہے ہماری دسترس میں اب بھی دامانِ وفا

اپنی نسلوں میں نہیں ہے بے وفائی کی روش
اس قبیلے میں ہے باقی اب بھی امکانِ وفا

ہے گلِ عباس وہ باغِ ابوطالبؑ کا پھول
نام لیتے ہی مہکتا ہے گلستانِ وفا

بچہ بچہ خدمتِ اسلام میں کام آگیا
یہ ابوطالبؑ کا گھر تو تھا ہی ایوانِ وفا

بجھ نہ پائی کتنی صدیوں کی ہوائے ظلم سے
ضو فشاں ہے آج بھی شمعِ شبستانِ وفا

جن میں کھلتے ہی رہیں گے اب وفاداری کے پھول
قلب ہیں اہلِ ولا کے وہ گلستانِ وفا

گر نہ ہوتا سوزنِ ایثارِ عباسِ جری
کون کرسکتا رفو چاکِ گریبانِ وفا

منقبت

پدر مشکل کشا ٹھہرے، پسر حاجت روا ٹھہرا
تو یوں سمجھو کہ آئینے پہ عکسِ آئنہ ٹھہرا

کسی محفل میں جب اہلِ وفا کا تذکرہ ٹھہرا
تو نامِ حضرت عباسؑ پہ ذکرِ وفا ٹھہرا

ترے ایثار کا عباسِؑ غازی یہ صلہ ٹھہرا
کہ تیرا نام ہی اہلِ وفا میں باوفا ٹھہرا

پدر معجز نما ٹھہرا، نصیری کا خدا ٹھہرا
تو بیٹا کشتیِ مہر و وفا کا ناخدا ٹھہرا

سنا ہے تہنیت کے واسطے عباسِ غازی کی
علیؑ کے در پہ آکر قدسیوں کا قافلہ ٹھہرا

بہت اُم البنین خوش ہیں یہ رتبہ دیکھ کر اپنا
کہ ان کا لعل بھی، فرزندِ بنتِ مصطفیٰؐ ٹھہرا

نہ تھا اِذنِ وغا، دل میں رہی اک جنگ کی حسرت
علیؑ کا شیر رن میں پیکرِ صبر و رضا ٹھہرا

جو دریا چھین کر پیاسا رہے پیاسوں کی چاہت میں
بساطِ وقت پہ ایسا نہ کوئی سورما ٹھہرا

علیؑ پیاسے نہ تھے صفین میں، خندق میں، خیبر میں
شجاعت کا تری معیار ہی بالکل جدا ٹھہرا

تری تقلید میں بچے بہشتی اب بھی بنتے ہیں
قیامت تک ترے مشک و علم کا سلسلہ ٹھہرا

تری توصیف کی عباس غازی! نو اماموں نے
نگاہِ حرمتِ عصمت میں جانے کیا ہے کیا ٹھہرا

تھا اک جبرِ مسلسل کے مقابل صبرِ کامل ہی
کہیں تاریخ میں ایسا نہ کوئی معرکہ ٹھہرا

نگاہ و دل نے سجدے کرلیے بابِ حوائج پہ
مرے دستِ طلب پہ یوں ترا دستِ عطا ٹھہرا

مولا عبّاسؑ

ایثار کی دنیا میں ہے ایثار کا مولا
عباسؑ ہے ہر ایک وفادار کا مولا

ہر آن کھلا رہتا ہے اک بابِ حوائج
ہر لحظہ ہے بے یار و مددگار کا مولا

چتون سے نمایاں ہیں یداللہ کے تیور
یہ حق کا سپاہی بھی ہے تلوار کا مولا

بینا ہو اگر چشم تو کہتی ہیں نگاہیں
عباسؑ ہے ہر دیدۂ بیدار کا مولا

قبضے میں ترائی ہے مگر شیر ہے پیاسا
دیکھا کہیں اس عظمت و کردار کا مولا

بابا کے لیے ہوگئی شق کعبے کی دیوار
یہ کون و مکاں کے در و دیوار کا مولا

کیوں سہل نہ ہو مدحتِ غازی مجھے، باقرؔ!
وہ میرے سخن کا، مرے افکار کا مولا

یا عبّاسؑ

مرکزِ حسنِ کربلا عباسؑ — قبلۂ عالمِ وفا عباسؑ
نسلِ ہاشم کا افتخار ہے تو — فاطمہ کی ہے تو دعا عباسؑ
دادِ تحسین لے زمانے سے — یوں نہ پیاسا کوئی لڑا عباسؑ
ناز کرتی ہے آج بھی تجھ پہ — قسمتِ ارضِ کربلا عباسؑ
اہلِ بیتؑ اور بے وفا دنیا — اہلِ بیت اور تری وفا عباسؑ
نہر قبضے میں اور تو پیاسا — تجھ کو سمجھے گا کوئی کیا عباسؑ
ساری دنیا سلام کرتی ہے — وہ ترا مسلکِ وفا عباسؑ
پھر کوئی مسئلہ نہیں رہتا
لب پہ آتا ہے جب بھی یا عباسؑ

منقبت

عباس تیری مدحت ہم سے کہاں ہوئی ہے
یہ شاعری نہیں ہے، کارِ پیمبری ہے
حرفِ وفا ہے تیرا اِک مستقل تعارف
تیرے ہی جد سے ساری رسمِ وفا چلی ہے
تیری ہی تشنگی سے دنیا و دیں میں مولا
انسانیت کے سوکھے ہونٹوں پہ آب تری ہے
بابا سے جو ملی تھی رسمِ وفا علیؑ کو
عباسؑ تیرے ہاتھوں معراج پا گئی ہے
تو شمعِ حُریت ہے اس بزمِ آب و گِل کی
پھیلی ہوئی جہاں میں تیری ہی روشنی ہے
قرآں میں جس طرح تکمیلِ دیں کی آیت
تو مصحفِ وفا کا وہ حرفِ آخری ہے
زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرنے والے
تیرا ہی نام لے کر دنیا سنبھل رہی ہے
جس فصل میں بھی تیرا ذکرِ وفا ہوا ہے
جاں سوز موسموں میں ٹھنڈی ہوا چلی ہے

صدیوں کے بعد بھی یہ احساس ہو رہا ہے
وہ قتل بھی مرا تھا وہ پیاس بھی مری ہے
جو تجھ سے منسلک ہوں دنیا سے ربط کیسا
یا میری قنبری ہے یا تیری خواجگی ہے
محرومیوں کی دنیا کچھ کربلا سے لے لے
پیاسوں کے تذکرے میں تسکینِ تاری ہے
تو پیکرِ وفا بھی، تو جانِ کربلا بھی
تیری بہادری کی دنیا نے داد دی ہے
تکمیلِ کربلا ہے اتنے سے سن میں اصغرؑ
ننھا سا یہ مجاہد صفین کا علیؑ ہے
اے مشہدِ وفا میں جانیں لٹانے والو!
دنیا تمہارے حق کو تسلیم کر رہی ہے
باطل سرشت دنیا، باقرؔ! سمجھ نہ پائی
نسبت سے کربلا کی آسودہ زندگی ہے

منقبت

یوں رہا ذکرِ علَم شبہہ کے علم دار کے ساتھ
سایہ جس طرح رہا کرتا ہے دیوار کے ساتھ

جانے کس حال میں ہوتا وہ یزیدی لشکر
اذن غازی کو جو ملتا کہیں تلوار کے ساتھ

ہم بغیر ان کے تو زندہ ہی نہیں رہ سکتے
ہم کو رکھے گا خدا عترتِ اطہار کے ساتھ

اُن کے قدموں سے تمسک ہو تو ملتا ہے فراز
جو گیے عرش پہ پہنچی ہوئی پیزار کے ساتھ

شیرِ مادر سے ملی ہم کو مئے حُبِ علیؑ
ہم تو پیدا ہی ہوئے قسمتِ بیدار کے ساتھ

سانس لیتے ہیں تو گل زارِ ابوطالبؑ میں
دل لگاتے ہی نہیں ہم تو خس و خار کے ساتھ

کٹ گئے ہاتھ تو کیا خلد کی پہنائی میں
ہوں گے پرواز کناں جعفرِ طیار کے ساتھ

ہم کو درکار ہے غازی کے پھریرے کی ہوا
اپنا ہے ٹھور ٹھکانہ اسی سرکار کے ساتھ

ماتمی خلد میں بس یوں ہی چلے جائیں گے
علمِ حضرتِ عباسؑ علم دار کے ساتھ

اس طرح کرکے گئے مدحتِ مولا میثم
دار کا ذکر ضروری ہوا کردار کے ساتھ

کیسے کانٹوں میں الجھتا کبھی دامن اپنا
اپنی نسبت ہی رہی گلشنِ بے خار کے ساتھ

جو سمجھتا ہے کہ کافی ہے اُسے صرف کتاب
کیا کوئی بات کرے ایسے سمجھدار کے ساتھ

ہم جہاں بھی رہیں پھیلاتے ہیں خوشبوئے وفا
اپنی خو پھول بدلتے ہیں کہاں خار کے ساتھ

بند ہوتا ہی نہیں بابِ حوائج اُس کا
بڑھتا ہے دستِ عطا دستِ طلب گار کے ساتھ

حشر تک اُٹھ نہیں سکتا کبھی بیعت کا سوال
دفن ہی کردیا شبیرؑ نے انکار کے ساتھ

یہ تو ہمت تھی حسینؑ ابنِ علیؑ کی ورنہ
کوئی مقتل کو گیا ہے کبھی گھر بار کے ساتھ

تم کو توہینِ پیمبرؐ کا بھی احساس نہیں
یار کا لفظ ہو اور احمدِ مختار کے ساتھ

اُمتی جتنے ہیں سب ہیں شہِ والا کے غلام
یاری کس طرح کرے گا کوئی سرکار کے ساتھ

ہوگا محشر میں الگ دشمنِ اولادِ نبیؐ
اپنے چہرے سے جھلکتی ہوئی پھٹکار کے ساتھ

جو علیؑ والا جہاں بھی ہو وہ سر آنکھوں پہ
اپنی نفی ہے تو مولا کے طرف دار کے ساتھ

ہم جناں میں بھی سجائیں گے ولا کی محفل
میثم و مالک و مقداد کے، عمار کے ساتھ

نفرتوں سے ہمیں نفرت ہے محبت سے لگاؤ
ہم کدورت کو مٹا دیتے ہیں ایثار کے ساتھ

اک نظر دیکھ تو لوں اپنے زمانے کا امام
موت آیے نہ مجھے حسرتِ دیدار کے ساتھ

ہم عزاداروں سے یہ تو کبھی ممکن ہی نہیں
یادِ شبیرؑ نہ ہو ذکرِ علم دار کے ساتھ

روپا جاوید کی دعوت تھی تو رکتے کیسے
آگیے بزم میں گل دستۂ اشعار کے ساتھ

منقبت حضرتِ عباسؑ کی باقرؔ نے کہی
حُرمتِ حرف رہی لذّتِ گفتار کے ساتھ

منقبت حضرت علی اکبر علیہ السلام

حضرت علی اکبرؑ

اسلام کے گلشن کو بچایا ہے خزاں سے
کیا کام لیا ہے علی اکبرؑ نے سناں سے

ہم شکلِ پیمبرؐ کی ثنا لکھ تو رہا ہوں
درکار ہیں جو لفظ، وہ لاؤں میں کہاں سے

مرکوز ہیں چہرے پہ جو لیلٰی کی نگاہیں
کیا دیکھ رہی ہیں، یہ نہ پوچھے کوئی ماں سے

اک ماں ہی نہیں چاہنے والی تھی پھوپھی بھی
کتنے جگر اک ساتھ چھدے نوکِ سناں سے

اسلام جوانی تری تا حشر ہے باقی
نسبت ہے تجھے اکبرِ مہ رُو سے جواں سے

دادا نے لیا کام جو تلوار سے اپنی
پوتے نے وہی کام لیا خشک زباں سے

کیا چیز ہے باطل کا فسوں حق نگروں میں
سمجھا دیا اصغرؑ نے تبسم کی زباں سے

پیوست ہے بیدار ضمیروں کے گلوں میں
نکلا ہوا اِک تیر تھا ظالم کی کماں سے

دیکھو ذرا ناکامیِ باطل کا تماشا
دربار ہے گونجا ہوا آوازِ اذاں سے
اس مدح میں دنیا سے نہیں داد کی خواہش
اک حرفِ ستائش علی اکبرؑ کی زباں سے

منقبت حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

منقبت امام زین العابدینؑ

ایک ہی گھر کے ہیں دونوں وہ نبی ہوں کہ امام
یہی بندے ہیں جو آتے رہے اللہ کے کام
سنگ ریزوں نے کیا ان کی ہتھیلی پہ کلام
سنگِ اسود نے کیا پیش انہیں حج میں سلام
کعبہ و حل و حرم سب انہیں پہچانتے ہیں
حجر و شمس و قمر ان کا کہا مانتے ہیں

ہیں یہی سجدہ گزاروں کے امیر و سردار
وارثِ علمِ نبی زہد و عبادت کا وقار
حمد و تسبیح الٰہی میں تھے ہر شب بیدار
گھر کا گھر جن کا ہے معصوم وہ عصمت کردار
گھر میں زہراؑ کے خور و نوش ملی ہے ان کو
تین معصوموں کی آغوش ملی ہے ان کو

مشعلِ حرفِ ہدایت ہے صحیفہ ان کا
زاہد ایسے کلمہ پڑھتا ہے تقویٰ ان کا
روک سکتا تھا کوئی حج میں بھی رستہ ان کا
پڑھا کعبے میں فرزدق نے قصیدہ ان کا
یاد آتا ہے مجھے حسنِ بیانِ غالبؔ
آدمِ آلِ عبا ہیں بہ زبانِ غالبؔ

مناقبِ حضرت امام علی رضا علیہ السلام

قطعات

سب سے کب آلِ محمدؐ کی ثنا ہوتی ہے
یہ سعادت ہے بہ تائیدِ خدا ہوتی ہے
لب پہ آتی ہے مرے مدح امامِ ضامن
ہم نوائی مجھے دعبل کی عطا ہوتی ہے

☆

بہ نصِ آیہِ قرآں ولی ہیں
رضائے حق کی آیاتِ جلی ہیں
صفت ان کی بھی ہے مشکل کشائی
یہ اپنے وقت کے مولا علی ہیں

☆

چپ قافیہ کا حرف رَوی بولنے لگے
ہندی و تُرکی و عجمی بولنے لگے
سندھی کے لب چھوئیں جو امامِ رضا کے ہاتھ
ناواقفِ زباں عربی بولنے لگے

منقبت

شبِ بے چارگی سے روشنیِ صبحِ امکاں تک
نہ جانے کتنی ذلت اور پہنچے گی مسلماں تک

جو آج آیا ہے چل کر محفلِ شاہِ خراساں تک
خدا چاہے تو کل پہنچے گا مشہد کے خیاباں تک

ولی عہدِ امامِ موسیِٰ کاظمؑ کی آمد ہے
رعایا آ گئی ہے محفلِ شاہِ خراساں تک

صبا اٹھکیلیاں کرتی ہوئی آتی ہے، جاتی ہے
بیاباں سے گلستاں تک، گلستاں سے بیاباں تک

نوا سنجی سے بلبل کی فضا میں اک ترنم ہے
ہوا سے جھومتی ہیں شاخ پہ نوخیز کلیاں تک

مجسم ہوگیا نقشِ اسد قالین سے اٹھ کر
مزا ایسی حکومت کا کہاں پہنچا سلیماں تک

نمازِ عید کا مجمع امامت کی معیت میں
شریکِ نعرۂ تکبیر ہیں دشت و بیاباں تک

وہ طوفاں رُک گیا تحریر سے معروفِ کرخی کی
کہ کردیتے ہیں آساں مشکل اس گھر کے درباں تک

کتابیں معتبر خالی نہیں ہیں ان کی مدحت سے
حدیث و فقہ و تاریخ سے غالبؔ کے دیواں تک

رسالت اور امامت ایک ہی فکری تسلسل ہے
حدیبیہ کے منظر سے، حسنؑ کے عہد و پیماں تک

وہ جس کی جنبشِ لب میں حدیث و آیۂ قرآں
معاذ اللہ، اُس کے باب میں الزام ہذیاں تک

زمانہ دیکھ لے، ہوتے ہیں اصحابِ نبیؐ ایسے
دہن میں اپنے جو ثابت نہ چھوڑیں ایک دنداں تک

مسلمانوں کے ایماں کو چلو صفین میں دیکھیں
یہ مکاری سے نیزوں پہ اٹھا لیتے ہیں قرآں تک

سوالِ آب پہ یہ تو جواب تیر دیتے ہیں
مسلماں جن کو کہتے ہو، نہیں ہیں وہ تو انساں تک

ہمارے ہی لہو کی آبیاری سے ہے یہ گلشن
قیامِ کربلا سے، انقلابِ اہلِ ایراں تک

تعصب کا اندھیرا ہو تو دل میں روشنی کیسی
رموزِ مصلحت میں آ کے بک جاتے ہیں ایماں تک

تعصب کی نظر کی زد پہ آیا انقلاب آخر
خریدے جا رہے ہیں مفتیوں کے دین و ایماں تک

خدا آباد رکھے حشر تک اس ارضِ ایراں کو
امامِ عصر بھی تو جائیں گے جد کے شبستاں تک

بہت ہیں منتظر جس کے، وہ وقت اب آنے والا ہے
ہمارا ہاتھ بھی پہنچے گا دشمن کے گریباں تک

ابھی جی کھول کر ہنس لو کہ باقی مرحلے کم ہیں
تمہاری چشمِ گریاں سے، ہمارے روئے خنداں تک

امامِ ضامنِ ثامن کی رہتے ہیں حفاظت میں
مٹا سکتے نہیں ہم کو قیامت خیز طوفاں تک

منقبت

بات کیا ہوگی وہاں اسلام اور ایمان کی
ہو ثنا خوانی جہاں آلِ ابوسفیان کی

گفتگو ہو کس طرح اُس شخص کے ایمان کی
جس نے رکھی ہوں نبی پر تہمتیں ہذیان کی

ہیں تخی ابنِ تخی ابنِ تخی ابنِ تخی
آج بھی فیضِ رواں وسعت ہے دسترخوان کی

نام سے معروفِ کرخی ہی کے طوفاں تھم گیا
منزل دیکھی زمانے نے ترے دربان کی

بادشاہِ وقت کو سُن کے پسینہ آگیا
تھی نمازِ عید کو آمد تری کس شان کی

مدحتِ شاہِ خراساں میں قصیدے سے ترے
اور ہی رفعت ہوئی غالبؔ ترے دیوان کی

اک سرِ مو فرق بھی مشکل ہے اہلِ بیت میں
صورتیں ان سے ملا کر دیکھ لو قرآن کی

میثمِ تمار کے نقشِ قدم کو دیکھ کر
مدحتِ مولا علی ہم نے علی الاعلان کی

جنگِ خیبر میں بہت تھے سورمائی کے لیے
ہاتھ تو کچھ بھی نہ آیا جان الگ ہلکان کی

ہے علیؑ کی ذات ہی مشکل کشائے کائنات
اور کب کس نے کہیں مشکل کوئی آسان کی

الفتِ آلِ نبیؐ نعمت ہے، جھٹلاتا نہیں
میں بھی کرتا ہوں تلاوت سورۂ رحمٰن کی

مناقبِ امامِ زمانہ عجل اللہ فرجہ

قطعات

وہ راہ رو جو کوئی راہ بر نہیں رکھتے
وہ بے خبر ہیں کہ اپنی خبر نہیں رکھتے
نہیں ہے مہرِ امامت کا انتظار جنہیں
وہ شب گزیدہ شعورِ سحر نہیں رکھتے

☆

نہ حشر کا، نہ قیامت کا انتظار کرو
کسی حسین سی ساعت کا انتظار کرو
ستارے ڈوب گیے، صبح ہونے والی ہے
طلوعِ مہرِ امامت کا انتظار کرو

☆

اے خدا مجھ سے جو کہتا ہے مرا دل، کر دے
ان کا چہرہ مری نظروں کے مقابل کر دے
دیکھ کر اُن کو نہ مَیں اور کسی کو دیکھوں
پھر مری آنکھوں کی بینائی کو زائل کر دے

سمجھوں گا میں کہ حُر کا مقدر ملا مجھے
ہو جائے گر نصیب زیارت امام کی
مظلوم انتظار میں بیٹھے ہیں رات دن
صورت کبھی تو نکلے گی کچھ انتقام کی

☆

یوں بھی اعجاز امامت کا دکھا جاتے ہیں
دل میں جو ہوتا ہے اپنے اُسے پا جاتے ہیں
یہ ضروری نہیں ہوتا کہ عریضہ لکھیں
صاحب العصر مدد کے لیے آجاتے ہیں

☆

جس کا دل کو ہے انتظار بہت
وہ سماں چشم دید ہوجائے
آپ اگر زندگی میں آجائیں
دیدہ و دل کی عید ہو جائے

ہر آن گھرا رہتا ہوں خطرے میں قضا کے
پھیلے رہیں کب تک یہ مرے ہاتھ دعا کے
معبود مجھے ایک جھلک اُس کی دکھا دے
رکھا ہے جسے سارے زمانے سے چھپا کے

☆

جلدی جواب دیجیے دل کی پکار کا
کیا اعتبار ہستیِ ناپایدار کا
فی الحال تو یہ ہجر کے صدمے ہیں اور ہم
آپ آئیں گے تو آئے گا موسم بہار کا

☆

New World Order

جب نیا دورِ جام آئے گا
کب کوئی اور کام آئے گا
ساری دنیا تو تب ہی بدلے گی
جب ہمارا امام آئے گا

جن سے میں نے خدا کو دیکھا ہے
اُن نگاہوں سے دیکھ لیتا ہوں
جب بھی ہوتا ہے دیکھنا اُن کو
دل کی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہوں

منقبت

جلدی خیال کیجیے اس انتظار کا
کیا اعتبار ہستیِ ناپایدار کا
کیا اعتبار اس دلِ بے اعتبار کا
میرا ہے اور نہیں ہے مرے اختیار کا
جوشِ جنوں میں جشنِ بہاراں کا نذر ہے
اک ایک تار پیرہنِ تار تار کا
غنچوں کی طرح دل بھی ہوں سارے کھلے ہوئے
مدت سے انتظار ہے ایسی بہار کا
اس عمر میں عروسِ سخن سے یہ چھیڑ چھاڑ
ہم لے رہے ہیں کام خزاں سے بہار کا
یوں نقدِ جاں بنامِ وفا مانگ لیجیے
کرتا ہے کوئی جیسے تقاضہ اُدھار کا
نجرانیوں میں پنجتنِ پاک ہی گئے
جاتا بھی کون، کون تھا اس اعتبار کا
احباب کا ہے پاس تو کہتے نہیں کبھی
گھاٹی کا ہو، پہاڑ کا، قصہ کہ غار کا

اُن کا اثر تو آئے گا جن کی سپاہ ہے
تاریخ پھر لکھے گی فسانہ فرار کا

جن کے دلوں میں زورِ ولائے علیؑ رہے
کیا خوف ہو انہیں کسی دشمن کے وار کا

تم نے تو خوب کی ہیں مٹانے کی کوششیں
ہم پھر بھی ہیں، کرم ہے یہ پروردگار کا

دل ہے کہ انتظار میں بے چین ہے بہت
لیکن شعور بھی تو ہو کچھ انتظار کا

باقرؔ کی منقبت میں ہے تلخی کا امتزاج
میں کیا کروں قلم ہے حقیقت نگار کا

منقبت

ٹوٹ کر چھائی گھٹا ابرِ بہار آ ہی گیا
آج پھر پینے کا موسم خوشگوار آ ہی گیا

بارہویں ساقی کا عہدِ استوار آ ہی گیا
عالمِ ہستی کا آخر تاجدار آ ہی گیا

آخری نائب پہ فضلِ کردگار آ ہی گیا
عالمِ ہستی کا آخر تاجدار آ ہی گیا

کس میں ہمت تھی کہ بڑھ کہ میرا رستہ روکتا
اک عریضہ ڈال کر طوفاں کے پار آ ہی گیا

دامنِ آلِ محمدؐ اور قرآں چھوڑ کر
امتِ مرحوم تجھ میں انتشار آ ہی گیا

انہدامِ قبرِ زہراؑ اور مسلمانوں کے ہاتھ
اعتبار آتا نہیں تھا، اعتبار آ ہی گیا

کربلا کی راہ پہ لے کر چلا جو راہ بر
قوم کو عزت سے جینے کا شعار آ ہی گیا

آخری ہچکی سے منصوبے ملے سب خاک میں
اعتبارِ ہستیِ ناپایدار آ ہی گیا

منقبت

مونسِ خلقِ عام آئیں گے
رہ بر خوش خرام آئیں گے

عشق میں وہ مقام آئیں گے
ہجر ہوگا تمام، آئیں گے

خوب چھلکے گی مے مودّت کی
خوب گردش میں جام آئیں گے

ہوش کب ہوگا دیکھنے کا انھیں
جب وہ بالائے بام آئیں گے

جانے پھر دل کا حال کیا ہوگا
بڑھ کے جب چند گام آئیں گے

موت آجائے گی اندھیروں کو
روشنی کے پیام آئیں گے

جن سے روشن ہے جادۂ ہستی
وہی ماہِ تمام آئیں گے

نام وہ ہے کہ سب درود و سلام
حشر تک ان کے نام آئیں گے

ہر مصیبت میں نام لو اُن کا
ہر مصیبت میں کام آئیں گے

جب عریضہ مرا ملے گا انھیں
دل کو دل سے پیام آئیں گے

ظلم سہہ سہہ کے مرنے والوں کو
زندگی کے سلام آئیں گے

العجل، العجل پکاروں گا
خوش قدم تیز گام آئیں گے

اُن کی فہرستِ جاں فروشاں میں
خوش نصیبوں کے نام آئیں گے

راستے بند اور کوئی نہ آئے
اب ہمارے امام آئیں گے

مدحِ مولا میں منقبت پڑھنے
شاعرانِ کرام آئیں گے

ہم بھی ہیبت سے کانپتے، باقر!
لیتے مولا کا نام آئیں گے

منقبت

ہم روز مانگتے ہیں دعائیں قرار کی
آخر کبھی تو دیکھیں گے صورت بہار کی

اک نائب امام کا دیکھا ہے انقلاب
دیکھیں جھلک امام کے بھی اقتدار کی

بندہ جو بوتراب کا جائے گا خاک میں
کس طرح ہوگی قبر کو ہمت فشار کی

اس سے تو حشر تک بھی پنپنے سے ہم رہے
اپنی صفوں میں شکل ہے جو انتشار کی

ظاہر میں پاک صاف ہیں، اُجلے ہیں تن کے ہم
پر آپ کو خبر ہے دلوں کے غبار کی

جس میں کسی سے ہو نہ لڑائی کا احتمال
ہم نے ہمیشہ راہ وہی اختیار کی

میرے گناہ کم ہیں مری ہی بساط سے
کچھ حد نہیں ہے رحمتِ پروردگار کی

مسجد کے مدرسوں میں ہے آلِ نبیؐ سے بغض
کرتے ہیں منہدم جو ہو مسجد ضرار کی

ظالم سے باز پُرس مری زندگی میں ہو
دیکھوں ادائیں مَیں بھی ذرا ذوالفقار کی

سارے جہاں کے دُکھڑے عریضے میں کیا لکھوں
اُن کو تو سب خبر ہے مرے حالِ زار کی

اِک صرف مَیں ہو اور وہاں پہ کوئی نہ ہو
جب ہو طلب اُنہیں کسی خدمت گزار کی

پھر ساری عمر اُن کے ہی ہو کے رہیں گے ہم
مل جائے ہم کو دید فقط ایک بار کی

صدیوں سے آپ کا ہے زمانے کو انتظار
کیا حشر سے ملی ہیں حدیں انتظار کی

آتے ہیں آپ اور نہ آتی ہے موت ہی
"حد ہوگئی خدا کی قسم انتظار کی"

منقبت

محبتوں میں بھی شدّت نہیں، تو کچھ بھی نہیں
عدو سے ان کے عداوت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

یہ جشنِ عیدِ ولادت امامِ عصرؑ کا ہے
ہر ایک دل میں مسرت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

مَیں نام لوں تو عقیدت سے ہونٹ کانپ اٹھیں
یہ میرے نطق کی صورت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

سُنا ہے علم تو ہے ہی وراثتِ مومن
اگر حصولِ وراثت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

عریضہ لکھنے سے پہلے جواب مل جائے
اگر یہ زورِ عقیدت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

ہزار دعوے کرے کوئی خوش نصیبی کے
جو حُر نے پائی وہ قسمت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

اجل جب آئے زباں سے علی علی نکلے
جو دل میں اتنی محبت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

کسی بھی نام سے سچائیوں کو نسبت ہو
مباہلے کی صداقت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

یہی تو گھر ہے جہاں شہرِ علم کا دَر ہے
سوا اہلِ بیت سے نسبت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

ولائے حضرتِ حجتؑ ہے گر تو سب کچھ ہے
ولائے حضرتِ حجتؑ نہیں، تو کچھ بھی نہیں

غدیر ہو، شبِ ہجرت ہو، ذوالعشیرہ ہو
خدا کی دی ہوئی عزت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

غمِ حسینؑ سلامت تو خلد و کوثر و حور
بس ایک اشک کی قیمت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

ہر ایک دل میں ولائے ولیِ عصرؑ کہاں
اگر نسب میں شرافت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

مجھے کہے کوئی شاعر تو بس انہیں کا کہے
جوان کے نام سے شہرت نہیں، تو کچھ بھی نہیں

منقبت

ہے عیدِ ماہِ نیمۂ شعباں کہاں کہاں
ہے انتظارِ صاحبِ دوراں کہاں کہاں
بدلا ہے رنگِ نظمِ گلستاں کہاں کہاں
ہے آمدِ بہار کا امکاں کہاں کہاں

کافر کہاں کہاں ہیں، مسلماں کہاں کہاں
گلشن کہاں کہاں ہیں، بیاباں کہاں کہاں
باطل سے اہلِ حق ہیں ہراساں کہاں کہاں
پنہاں کہاں کہاں ہیں، نمایاں کہاں کہاں

دولت کے بدلے رہن ہیں ایماں کہاں کہاں
حائل ہوئی ہے تنگیِ داماں کہاں کہاں
کرتے ہیں ظلم دشمنِ ایماں کہاں کہاں
ہوگا ہمارے قتل کا ساماں کہاں کہاں

لایا ہے رنگ خونِ شہیداں کہاں کہاں
کھلتے ہیں فکرِ نو کے دبستاں کہاں کہاں
طاقت کے منہ پہ تھوک دیا انقلاب نے
آئی ہے کام قوتِ ایماں کہاں کہاں

اس قومِ بے سپاہ کے بچے عجیب تھے
حیراں ہوا ہے دیدۂ حیراں کہاں کہاں

اسلام کے بدن میں حرارت ہمیں سے ہے
ہم نے دیا ہے خونِ رگِ جاں کہاں کہاں

پھر سر اُٹھا رہی ہیں یزیدی سیاستیں
انسانیت ہے سر بہ گریباں کہاں کہاں

نفرت کے، انتشار کے اور سازشوں کے جال
پھیلا رہا ہے وقت کا شیطاں کہاں کہاں

کوفے میں کربلا میں دمشق و حجاز میں
بِکتا رہا ضمیرِ مسلماں کہاں کہاں

دربار میں یزید کے بازارِ شام میں
کچلی گئی حمیّتِ انساں کہاں کہاں

گفتار سے عقیدہ و ایماں بھی کھل گئے
مہنگی پڑی ہے تہمتِ ہذیاں کہاں کہاں

منقبت

نوعِ بشر کے عقدہ کشا آ بھی جایئے
انسان بن گئے ہیں خدا آ بھی جایئے

ہر منتظر ہے محوِ دعا آ بھی جایئے
کب تک ہو انتظار بھلا، آ بھی جایئے

بجھتا ہے زندگی کا دیا، آ بھی جایئے
اس ہجر نے تو مار دیا، آ بھی جایئے

دنیا و دیں ہیں آپ کی آمد کے منتظر
دنیا و دیں کی وجہِ بقا، آ بھی جایئے

پھر سر اُٹھائے پھرتی ہیں باطل کی قوتیں
بدلی ہوئی ہے کب سے فضا، آ بھی جایئے

تقسیم کے عمل سے پریشاں ہیں ملتیں
باقی نہیں ہیں مہر و وفا، آ بھی جایئے

مظلوم آج بھی نہیں پاتا ہے دادِ ظلم
ظالم کو آ کے دیجے سزا، آ بھی جایئے

ہر سانس اک اکائی ہے اب انتظار کی
سانسوں کا اعتبار ہی کیا، آ بھی جایئے

فتووں کی مفتیوں نے دکانیں سجائی ہیں
ہر راہ زن ہے راہ نما، آ بھی جایئے

صدیوں کے انتظار کا حاصل تو ہو نصیب
پردہ اُٹھا کے بہرِ خدا، آ بھی جایئے

دم گھٹ رہا ہے آپ کے بیمارِ ہجر کا
دامن کی آ کے دیجے ہوا، آ بھی جایئے

کب سے خزاں ہے گلشنِ ہستی میں خیمہ زن
جشنِ بہار پھر ہو بپا، آ بھی جایئے

اچھی ردیف رکھی ہے اربابِ فکر نے
ہر شعر دے رہا ہے صدا آ بھی جایئے

باقرؔ! امامِ عصرؑ کی خدمت میں عرض کر
حرفِ سخن تمام ہوا، آ بھی جایئے

منقبت

پھر آج کائنات میں جشنِ بہار ہے
مائل بہ لطف رحمتِ پروردگار ہے

موسم بہار کا ہے، فضا خوشگوار ہے
وہ بدنصیب ہے جسے پینے میں عار ہے

ہر اک نفس کی آمد و شُد کی پکار ہے
مولا اب آیئے کہ بڑا انتشار ہے

ساقی مئے ولائے علی تُند ہے بہت
پی تھی غدیرِ خُم میں ابھی تک خُمار ہے

میں بندۂ خدا ہوں، علیؑ کا غلام ہوں
ٹھوکر میں میری گردشِ لیل و نہار ہے

ایمان غیب پر ہمیں لائے ہیں، دوستو!
دیکھا نہیں جسے، اُسی ہستی سے پیار ہے

کچھ ہم نشینیوں سے بدلتی نہیں روش
ٹہنی پہ پھول کی ہے مگر خار خار ہے

ان کا یزیدیوں سے تعلق ضرور ہے
ذکرِ حسینؑ جن کی طبیعت پہ بار ہے

منقبت

جس کے دل میں وہ جانِ جاں آئے
دُوسرا پھر کوئی کہاں آئے

جب پکارا جہاں، وہاں آئے
کام میرے کہاں کہاں آئے

اہلِ دل کا مزاج داں آئے
تب کہیں لطفِ داستاں آئے

کشتِ امید نارساں آئے
واقفِ حالِ بے کساں آئے

زینتِ بزمِ این و آں آئے
رنگ بکھرائے کہکشاں آئے

رفعتیں جھک کے کر رہی ہیں سلام
آسمانوں کے آسماں آئے

ان کے حسنین ہیں، علی ان کے
وارثِ کوثر و جناں آئے

کعبہ ان کا مکاں ہے آبائی
جد انہیں کے تھے جو یہاں آئے

مشہد و کربلا، مدینہ، نجف
ہم کہاں سے چلے، کہاں آئے

ہم زباں قافیہ، ردیف ہوئے
مل کے کہتے ہیں دونوں، ہاں آئے

یہ سلامی، یہ حاضری ہو قبول
دُور دیسوں سے مدح خواں آئے

اُن کی آمد کی جو منادی دے
وہ صدا زیرِ آسماں آئے

جو گواہی دے اُن کے آنے کی
صحنِ کعبہ سے وہ اذاں آئے

وقت صدیوں سے انتظار میں ہے
اب تو وہ صاحبِ زماں آئے

فوج ہے دشمنوں کی چاروں طرف
کوئی تو یارِ مہرباں آئے

ظلم سے پس رہی ہے خلقِ خدا
وہ جو آئے، تو جاں میں جاں آئے

ظالموں کے لہو کی بارش ہو
سُرخیِ رنگِ داستاں آئے

حق تو حق دار ہی کو ملنا ہے
آخری حق کا پاسباں آئے

خضر کی عمر رشک کرتی ہے
گزرے صدیوں سے نوجواں آئے

سب خزانے زمیں اُلٹ دے گی
آخری والیِ جہاں آئے

منزلیں آپ چل کے آئیں گی
بس ذرا میر کارواں آئے

آخری ہے جو چودہواں معصوم
وہ امام اپنا بارہواں آئے

ہر جگہ انتظار ہے اُس کا
اس کی مرضی ہے وہ جہاں آئے

جن دلوں میں بہار قائم ہو
ان میں فصلِ خزاں کہاں آئے

کس طرح ہو سکے ثنا اس کی
نہ زباں آئے، نہ بیاں آئے

ہیں ابھی گھر میں اس لیے، باقرؔ!
جن کو آنا ہے، وہ کہاں آئے

منقبت

کمالِ حسنِ عقیدت ہے ان کے نام کے ساتھ
کہ دل کے ساتھ جھکے سر بھی احترام کے ساتھ

چلوں گا میں بھی اسی عصرِ خوش خرام کے ساتھ
کبھی امام کے پیچھے، کبھی امام کے ساتھ

مرا نصیب کہ میری شناخت ان سے ہے
بڑا کرم ہے یہ آقا کا اس غلام کے ساتھ

طوالتِ شبِ ہجراں گراں بہت گزری
جلا ہے دل بھی ہمارا، چراغِ شام کے ساتھ

بسا ہوا ہے نگاہوں میں اک جزیرہ سا
ہمیں وہ حسنِ تعلّق ہے اس امام کے ساتھ

قرانِ نور ہے یہ حُسنِ نیمہِ شعباں
طلوعِ مہرِ امامت مہِ تمام کے ساتھ

جو منفرد ہو اُسے منفرد ہی رکھتے ہیں
کسی کا نام نہ لینا علیؑ کے نام کے ساتھ

ترے نصیب سے ظلمت نکل نہیں سکتی
کہ تیرا دل ہے ابھی تک امیرِ شام کے ساتھ

مشاعروں کو جو دیکھا تو یہ کھلا، باقرؔ!
کہ حسنِ صوت بھی ہو خوبیِ کلام کے ساتھ

سلام

ترتیب

جو شہیدوں کا غم نہیں رکھتے	۳۴۸
زندگی نے زندگی پائی ارادہ دیکھ کر	۳۴۹
مری نگاہ میں اربابِ مقتدر تو نہیں	۳۵۱
دل نے درِ حسینؑ کا سائل بنا دیا	۳۵۲
اہلِ ولا سے قبل تو قامتِ حرف ہی نہ تھی	۳۵۵
جو اپنی جان کو حق پر فدا نہیں کرتے	۳۵۶
ذکرِ غمِ حسینؑ میں جو اشک بار ہے	۳۵۸
انھیں کے ہیں کسی چوکھٹ پہ سر نہیں رکھتے	۳۵۹
سب اپنے جاں نثاروں میں یکتا بنا دیا	۳۶۱
نمازِ عصر میں سبطِ پیمبرؐ یاد آتے ہیں	۳۶۲
مرا مقام سیادت مری نگاہ میں ہے	۳۶۳
بیاں ذکرِ شہادت کر رہا ہوں	۳۶۴
ذکرِ شاہِ امام کرتے ہیں	۳۶۵
فصلِ عزائے شاہِ شہیداں نظر میں ہے	۳۶۶
یہ عز و افتخار مرے گھر ہے آج بھی	۳۶۷
یہ زندگی تو ہے موقوف کربلا کے لیے	۳۶۸

ہر ایک ذات تو معیارِ حق نما میں نہیں	۳۶۹
دل علیؑ کے عشق میں سرشار ہے	۳۷۰
جہاں ذکرِ تشنہ لباں کر دیا	۳۷۱
سلام لکھنے کی توفیق جب عطا ہوگی	۳۷۲
ظرف زمیں میں ہے نہ کہیں آسماں میں ہے	۳۷۳
ورثہ دارِ شرفِ میثمِ تمار ہیں ہم	۳۷۵

سلام

جو شہیدوں کا غم نہیں رکھتے   کچھ خدا کی قسم نہیں رکھتے
جہاں ذکرِ علیؑ نہیں ہوتا   ہم وہاں پہ قدم نہیں رکھتے
چل رہے ہیں علیؑ کے جادے پہ   راہ میں پیچ و خم نہیں رکھتے
جس نے زہراؑ کا دل دکھایا ہو   ہم اُسے محترم نہیں رکھتے
جو نہ کرتے ہوں ذکرِ آلِ نبیؐ   وہ زباں، وہ قلم نہیں رکھتے
کر رہے ہیں حسینؑ کا ماتم   ہم کوئی اور غم نہیں رکھتے
آگے بڑھتے ہیں یا علیؑ کہہ کر   کبھی پیچھے قدم نہیں رکھتے
ہم نے یاروں کو خوب دیکھا ہے   دوستی کا بھرم نہیں رکھتے
جن کا مولا ہو بت شکن، وہ لوگ   آستیں میں صنم نہیں رکھتے
ان کا دشمن کہیں بھی، کوئی بھی ہو   کوئی کام اُس سے ہم نہیں رکھتے

جو علیؑ کے ہیں ماننے والے
بستیوں میں وہ بم نہیں رکھتے

سلام

زندگی نے زندگی پائی ارادہ دیکھ کر
موت کو موت آگئی اصغرؑ کو ہنستا دیکھ کر

جوئے خوں آنکھوں سے بہہ جاتی ہے دریا دیکھ کر
کچھ جلے خیمے نظر آتے ہیں صحرا دیکھ کر

اس طرح اسلام اٹھا دیکھ کر روئے حسینؑ
جس طرح بیمار جی اٹھے مسیحا دیکھ کر

انتخابِ زوجِ زہراؑ پر تعجب کس لیے
بیاہتے ہیں بیٹیاں اچھے سے اچھا دیکھ کر

وہ ترے معیار پر پورا اتر سکتا نہیں
رحم جو کھاتا نہیں قاتل کو پیاسا دیکھ کر

کربلا کا سارا پس منظر ابھر کر آگیا
کربلا کے بعد دینِ حق کو زندہ دیکھ کر

اپنے اپنے لعل سب نے کردیے نذرِ اجل
دل دہل جاتا ہے ماؤں کا کلیجہ دیکھ کر

صابر و شاکر کوئی شبیرؑ سا ممکن نہیں
شکر کے سجدے کرے بیٹے کا لاشہ دیکھ کر

یادِ پیغمبرؐ میں اتنے محو ہوتے ہیں حسینؑ
وجد آجاتا ہے اکبرؑ کا سراپا دیکھ کر

دل کی حالت ہم کبھی ان سے بیاں کرتے نہیں
دل میں کیا ہے، وہ سمجھ لیتے ہیں چہرہ دیکھ کر

قبر میں بھی ساتھ ہو، باقرؔ! یہی قندیلِ غم
تیرگی کافور ہوتی ہے اُجالا دیکھ کر

سلام

مری نگاہ میں اربابِ مقتدر تو نہیں
علیؑ کے در کا گدا ہوں، مَیں کم نظر تو نہیں

زمانے بھر میں کوئی حُر سا حق نگر تو نہیں
اُدھر تھا حق تو اِدھر آ گیا، اُدھر تو نہیں

جو حق کو چھوڑ کے باطل کے آگے جھک جائے
وبالِ دوش ہے، وہ آدمی کا سَر تو نہیں

سب اعتبار کی دولت یہیں سے ملتی ہے
جو ان کے ساتھ نہیں ہے، وہ معتبر تو نہیں

مَیں اُس سے ملتا ہوں جس میں یہ دیکھ لیتا ہوں
علیؑ کے باب میں کوئی اگر مگر تو نہیں

جو خوں میں ڈوب کے گزرے ہیں بس وہ گزرے ہیں
یہ کربلا ہے، کوئی عام رہ گزر تو نہیں

غمِ حسینؑ جہاں ہو ہمارا مسکن ہے
غمِ حسینؑ جہاں پہ نہ ہو، وہ گھر تو نہیں

نویدِ فتح کا ضامن ہے نعرۂ حیدر
جہاں انہیں نہ پکارو، وہاں ظفر تو نہیں

ہمارا خون ہے پھر اور عصرِ نو کے یزید
ہم اپنے حال سے ایسے بھی بے خبر تو نہیں

وہ آفتابِ امامت ہے قید خانے میں
اب اہلِ شام کی تقدیر میں سحر تو نہیں

ادب سے بیٹھ کہ تُو مجلسِ حسینؑ میں ہے
یہ بارگاہِ امامت ہے، تیرا گھر تو نہیں

سلام

دل نے درِ حسینؑ کا سائل بنا دیا
اس زندگی کو فخر کے قابل بنا دیا

بے حبِ اہلِ بیت مکمل نہیں تھا میں
اس مدحِ اہلِ بیت نے کامل بنا دیا

اس طرح اختیار کیا حق حسینؑ نے
باطل کے اختیار کو باطل بنا دیا

لینا ہے علمِ آلِ محمدؐ کے غیر سے
اس ضد نے ایک قوم کو جاہل بنا دیا

رکتے تھے ایک ساتھ، دھڑکتے تھے ایک ساتھ
کتنے دلوں کو شاہ نے اک دل بنا دیا

تقلیدِ اہلِ بیتؑ میں آساں تھی زندگی
یاروں نے جان بوجھ کے مشکل بنا دیا

یہ صبر صرف آلِ محمدؐ کا ظرف تھا
اپنی مصیبتوں کو فضائل بنا دیا

تھا ناخدائے کشتیِ دیں خدا حسینؑ
طوفانِ تند و تیز کو ساحل بنا دیا

قتلِ حسینؑ پہ بھی یزیدی نہیں رُکے
بیمار کو اسیرِ سلاسل بنا دیا

مقصودِ کربلا نہیں، رستہ ہے کربلا
ہم نے تو رہِ گزر ہی کو منزل بنا دیا

کر کے قبول آپ نے باقرؔ کا یہ سلام
شاعر کو اعتبار کے قابل بنا دیا

سلام

اہلِ ولا سے قبل تو قامتِ حرف ہی نہ تھی
عشق تھا، قنبری نہ تھی، صدق تھا، بوذری نہ تھی

معرفتِ خدا بھلا شیخ کو ہوتی کس طرح
معرفتِ نبیؐ نہ تھی، معرفتِ علیؑ نہ تھی

قبضے میں کر کے شیر کیوں اپنا شکار چھوڑتا
ساتھ جہادِ نفس تھا، صرف سپہ گری نہ تھی

وقت پہ ثبت ہوگیا، حُر نے کیا وہ فیصلہ
بگڑی کسی نصیب کی ایسی کبھی بنی نہ تھی

کس نے بجھا کے اِک دیا، نور دلوں میں بھر دیا
جلتے ہوئے چراغ میں ایسی تو روشنی نہ تھی

حُبِّ علیؑ سے پیش تر، بغضِ معاویہ سے قبل
دوستی نہ تھی، دشمنی نہ تھی

ذکرِ حسینؑ اصل میں وجہِ حیات بن گیا
ورنہ یہ ساری زندگی، عمر تھی زندگی نہ تھی

باقرِ خستہ حال پہ، مولا کا فضل ہوگیا
راہِ سفر میں شاعری ایسے کبھی ہوئی نہ تھی

سلام

جو اپنی جان کو حق پہ فدا نہیں کرتے
وہ پیروی شہِ کربلا نہیں کرتے

ہم اپنے سارے فرائض ادا نہیں کرتے
مگر نمازِ مودّت قضا نہیں کرتے

وہ جو بھی ہیں، مرے مولا کے نام لیوا ہیں
نصیریوں سے بھی ہم دل بُرا نہیں کرتے

وہ لغزشوں میں بھی آخر سنبھل ہی جاتے ہیں
پکار لیں جو علیؑ کو، گرا نہیں کرتے

صراطِ دیں میں تو عصمت کی شرط لازم ہے
گناہ گار کو ہم رہ نما نہیں کرتے

ہے ذکرِ آلِ محمدؐ خمیر میں شامل
کسی کا اور کبھی تذکرہ نہیں کرتے

غمِ حسینؑ کو دل سے لگا کے رکھتے ہیں
یہی وہ درد ہے جس کی دوا نہیں کرتے

ہو مصلحت تو وفاداریاں بدل ڈالیں
یہی تو کام ہم اہلِ عزا نہیں کرتے

زبان و گوش کبھی معتبر نہیں ہوتے
غمِ حسینؑ کا گر حق ادا نہیں کرتے

جوان بیٹے کا لاشہ اُٹھا رہے ہیں حسینؑ
مگر کسی کے لیے بددعا نہیں کرتے

سلام

ذکرِ غمِ حسینؑ میں جو اشک بار ہے
اُس آنکھ پر عنایتِ پروردگار ہے

فیضِ غمِ حسینؑ سے حاصل قرار ہے
یہ غم ہمارا سب سے بڑا غم گسار ہے

کچھ یوں کھلے حسینؑ ترے کربلا میں پھول
اسلام کے چمن میں انہیں سے بہار ہے

محشر میں وہ رسولؐ کو کیا منہ دکھائیں گے
ذکرِ حسینؑ جن کی طبیعت پہ بار ہے

ہر انجمن میں ہوتے ہیں اچھے بُرے سبھی
ٹہنی پہ پھول کی ہے مگر خار ہے

باطل کا تذکرہ ہو تو چلتا نہیں کبھی
باقرؔ ترا قلم ہی حقیقت نگار ہے

سلام

اُنہیں کے ہیں کسی چوکھٹ پہ سَر نہیں رکھتے
جبیں ہے ایک تو وہ سنگِ در نہیں رکھتے

کھلی ہے سب کے لیے مجلسِ عزائے حسینؑ
ہم اس مکان میں دیوار و در نہیں رکھتے

جنہیں فضائلِ حیدر نظر نہیں آتے
وہ آنکھ رکھتے ہیں لیکن نظر نہیں رکھتے

درِ علومِ محمدؐ سے نسبتوں کی قسم
ہم ان کے ہیں جو ہمیں در بدر نہیں رکھتے

وہیں رکھا اُسے جس کا خمیر جیسا تھا
اِدھر کی چیز اُٹھا کر اُدھر نہیں رکھتے

ظہورِ حضرتِ حجّتؑ نہ جانے کب ہوگا
کہ ہم تو عمرِ مسیحؑ و خضرؑ نہیں رکھتے

جو اپنا جیسا ہی خیر البشر کو سمجھے ہیں
وہ پاسِ عظمتِ خیر البشر نہیں رکھتے

ہمارے گھر کا تو مقصود ہے عزائے حسینؑ
صفِ عزا نہ ہو جس میں وہ گھر نہیں رکھتے

فقیہِ شہر کی فتویٰ فروشیوں کی قسم
یہ وعظ و پند و نصیحت اثر نہیں رکھتے

جو کٹ کے بھی نہیں جھکتے وہ سَر ہمارے ہیں
فرازِ نیزہ سے نیچے تو سَر نہیں رکھتے

حسینؑ کا درِ دولت جنہیں نہیں ملتا
وہ بدنصیب ہیں زادِ سفر نہیں رکھتے

سلام

سب اپنے جاںنثاروں میں یکتا بنا دیا
حُر کیا تھا، دیکھیے تو سہی کیا بنا دیا

پانی نہ پی کے نہر پہ قبضے کے بعد بھی
غازی نے اپنی پیاس کو دریا بنا دیا

ذکرِ غمِ حسینؑ عبادت سے کم نہیں
فرشِ عزا کو جس نے مُصلّا بنا دیا

عباسؑ کربلا میں علیؑ کی مثال تھے
زینبؑ کو حق نے ثانیِ زہراؑ بنا دیا

جب بھی سپاہِ درد ہماری طرف بڑھی
ہم نے غمِ حسینؑ کو قلعہ بنا دیا

اس غم نے ہم کو ایک تشخص عطا کیا
اس آئنے میں قوم کا چہرہ بنا دیا

سفیانیوں کی آنکھ کا تارا یزید ہے
دینِ خدا کو جس نے تماشہ بنا دیا

سلام

نمازِ عصر میں سبطِ پیمبرؐ یاد آتے ہیں
اذانِ صبح سنتا ہوں تو اکبرؑ یاد آتے ہیں

وہی صورت، وہی سیرت، وہی ظاہر، وہی باطن
پسر کو دیکھ کر شبہہ کو پیمبر یاد آتے ہیں

جواں بھائی سے ہوتی ہے بہن کو ہر گھڑی ڈھارس
وطن میں فاطمۂ صغرا کو اکبر یاد آتے ہیں

شرف میں امتیازِ سال و سن معنی نہیں رکھتا
علیؑ اصغر، علیؑ اکبرؑ برابر یاد آتے ہیں

مری چشمِ تصور ہے کہ اکثر خوں رُلاتی ہے
سنانوں پہ شہیدوں کے کٹے سَر یاد آتے ہیں

ذرا اِن کربلا والوں سے دل کا ربط تو دیکھو
خوشی میں اور غم میں جو برابر یاد آتے ہیں

سلام

مرا مقام سیادت مری نگاہ میں ہے
کہ نسل نسل شرافت مری نگاہ میں ہے

شریکِ عزم ہے، اے نفس، تُو گواہی دے
کہ میرا بارِ امانت مری نگاہ میں ہے

نہ جانے کتنے ولی ہیں، مجھے نہیں معلوم
غدیرِ خم کی ولایت مری نگاہ میں ہے

فدک ہو یا درِ زہراؑ ہو، کربلا ہو کہ شام
بڑے بڑوں کی شرافت مری نگاہ میں ہے

نبیؐ کے بعد خلافت کے رنگ کیوں دیکھوں
علیؑ کا عہدِ امامت مری نگاہ میں ہے

وہ بعدِ قتل اسیری، وہ ثانیِ زہراؑ
شریکِ کارِ امامت مری نگاہ میں ہے

برہنہ پا وہ اسیرانِ کربلا کا سفر
وہ راستہ، وہ مسافت مری نگاہ میں ہے

لرز گیا سرِ دربار، زعمِ کج کلہی
علیؑ کا طرزِ خطابت مری نگاہ میں ہے

سلام

بیاں ذکرِ شہادت کر رہا ہوں
علاجِ آدمیت کر رہا ہوں

کہاں ممکن تری توصیف، مولا
ترے قنبر کی مدحت کر رہا ہوں

ادا اجرِ رسالت ہو رہا ہے
مودّت کی عبادت کر رہا ہوں

ابوذر کی قسم مجرم ہوں مَیں بھی
کہ سچ کہنے کی جرأت کر رہا ہوں

محبت کا تقاضا تو یہی ہے
ترے دشمن سے نفرت کر رہا ہوں

غمِ شبہ سے تو ہے پہچان میری
غمِ شبہ کی حفاظت کر رہا ہوں

بسی ہے کربلا آنکھوں میں میری
میں ہر لحظہ زیارت کر رہا ہوں

شہِ مظلوم سے نسبت ہے مجھ کو
میں ہر ظالم سے نفرت کر رہا ہوں

مَیں کہہ کر مدح کے اشعار، باقرؔ!
منافع کی تجارت کر رہا ہوں

سلام

ذکرِ شاہِ امام کرتے ہیں
ہم بھی اک کام کرتے ہیں

مجلسیں درس ہیں اخوت کا
ہم محبت کو عام کرتے ہیں

یوں بھی حجت تمام ہوتی ہے
سنگ ریزے کلام کرتے ہیں

سارا گھر ہے درود میں شامل
سارے گھر کو سلام کرتے ہیں

آ رہی ہے رسولؐ کی آواز
علی اکبرؑ کلام کرتے ہیں

کھل کے سفیانیت جب آتی ہے
تب حسینی قیام کرتے ہیں

آنکھ میں اشک ہیں، دعا لب پہ
انتظارِ امام کرتے ہیں

جو ترا حق تجھے نہیں دیتے
اپنی روزی حرام کرتے ہیں

سلام

فصلِ عزائے شاہِ شہیداں نظر میں ہے
اک کائناتِ درد مری چشمِ تر میں ہے

وہ گردشِ زمانہ سے محفوظ ہوگیا
فرشِ عزائے سبطِ نبی جس کے گھر میں ہے

ذکرِ غمِ حسینؑ کا روشن ہے آفتاب
مجلس میں جو گیا وہ حصارِ سحر میں ہے

جیسے خدا کی تم کو طلب ہے نصیریو!
اِک طفل اُس مزاج کا خالق کے گھر میں ہے

اے جوئے انقلاب، خمینی کی راہ چل
منزل کا اعتبار اسی رہ گزر میں ہے

راحت رساں ہے ذکرِ شہیدانِ کربلا
جو مجلسِ حسینؑ میں ہے، اپنے گھر میں ہے

یہ بھی ہے فیضِ ذکرِ شہِ مشرقین کا
باقرؔ کا ذکر محفلِ اہلِ ہنر میں ہے

سلام

یہ عزّ و افتخار مرے گھر ہے آج بھی
لب پہ ثنائے آلِ پیمبر ہے آج بھی

تائیدِ حرفِ سورۂ کوثر ہے آج بھی
دشمن جو کل تھا ان کا، وہ ابتر ہے آج بھی

دل میں جو حبِّ ساقیِ کوثر ہے آج بھی
میرا مشامِ شوق معطّر ہے آج بھی

سارا جہاں بنا ہوا خیبر ہے آج بھی
اسلام کو ضرورتِ حیدرؑ ہے آج بھی

نامِ یزید داخلِ دشنام ہوگیا
ذکرِ حسینؑ سب کی زباں پہ ہے آج بھی

سلام

یہ زندگی تو ہے موقوف کربلا کے لیے
کہ اپنی فکرِ رسا وقف ہے رثا کے لیے

یہ طرزِ فکر ضروری ہے اب بقا کے لیے
ہمیں نہیں ہیں ہر اک عہد میں جفا کے لیے

قلم اُٹھایا ہے شبیرؑ کی ثنا کے لیے
کوئی تو کام ہو خوشنودیِ خدا کے لیے

یہ وہ قلم ہے کسی نے رسولؐ کو نہ دیا
سو ہم نے رکھا ہے تائیدِ مصطفیٰؐ کے لیے

ابھی سے بھر دیا مولا نے دامنِ سائل
ابھی تو ہاتھ اُٹھے بھی نہ تھے دُعا کے لیے

محبتوں سے ہیں سرشار ہم علیؑ والے
ولا ہمارے لیے ہے تو ہم ولا کے لیے

علیؑ ہوں یا ابوطالبؑ کہ حضرتِ عباسؑ
یہی گھرانا ہے مخصوص بس وفا کے لیے

گدازِ دل کو یہی ایک نام کافی ہے
حسینؑ کہہ کے تو دیکھو کبھی خدا کے لیے

سلام

ہر ایک ذات تو معیارِ حق نما میں نہیں
مباہلے میں نہیں ہے جو ہل اتیٰ میں نہیں

نصیریوں کا خدا خود بھی اِک موحِّد ہے
یہ وصفِ خاص کسی دوسرے خدا میں نہیں

رکھوں میں اور کسی سنگِ در پہ اپنی جبیں
مری سرشت، مری خو، مری انا میں نہیں

علی کا لہجہ، حدیثِ رسولؐ وحیِ خدا
ہے کیا جو سیّدِ سجاد کی دعا میں نہیں

علی کے ساتھ ہے حق اور حق کے ساتھ علی
یہ بات اور کسی مردِ باخدا میں نہیں

ترا جواب کہاں ہے خلیلِ کرب و بلا
جو کربلا میں ہے ایثار وہ منیٰ میں نہیں

سلام

دل علی کے عشق میں سرشار ہے
کیا مقامِ میثمِ تمار ہے

دشمنوں کو ایک ہی آزار ہے
ذکرِ اہلِ بیت اِن پہ بار ہے

ذکرِ اہلِ بیت اور ہم چھوڑ دیں
کل بھی تھا اور آج بھی انکار ہے

جو نہیں سمجھا ہے اوصافِ علی
ذہن ہی اُس شخص کا بیمار ہے

وہ کبھی میدان سے بھاگا نہیں
جس کا مولا حیدرِ کرار ہے

بادشاہوں سے جو نفرت ہے ہمیں
وجہِ نفرت شام کا دربار ہے

چھاؤں میں رہتے ہیں اربابِ عزا
پرچمِ عباسؑ سایہ دار ہے

زندگی ذلت کی جو چاہے سو لے
موت عزت کی ہمیں درکار ہے

اپنی کشتی ڈوب سکتی ہی نہیں
ناخدا آتا ہے، بیڑا پار ہے

اس کو ڈھا دینے میں ہے سب کی نجات
درمیاں جو ضد کی اک دیوار ہے

فوج ہے منبر نشینوں کی مگر
کون کتنا صاحبِ کردار ہے

سلام

جہاں ذکرِ تشنہ لباں کردیا　　رواں درد کا کارواں کردیا
تحیّر میں سارا جہاں کردیا　　یہ حُر کو کہاں سے کہاں کردیا
نہ پوچھو وہ لطفِ نگاہِ حسینؑ　　جسے چھو لیا جاوداں کردیا
تہِ تیغ سجدے میں کیوں تھے حسینؑ　　اذانوں نے مقصد عیاں کردیا
وہ نعلین کیا آسماں پہ گئے　　فزوں رتبہِ آسماں کردیا
عجب شوقِ نصرت شہیدوں کو تھا　　ضعیفوں کو جس نے جواں کردیا
پتا تو چلے کس قبیلے سے ہیں　　سو سینے کو ماتم نشاں کردیا
پسِ ذبحِ بے شیر چُپ تھے حسینؑ　　خموشی نے قصہ بیاں کردیا
سخن پہ یہ تیرا تصرف انیسؔ　　اُٹھائی زمیں، آسماں کردیا
متاعِ گراں ایک دل ہی تو تھا　　سو نذرِ امامِ زماںؑ کردیا

زباں کم تھی ذکرِ شبیرؑ کو
تو باقرؔ نے دل بھی زباں کردیا

سلام

سلام لکھنے کی توفیق جب عطا ہوگی
تو میری چشمِ تصور میں کربلا ہوگی

جہاں بھی پرچمِ عباسؑ کی ہوا ہوگی
جو لاعلاج مرض بھی ہُوا، شفا ہوگی

صدا جو آئے گی دل سے مرے حسینؑ حسینؑ
وہی تو دل کے دھڑکنے کی اِک صدا ہوگی

درود پڑھ کے جو مانگو گے تم بنامِ حسینؑ
دُعا ضرور وہ مقبولِ کبریا ہوگی

صغیرؑ جھولے سے خود کو وہیں گرا دے گا
جو استغاثہِ شبیرؑ کی صدا ہوگی

کٹے جو بازوئے عباسؑ تو یہ بولے حسینؑ
کہ اب ضرور بہن میری بے ردا ہوگی

سلام

ظرفِ زمیں میں ہے نہ کہیں آسماں میں ہے
مہمان لامکاں کا بھلا کس مکاں میں ہے

جتنے علیؑ کے دوست ہیں سب میرے دوست ہیں
جو دشمنِ علیؑ ہے صفِ دشمناں میں ہے

حُبِّ علیؑ ہے فصلِ بہاراں کی آبرو
اس کے بغیر جو بھی چمن ہے، خزاں میں ہے

حُسن و حسَن حُسینؑ و حَسیں لکھ کے دیکھیے
اِک کائناتِ حُسن ہی حرف و بیاں میں ہے

بزمِ عزا میں دیکھ کے موتی ہیں منفعل
وہ آب و تاب جو مرے اشکِ عزا میں ہے

محشر کی اس کو فکر نہ دنیا کا کوئی غم
جو ان کا ہوگیا وہ حصارِ اماں میں ہے

ہم شکلِ مصطفیٰؐ کی اذاں سے رہی اذاں
اکبرؑ کا نام آج بھی شامل اذاں میں ہے

مولا کے میرے چاہنے والے کہاں نہیں
ذکرِ حسینؑ دہر کی ہر اِک زباں میں ہے

میری لحد میں پھیلی ہے ہر سمت روشنی
کیا نور میرے سینۂ ماتم نشاں میں ہے

کم ہے تپش میں بغضِ علیؑ کے الاؤ سے
بہتی ہوئی وہ آگ جو آتش فشاں میں ہے

عصرِ جدید تیری روش خوب ہے، مگر
وہ بات اور ہے جو رہِ رفتگاں میں ہے

کرنی پڑے گی آج تو عجلت میں فکرِ شعر
باقرؔ! تمہارا زورِ سخن امتحاں میں ہے

سلام

ورثہ دارِ شرفِ میثمِ تمار ہیں ہم
پھول ہے عشقِ علیؑ، پھول کی مہکار ہیں ہم

کوئی بھی عہد ہو، مظلوم کے غم خوار ہیں ہم
نام عباسؑ کا لیتے ہیں، وفادار ہیں ہم

ابو طالبؑ کے گھرانے کے ملازم ہیں قدیم
ایک ہی گھر ہے، اسی گھر کے نمک خوار ہیں ہم

کل بھی نصرانیوں کے مدِمقابل ہم تھے
آج بھی حق و صداقت کے علم دار ہیں ہم

حق کے رستے سے قدم اپنا سرکتا ہی نہیں
جیسے اِک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ہم

دل میں ہے عشقِ علیؑ، مالکِ اشتر کی قسم
کہیں سلمان و ابوذر، کہیں عمار ہیں ہم

قلبِ اسلام میں اپنا ہی لہو دوڑتا ہے
دائرہ دین کا ہے، نقطۂ پرکار ہیں ہم

خون اسلام کو دیتے ہی چلے آئے ہیں
اس کہانی کا جو مرکز ہے، وہ کردار ہیں ہم

جانتے سب ہیں، نہ مانیں، مگر اہلِ اسلام
جس کی فصلوں پہ پلے ہیں، وہ زمیندار ہیں ہم

کیسے مٹ جائیں گے تہذیبِ مودّت کے نشاں
جو زمانہ نہ مٹا پایا، وہ آثار ہیں ہم

جتنا دنیا نے دبایا ہمیں، اُبھرے اُتنا
لوگ سمجھے تھے کہ گرتی ہوئی دیوار ہیں ہم

کم نہیں ہے یہ فضیلت کہ علیؑ والے ہیں
ہم بھی رکھتے ہیں انا، صاحبِ پندار ہیں ہم

جتنی ہے حُبِ علیؑ، بغضِ عدو اُتنا ہے
اس عبادت کی قضا ہو، تو گنہ گار ہیں ہم

طالبان آج کے ہیں کل کے خوارج جیسے
دیدۂ کور نہیں، دیدۂ بیدار ہیں ہم

وہ کوئی بھی ہو، کہیں بھی ہو، کسی دور کا ہو
دشمنِ آلِ محمدؐ سے تو ہشیار ہیں ہم

کجیِ دل کے مرض ہم سے شفا پاتے ہیں
خاکِ نقشِ قدمِ عابدِ بیمار ہیں ہم

ہم کو کم زور نہ سمجھے، رہِ حق میں دنیا
ہوں اکیلے بھی اگر، دو کے لیے چار ہیں ہم

ہے ہمارا بھی کوئی پوچھنے والا موجود
یہ نہ سمجھے کوئی، بے یار و مددگار ہیں ہم

کیا چھڑائے گا کوئی مجلس و ماتم ہم سے
چودہ صدیوں سے اسی گھر کے عزادار ہیں ہم

لے کے غازی کا علم عہدِ وفا کرتے ہیں
جان بھی جائے تو اس راہ میں تیار ہیں ہم

کیا عقیدت تھی کہ لکھتا تھا علیؑ کا بندہ
اس لیے اور بھی غالبؔ کے طرف دار ہیں ہم

نوحے

ترتیب

غمِ شبہ میں جو گزرے زندگانی	۳۹۱
کہتی تھیں رو کے زینبؑ، جاؤں گی جب وطن کو	۳۹۲
عاشقِ کبریا کا ہے تابوت	۳۹۳
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت	۳۹۴
حسینؑ حسینؑ	۳۹۷
حسینؑ کا ماتم	۳۹۹

نوحہ

غمِ شبہ میں جو گزرے زندگانی   اسے سمجھیں گے اپنی کامرانی
چمکتے ہیں جو پلکوں پہ ستارے   یہ موتی ہیں محبت کی نشانی
علی اکبر تڑپتے ہیں زمیں پر   ملی جاتی ہے مٹی میں جوانی
نظر آتا نہیں بیٹے کا لاشہ   بصارت لے گیا داغِ جوانی
کہا شبہ نے مرے شیرو! کہاں ہو   جواں بیٹے کی میت ہے اُٹھانی
تڑپ کر آگیا ساحل پہ دریا   جو مانگا غش کے ششماہے نے پانی
رُلائے گی زمانے کو ہمیشہ   علی اصغرؑ تمھاری بے زبانی
نہ تھے عباسؑ اور قاسمؑ نہ اکبرؑ   چلا مرنے کو جب زہراؑ کا جانی
لُٹا اِک دوپہر میں باغِ زہراؑ   اسے کہتے ہیں جورِ آسمانی
یہ پہلی نذر ہے مولا کے در پر   اگر کرلے قبول احمدؐ کا جانی

بس اب تو ختم کر نوحے کو، باقرؔ!
بڑھی جاتی ہے اشکوں کی روانی

۱۹۵۴ء

نوحہ

کہتی تھیں رو کے زینب جاؤں گی جب وطن کو
اصغرؑ ترا شلوکہ دوں گی تری بہن کو
مجبور کر دیا تھا، بھائی! تری بہن کو
رہتی جو سر پہ چادر دیتی ترے کفن کو

کٹوا کے سارے گھر کو، اُف تک نہ کی زباں سے
اپنے لہو سے سینچا اسلام کے چمن کو
جلتی ہوئی زمیں پہ بے شیر کو لٹایا
پانی ملا نہ پھر بھی اصغرؑ کے گُل بدن کو

گٹھری سی اک اٹھائے آئے ہیں رن سے سرور
لو آؤ دے لو پُرسہ اِک رات کی دُلہن کو
مرنے چلے جو حضرتؑ، رو کر سکینہ بولی
بابا نہ جاؤ رن کو، بابا نہ جاؤ رن کو

سیدانیوں کی گردن، باندھی گئی رسن میں
زنجیر بھی پہنائی سجادِ خستہ تن کو

۱۹۵۴ء

زینبؑ مبتلا کا ہے تابوت

عاشقِ کبریا کا ہے تابوت اک کنیزِ خدا کا ہے تابوت
جانِ مشکل کشا کا سوگ ہے یہ ثانیِ سیّدہ کا ہے تابوت
بے کس و بے نوا جہاں سے اُٹھی خواہرِ مجتبیٰ کا ہے تابوت
نشر کرتی رہی پیامِ حسینؑ ناشرِ کربلا کا ہے تابوت
کشتیِ دیں بچائی ہے جس نے یہ اُسی ناخدا کا ہے تابوت
طیّب و طاہرہ کا ماتم ہے بنتِ مشکل کشا کا ہے تابوت
دو ہی بیٹے تھے، شہ پہ وار دیے اُجڑی اُس ماماتا کا ہے تابوت
ابتدا جس کی کربلا میں ہوئی یہ اُسی انتہا کا ہے تابوت
جس کے خطبوں سے ہل گیا دربار ایک ایسی صدا کا ہے تابوت
پیشِ حاکم وہ حرفِ حق کا فروغ مسلکِ انبیا کا ہے تابوت
فاتحِ شام کا جنازہ ہے بنتِ شیرِ خدا کا ہے تابوت
ایک ہی دن میں جس کا گھر اُجڑا اس اسیرِ بلا کا ہے تابوت
وقفِ آلام کا جنازہ ہے زوجِ مبتلا کا ہے تابوت
پھر جو سایے میں بھی نہیں بیٹھی یہ اُسی غم زدہ کا ہے تابوت
ساری دنیا ہے غم میں نوحہ کناں روحِ ارض و سما کا ہے تابوت
اس سے باقی ہے اعتبارِ عزا جانِ اہلِ عزا کا ہے تابوت

فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

جانِ شیرِ خدا کا ہے تابوت
فخرِ آلِ عباؑ کا ہے تابوت
نازشِ انبیا کا ہے تابوت
پسرِ فاطمہؑ کا ہے تابوت
اک شہیدِ جفا کا ہے تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

شمعِ ایماں جلائی ہے جس نے
بات بگڑی بنائی ہے جس نے
دادِ زہراؑ سے پائی ہے جس نے
ڈوبی کشتی بچائی ہے جس نے
یہ اُسی ناخدا کا ہے تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

کس نے دیکھا کوئی جواں ایسا
اپنے آقا کا قدر داں ایسا
کب زمیں پر ہے آسماں ایسا
کوئی اُس کے سوا کہاں ایسا
افتخارِ وفا کا ہے تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

ہر مصیبت میں جو سپر ٹھہرا
سارے کنبے کا معتبر ٹھہرا
حُسن ہی حُسن ہر نظر ٹھہرا
بنی ہاشم کا جو قمر ٹھہرا
یہ اُسی مہ لقا کا ہے تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

جو علیؑ کی تھی مستجاب دعا
پانی لانے کو مشک لے کے گیا
نہر پر قبضہ کرکے پیاسا رہا
پانی خیمے میں پھر بھی جا نہ سکا
قسمتِ نارسا کا ہے تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

عَلَوی آن بان ہے اس میں
ابوطالبؑ کی شان ہے اس میں
اک وفا کا جہان ہے اس میں
اہلِ ایماں کی جان ہے اس میں
دلِ اہلِ ولا کا ہے تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

نازشِ کربلا کا ماتم ہے
جانِ مشکل کشا کا ماتم ہے
آج تو انتہا کا ماتم ہے
اک شہیدِ وفا کا ماتم ہے
اک شہیدِ وفا کا ہے تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

سب ہی اہلِ وفا نکالیں گے
ہر برس ہر جگہ نکالیں گے
یوں ہی اہلِ عزا نکالیں گے
یہ زیارت سدا نکالیں گے
غم سدا ہے سدا کا تابوت
فاتحِ کربلا کا ہے تابوت

حسینؑ حسینؑ

جہاں جہاں گئے اہلِ ولا حسینؑ حسینؑ
ہر ایک قریے میں گونجی صدا، حسینؑ حسینؑ

دلیل آمدِ فصلِ عزا، حسینؑ حسینؑ
مدینہ و نجف و کربلا، حسینؑ حسینؑ

ہمیں پڑی نہ ضرورت کبھی تعارف کی
ہمارے لب پہ ہمیشہ رہا حسینؑ حسینؑ

بچھایا فرشِ عزا اپنے گھر کی شادی میں
کسی کو موت کا پُرسہ دیا، حسینؑ حسینؑ

جو چل بسا کوئی اپنا، کِیا حسینؑ کا غم
اگر ہُوا کوئی پیدا کہا، حسینؑ حسینؑ

زبان و قریہ و ماحول اجنبی ہی سہی
بچھایا ہر جگہ فرشِ عزا، حسینؑ حسینؑ

ہمیں ہُوا جو کبھی کوئی مسئلہ در پیش
تو ہاتھ سینے پہ رکھا کہا، حسینؑ حسینؑ

غمِ حسین نے دی ہے ہر ایک غم سے نجات
ہر ایک درد کا درماں بنا، حسینؑ حسینؑ

یہ ایک نام ہے ظالم کو موت کا پیغام
ہوا جو ظلم مقابل کہا، حسینؑ حسینؑ

زبان و گوش ملے ہیں ہمیں اسی کے لیے
کہا حسینؑ حسینؑ اور سُنا، حسینؑ حسینؑ

شریکِ ماتمِ شبہ ہوگئے فرشتے بھی
لحد میں جب مرے منہ سے سُنا، حسینؑ حسینؑ

نہ حمد و نعت و قصیدہ، نہ منقبت نہ سلام
بس آج اے دلِ درد آشنا، حسینؑ حسینؑ

حسینؑ کا ماتم

محبتوں کی فضا ہے حسینؑ کا ماتم
شعارِ اہلِ ولا ہے حسینؑ کا ماتم

ہماری وجہِ بقا ہے حسینؑ کا ماتم
یزیدیت کی فنا ہے حسینؑ کا ماتم

جہاں کہیں بھی ہیں ماتم نشین ہیں مومن
زمانے بھر میں بپا ہے حسینؑ کا ماتم

خدا رکھے کہ بڑی مجلسوں کی رونق ہے
فروغِ فصلِ عزا ہے حسینؑ کا ماتم

یہ لباس، علم، تعزیے، عزا خانے،
شعورِ غم کی فضا ہے حسینؑ کا ماتم

یہ سینہ کوبی، یہ نوحے، یہ ماتمی دستے
شعارِ اہلِ وفا ہے حسینؑ کا ماتم

عقیدتوں کے گلستاں کھلے ہیں سینوں پہ
بہارِ فصلِ عزا ہے حسینؑ کا ماتم

اسی فضا میں تو مومن کا دم نہیں گھٹتا
کہ ایک تازہ ہوا ہے حسینؑ کا ماتم

بجھا سکی نہ جسے آندھیوں کی یورش بھی
وہ اک چراغِ وفا ہے حسینؑ کا ماتم

وفورِ غم سے جو بے ساختہ ٹپک جائے
وہ ایک اشکِ عزا ہے حسینؑ کا ماتم

علیؑ و فاطمہؑ سامع ہیں اور نبیؐ ذاکر
یہ کس کے گھر میں بپا ہے حسینؑ کا ماتم

ہر ایک غم سے یہی تو نجات دیتا ہے
ہر ایک غم کی دوا ہے حسینؑ کا ماتم

جہاں یہ ہو وہاں باطل پنپ نہیں سکتا
ثباتِ حق کی فضا ہے حسینؑ کا ماتم

غرورِ سطوتِ شاہی کو توڑ دیتا ہے
مزاجِ کرب و بلا ہے حسینؑ کا ماتم

ان اہلِ قریہ کی ظالم سے نفرتیں دیکھو
جہاں جہاں بھی ہوا ہے حسینؑ کا ماتم

یہ مجلسوں کے دبستاں دیے ہیں پیاسوں نے
سبیلِ علم بنا ہے حسینؑ کا ماتم

ہمارا جادۂ ہستی بدل نہیں سکتا
ہمارا راہ نما ہے حسینؑ کا ماتم

اُسی فضا، اُسی بستی سے انقلاب اُٹھے
جہاں جہاں بھی گیا ہے حسینؑ کا ماتم

جو لوگ اب بھی یزیدی مزاج رکھتے ہیں
بُرا انھیں کو لگا ہے حسینؑ کا ماتم

یہ ہاتھ اُن کے کلیجوں پہ جا کے پڑتے ہیں
یزیدیوں کی سزا ہے حسینؑ کا ماتم

حرمتِ حرف باقر زیدی

انھیں بتاؤ کہ پہچان یہ ہماری ہے
جو پوچھتے ہیں کہ کیا ہے حسینؑ کا ماتم
نہ مٹ سکے گا کبھی حشر تک زمانے سے
کہ فاطمہؑ کی دعا ہے حسینؑ کا ماتم
خدا کا دین ہے باقی بہ اہتمامِ حسینؑ
"بہ اہتمامِ خدا ہے حسینؑ کا ماتم"[1]

۱۔ یہ مصرعہ آیت اللہ سیّد عقیل الغروی کی عطا ہے۔

مرثیے

ترتیب

قطعات ورباعیات	۴۰۵
گیارہواں مرثیہ: مالکِ لوح وقلم مجھ کو قلم کار بنا	۴۰۷
بارہواں مرثیہ: مرثیہ لکھنے کو پھر آج اُٹھاتا ہوں قلم	۴۳۲
تیرہواں مرثیہ: خواہش یہ ہے قلم کی کہ ذکرِ کتاب ہو	۴۵۸

فُراتِ سُخن

رضائے حق سے ہے توفیقِ التفاتِ سُخن
غمِ حسینؑ ہے تہذیب کائناتِ سُخن
یہ مرثیے ہیں ولائے حسینؑ کا صدقہ
ملی ہے پیاسوں کے دَر سے مجھے فراتِ سُخن

حسینؑ حسینؑ

حسینؑ مَطلعِ دیں ہیں، حسینؑ مَقطعِ دیں
اَدَب نے بھی تو اَدَب سے کہاں حسینؑ حسینؑ
ہر ایک حرفِ سُخن میں ہے کربلا موجود
سلام، نوحہ، غزل، مرثیہ، حسینؑ حسینؑ

انوارِ سحر

یہ اوج زمیں شمس و قمر بیٹھے ہیں
سب مظہرِ انوارِ سحر بیٹھے ہیں
یہ عالم و ذاکر یہ معالج یہ طبیب
مجلس میں مسیحا و خضرؑ بیٹھے ہیں

مجلس

ظلمت سے جو انوارِ سحر میں آئے
اک حلقۂ اربابِ نظر میں آئے
مانوس لگی مجلس و منبر کی فضا
بیٹھے، تو لگا کہ اپنے گھر میں آئے

اہلِ نظر

اربابِ قلم اہلِ خبر بیٹھے ہیں
جیالے رقوماتِ ہُنر بیٹھے ہیں
دانش ور و نقاد و ادیب و شاعر
کیا بزم ہے سب اہلِ نظر بیٹھے ہیں

گیارہواں مرثیہ

تصنیف ۲۰۰۴ء
عنوان قلم
تعدادِ بند ۱۷
مطلع ۔ مالکِ لوح و قلم مجھ کو قلم کار بنا

نوٹ: ان سے پہلے دس مرثیے ''فراتِ سخن'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

(۱)
مالکِ لوح و قلم مجھ کو قلم کار بنا
میرے افکارِ پریشاں کو چمن زار بنا
صدفِ کلکِ سخن ور کو گہر بار بنا
جو قلم بند کروں میں اسے معیار بنا
تیری تائید سے ہر فکرِ غلط رَد ہو جائے
مجھ سے جو سہو قلم ہو وہ قلم زَد ہو جائے

(۲)
علم کا سارا زر و بست قلم ہوتے ہیں
خوب لکھتے ہیں زبردست قلم ہوتے ہیں
کچھ قلم نرم تو کچھ سخت قلم ہوتے ہیں
خوش قلم لوگوں میں کچھ ہفت قلم ہوتے ہیں
خوش نویس اتنا خیالِ رُخِ خط رکھتے ہیں
تیز کرتے ہیں قلم نوک پہ قط رکھتے ہیں

(۳)

کوئی غالبؔ ہے کوئی میرؔ قلم سب کا ہے
سب کے خوابوں کی ہے تعبیر قلم سب کا ہے
جو بھی ہیں صاحبِ تحریر قلم سب کا ہے
یہ کسی کی نہیں جاگیر قلم سب کا ہے
چودہ صدیوں سے اِک احساسِ الم باقی ہے
آج بھی قصّۂ قرطاس و قلم باقی ہے

(۴)

نہ تو کم یاب، نہ مہنگا، نہ عنقا ہے قلم
جس سے سیراب زمانہ ہے، وہ دریا ہے قلم
کشتِ دانش سے جو پھوٹا ہے وہ بوٹا ہے قلم
کبھی تھکتا ہی نہیں ایسا سبک پا ہے قلم
ہوش کی بات بڑے جوش سے کہہ دیتا ہے
داستانیں لبِ خاموش سے کہہ دیتا ہے

(۵)

لبِ خاموش کی گفتار قلم کے دم سے
حرفِ ابلاغ کا اظہار قلم کے دم سے
نشرِ اخبار کی رفتار قلم کے دم سے
سر کا عمامہ و دستار قلم کے دم سے
جا بہ جا علم و فراست کے دبستان بنے
اس کے ہی فیض سے انسان بھی انسان بنے

(۶)

گلشنِ نظم کے افکار کی کثرت سے رئیسؔ
بزمؔ میں نجم کی تصویر دل آویز و نفیسؔ
میرؔ و سوداؔ و مصحفیؔ غالبؔ و ثاقبؔ کا جلیسؔ
ناشرِ فکرِ دبیری، یمِ تحریرِ انیسؔ
عمر بھر میں اسی دریائے معانی میں رہوں
تشنۂ آبِ سخن ہوں اِسی پانی میں رہوں

(۷)

اے قلم، لکھ! نئے عنوان سے قسمت میری
تو جو چلتا ہے تو چلتی ہے طبیعت میری
تیرے ہی دم سے تو دنیا میں ہے عزت میری
کھینچ دے صفحۂ قرطاس پہ صورت میری
موجبِ خواہشِ اربابِ خرد ٹھہرے گا
تو جو لکھ دے گا اسی پر مرا قد ٹھہرے گا

(۸)

نوکِ خامہ سے نمایاں مہِ تابانِ سخن
آبِ خامہ سے ہے تزئینِ گلستانِ سخن
رودِ خامہ سے ہیں افکارِ دبستانِ سخن
حُسنِ خامہ ہے انیسِ دمِ جانانِ سخن
خلوتِ عیش و طرب تجلۂ دانائی ہے
فکر کی صبحِ بہاراں تری انگڑائی ہے

(۹)

یہی کوشش ہے کہ کوشش چڑھے پروان مری
کھول ہی لی ہے تو چلتی رہے دوکان مری
مان تجھ پر ہے تو رکھنی ہے تجھے آن مری
تو تعارف ہے مرا، تجھ سے ہے پہچان مری
پھر ہمیشہ کی طرح آج تجھے رکھنی ہے
جو بھی لکھنا ہے وہ لکھ، لاج تجھے رکھنی ہے

(۱۰)

ایسا کچھ لکھ کہ زمانے پہ رقم رہ جائے
لکھنے والوں میں ہمارا بھی بھرم رہ جائے
اپنے الفاظ میں شبیرؑ کا غم رہ جائے
ہم چلے جائیں، مگر زادِ قلم رہ جائے
قصر اپنے جو ہیں جنّت میں ہم آباد کریں
لوگ یاں مرثیے پڑھ پڑھ کے ہمیں یاد کریں

(۱۱)

ہو یہ شہرت کہ ہیں مظلوم کے شاعر ہم بھی
ہیں اِسی راہِ مودّت کے مُسافر ہم بھی
فخر اس پر ہے کہ مولا کے ہیں ذاکر ہم بھی
پاس رکھتے ہیں یہ ''دُکانِ جواہر'' ہم بھی
جب بھی ہنگامِ سخن اپنی زباں کھولتے ہیں
ایسا لگتا ہے کہ جبریلِ امیں بولتے ہیں

(۱۲)

اے قلم! مصرعِ تر بہرِ خدا لکھتا جا
مدحتِ پنجتنِ اہلِ کِسا لکھتا جا
میرے ہی نام سے اوراقِ ثنا لکھتا جا
آج جبریل لکھاتے ہیں ذرا لکھتا جا
کیوں نہ ہوں مشغلۂ مدح و ثنا میں داخل
یہ بھی ہیں میری طرح اہلِ ولا میں داخل

(۱۳)

نامِ اللہ کا لے کر جو اٹھایا ہے قلم
حمد اور نعت کے رستے پہ نکلتا ہے قلم
پہلی ہی وحی میں قرآن کی آیا ہے قلم
ان کی مدحت کے لیے عرش سے اترا ہے قلم
نامِ اللہ و محمدؐ کے جو ہم نے لکھے
جیسے فردوس کے پروانے قلم نے لکھے

(۱۴)

پھول کو پھول تو غنچے کو کلی لکھتے ہیں
ہم غدیری ہیں تو مولا کو ولی لکھتے ہیں
حق کی تحریر یہ خط ہائے جلی لکھتے ہیں
بعد اللہ و محمدؐ کے علی لکھتے ہیں
ان سے خیبر میں رہی دیں کے علَم کی عزت
ان کے ناموں سے بڑھی لوح وقلم کی عزت

(۱۵)

کرکے خامے نے وضو فاطمہؑ زہراؑ لکھا
لکھتے لکھتے ذرا کچھ سوچ کے ٹھہرا لکھا
ان کی دہلیز پہ اترا تھا جو تارا لکھا
یوں لگا حیدرِ کرّار کا سہرا لکھا
گھر میں بی بی کے جو جنت کی ہوائیں آئیں
عرشِ اعظم سے مبارک کی صدائیں آئیں

(۱۶)

حُسن کی طرح قلم نے جو حسنؑ لکھا ہے
گُلِ زہراؑ و علیؑ، جانِ چمن لکھا ہے
خطِ ریحاں میں ہر اک حرفِ سخن لکھا ہے
پہلا سیّد ہے، سیادت کا چلن لکھا ہے
خیر سے بنتِ نبیؐ کو دُرِ شہوار ملا
اہلِ جنت کو مبارک ہو کہ سردار ملا

(۱۷)

نامِ شبیرؑ کا پھر کِلک نے تحریر کیا
اور اک قصر نیا خُلد میں تعمیر کیا
خواب جو دینِ خدا تھا اُسے تعبیر کیا
آ کے نانا نے نواسے کو بغل گیر کیا
پنجتن ہوگئے پورے تو یہ تحفہ اترا
دہر میں ان کے لیے دہر کا سورہ اترا

(۱۸)

ہیں یہی اہلِ کساء، پنج تنِ پاک یہی
خُلد سے عید کی منگواتے ہیں پوشاک یہی
مالکِ خُلد یہی، صاحبِ لولاک یہی
بوتراب ان میں ہے، ہیں خاک پہ افلاک یہی
سیّدہؑ ہی کے تو گھر میں ہے سیادت ساری
گلشنِ دیں میں انہیں کی ہے ریاضت ساری

(۱۹)

ان کے بابا ہیں محمدؐ تو ہیں بیٹے حسنینؑ
دونوں عالم کے امام اور یہی ایمان کی زین
ان کے والی ہیں علیؑ وہ بھی امام الثقلین
حُجتِ حق ہیں یہی، ارض و سما کے مابین
مرکزِ دائرۂ اہلِ کسا ہیں زہراؑ
سارے رشتوں کا حوالہ، بخدا ہیں زہراؑ

(۲۰)

یہ وہ ہیں جن کی اطاعت ہے اطاعت اُس کی
ان کی تسبیح سے ہوتی ہے عبادت اُس کی
ان کی مرضی پہ ہے موقوف عنایت اُس کی
ان کا جو منشا ہے بس وہ ہے مشیت اُس کی
بددعا کردیں تو ہر سمت اندھیرا چھا جائے
وقت سے پہلے ہی دنیا میں قیامت آ جائے

(۴۱)

بیٹے سردارِ جناں، آپ ہیں خاتونِ جناں
ہیں پدر انفس و آفاق کی عظمت کا نشاں
اہل انہی کے ہیں جو کہلاتے ہیں مولائے جہاں
اور انسان بھلا دہر میں ایسے ہیں کہاں
خود خدا بھیجے درود ان پہ وہ حق دار ہیں یہ
دونوں عالم کے لیے مرکزِ پرکار ہیں یہ

(۴۲)

حشر تک دہر میں قائم ہے قیادت ان کی
باعثِ آیہِ تطہیر طہارت ان کی
سارے عالم پہ جو چھائی ہے وہ رحمت ان کی
کام آئے گی قیامت میں مودّت ان کی
ان کے شوہر کو وصی اور ولی کہتے ہیں
ایسے اعلیٰ ہیں کہ سب ان کو علی کہتے ہیں

(۴۳)

ان کے شوہر سا کسی اور کا شوہر تو نہیں
اور دنیا میں کوئی ساقیِ کوثر تو نہیں
جیسا یہ گھر ہے، کہیں ایسا کوئی گھر تو نہیں
اور دنیا کے کسی گھر میں پیمبر تو نہیں
ان کے بابا نے رسولوں کی قیادت کی ہے
گیارہ بیٹوں نے انہی کے تو امامت کی ہے

(۴۴)

ان کے بابا سا کسی اور کا بابا بھی نہیں
اس پیمبر سا کسی اور کا رتبہ بھی نہیں
کوئی ان کے سوا معراج پہ پہنچا بھی نہیں
ان کے پیکر سا کوئی اور سراپا بھی نہیں
چشمِ امکاں میں کوئی جسم اب ایسا ہو کہاں
خود یہ اللہ کا سایا ہیں تو سایا ہو کہاں

(۴۵)

جب زمانہ ہی نہ تھا تب بھی ظہور ان کا تھا
ایک تھی ذات خدا دوسرا نور ان کا تھا
جو بھی منظر تھا کہیں، پاس یا دور، ان کا تھا
نور جو طور پہ تھا، وہ بھی ضرور ان کا تھا
نہ وہ قرنا نہ وہ نوبت نہ صدا صور کی تھی
کُن کی آواز بھی لگتا ہے اسی نور کی تھی

(۴۶)

ہے کوئی ابرِ کرم سایہِ رحمت جیسا
ان کا منشا ہے تو خالق کی مشیّت جیسا
ان کا ہر فعل ہے ارکانِ شریعت جیسا
ان کا ہر قول ہے قرآن کی آیت جیسا
خواہشِ نفس سے کب اپنی زباں کھولتے ہیں
وحی جب آتی ہے ان پہ یہ تبھی بولتے ہیں

(۲۷)

ذکر بھی ان کا ہے خالق کی عبادت کی طرح
دستِ بازو ہے انہی کا یدِ قدرت کی طرح
ان کی چاہت ہو تو ہر سانس ہے نعمت کی طرح
مَیل ان سے جو رکھے رہتا ہے لعنت کی طرح
مستحقِ قہرِ الٰہی کا ہے مقہور تو ہے
ان سے جو دُور ہوا اس سے خدا دُور تو ہے

(۲۸)

رنگِ عالم کی دھنک زیرِ قدم ہے ان کے
اوجِ ہستی کا فلک زیرِ قدم ہے ان کے
حُبِ دنیا کی للک زیرِ قدم ہے ان کے
سب سما اور سمک زیرِ قدم ہے ان کے
کی گوارا نہ عبادت میں بھی فرقت ان کی
اپنے کلمے میں رکھی اُس نے شہادت ان کی

(۲۹)

چشمِ ایماں جسے ایمانِ مجسم سمجھے
ہادی و راہ بَر و مصلحِ اعظم سمجھے
غیر ہی سمجھے انہیں اور نہ ہم دَم سمجھے
جن کو دعویٰ ہے کہ سمجھے، وہ بہت کم سمجھے
بزمِ آدم میں کہاں اور کسی نے سمجھا
حق سمجھنے کا تو وہ ہے جو علیؑ نے سمجھا

(۳۰)

خشک و تر لوح و قلم، شعلہ و شبنم سمجھے
ان کو تو سنگِ حرم کوثر و زم زم سمجھے
ہم نشیں سمجھے انہیں اور نہ ہم دَم سمجھے
جو سمجھ کر نہ سمجھ پائے، انہیں ہم سمجھے
اپنے پیغمبرِ اعظم کو بھی کیسا لکھا
اچھا تو لکھا مگر اپنے ہی جیسا لکھا

(۳۱)

خلقِ اوّل کو جو اپنا سا بشر کہتے ہیں
اہلِ ایماں انہیں کوتاہ نظر کہتے ہیں
خیر کی بات تو آتی نہیں شر کہتے ہیں
یار کا لفظ ہے توہین مگر کہتے ہیں
وہ کسی اُمتی کے یار نہیں ہوسکتے
آپ ہوسکتے ہیں سرکار نہیں ہوسکتے

(۳۲)

جو نبی ہوں وہ سبک سار ہوں، توبہ توبہ
کسی پستی کے طلب گار ہوں، توبہ توبہ
کسی صورت بھی خطاکار ہوں، توبہ توبہ
یاریوں میں وہ گرفتار ہوں، توبہ توبہ
چمنِ زیست میں وہ خار نہیں ہوسکتے
انبیا عام سا کردار نہیں ہوسکتے

(۳۳)

شاہِ لولاک ہیں، تخلیق کا منشا یہ ہیں
وہ سماوات کا ہے نور تو جلوہ یہ ہیں
وہ جو یکتا ہے، تو مخلوق میں یکتا یہ ہیں
عقلِ انساں ہوئی عاجز، کہ کہے کیا یہ ہیں
ایسے انسان کو جو اپنا سا بھائی سمجھے
ہم اُسے کیا کہیں اس سے تو خدا ہی سمجھے

(۳۴)

جھوٹ کو جھوٹ ہی لکھتا ہے، وہ سچا ہے قلم
خلق کے نامۂ اعمال بھی لکھتا ہے قلم
وید و انجیل ہے، رامائن و گیتا ہے قلم
انبیا چلتے ہیں جس پہ وہی رستہ ہے قلم
روشنائی ہے شہیدوں کے لہو سے بہتر
اس کی چھینٹیں بھی ہوئیں آبِ وضو سے بہتر

(۳۵)

روشنی دیتے ہیں اس کے مہ و اختر کتنے
علم کے اس نے بہائے ہیں سمندر کتنے
اس کی ہر موج میں پوشیدہ ہیں گوہر کتنے
دفترِ عالمِ امکاں میں ہیں دفتر کتنے
کتنے افکار کو الفاظ میں ڈھالا اس نے
کردیا کتنے اندھیروں میں اجالا اس نے

(۳۶)

ناز بردار رہے اس کے سخن ور کتنے
اس نے تہذیب و تمدن کو دیے گھر کتنے
جنبشِ کلک نے بدلے ہیں مقدر کتنے
کتنی تحریروں نے برپا کیے محشر کتنے
حال لکھتا ہوا مستقبل و ماضی ہے قلم
فیصلے دیتا ہوا وقت کا قاضی ہے قلم

(۳۷)

اس کا مذہب ہے نہ مسلک، نہ عقیدہ اپنا
عزم کوئی کبھی اس کا نہ ارادہ اپنا
خود معیّن نہیں کرتا کبھی جادہ اپنا
ہر گھڑی رکھتا ہے میدان کشادہ اپنا
بحرِ افکار کی موجوں پہ بہے جاتا ہے
دل کی آواز کو کاغذ سے کہے جاتا ہے

(۳۸)

ظلمتِ دہر کو تنویر سے بدلا اس نے
جہل کو علم کی توقیر سے بدلا اس نے
ذہنِ تخریب کو تعمیر سے بدلا اس نے
کتنی تقدیروں کو تدبیر سے بدلا اس نے
وقت بدلا ہے خیالات بدل ڈالے ہیں
اس نے انسانوں کے حالات بدل ڈالے ہیں

(۳۹)

دلِ مایوس میں امید سجانے والا
ذہن کی سوچ کو آنکھوں سے دکھانے والا
دیدۂ خواب کو تعبیر بتانے والا
علم و عرفاں کے چراغوں کو جلانے والا
کتنی منہ زور امنگوں کو مٹا دیتا ہے
صلح لکھتا ہے تو جنگوں کو مٹا دیتا ہے

(۴۰)

صلحِ جد ہی کی طرح صلحِ حسن میں ہے رچاؤ
شورشِ شام کی بگڑی ہوئی صورت میں بناؤ
امن کی راہ سے باطل کا کیا ہے ٹھراؤ
ہو کوئی ان سے بڑا امن کا حامی تو بتاؤ
اہلِ دانش کا ہے سب سے بڑا ہتھیار قلم
علم کے ہاتھ میں بن جاتا ہے تلوار قلم

(۴۱)

کام مخلوق کے ہر عہد میں آیا ہے قلم
ساری دنیا میں جو چلتا ہے وہ سکہ ہے قلم
دہر میں رشد و ہدایت کا وسیلہ ہے قلم
جو بھی ہم کہتے ہیں اس سے وہی لکھتا ہے قلم
سر جھکا رکھنے کا اس کو یہی انعام ملا
حشر تک لکھتے ہی رہنے کا اسے کام ملا

(۴۲)

اس نے اخبار لکھے، اس نے رسالے لکھے
اس نے تنقید لکھی، اس نے مقالے لکھے
یادداشت اس نے لکھی، اس نے حوالے لکھے
سندیں اس نے لکھیں، اس نے قبالے لکھے
اس نے جلسے لکھے نعرے لکھے رُوداد لکھی
آہیں مظلوموں کی بیواؤں کی فریاد لکھی

(۴۳)

اس نے تحقیق لکھی، اس نے مضامین لکھے
اس نے دستور لکھے اس نے قوانین لکھے
اس نے اعزاز لکھے اس نے فرامین لکھے
جن کو بے دینوں نے رائج کیا وہ دین لکھے
ان کی اس دیدہ دلیری پہ تو حیراں بھی ہوا
خود وہ موجد نہ ہوا یہ تو پشیماں بھی ہوا

(۴۴)

اشتہار اس نے لکھے اس نے جریدے لکھے
سیرِ دنیا کے لکھے اس نے ندیدے لکھے
مرثیے اس نے لکھے، اس نے قصیدے لکھے
اس نے ایمان لکھے اس نے عقیدے لکھے
خواب بھی لکھے ہیں، تعبیر لکھی ہے اس نے
لوحِ محفوظ کی تحریر لکھی ہے اس نے

(۴۵)

اس نے لوگوں کے خدوخال، سراپے لکھے
سب حَسَب اور نَسَب لکھے ہیں، شجرے لکھے
تختیاں ناموں کی اور قبروں کے کتبے لکھے
کبھی رنگین و منقش، کبھی سادے لکھے
داستاں لکھی، سفرنامے بھی تحریر کیے
امن کا حال بھی ہنگامے بھی تحریر کیے

(۴۶)

ناول اس نے کیے تحریر فسانے لکھے
قصے دنیا کے نئے اور پُرانے لکھے
کتنی صدیوں کے، زمانوں کے زمانے لکھے
کتنے اوراق زمانے کی ہَوا نے لکھے
موسمِ گل بھی لکھا، رنگِ خزاں لکھا ہے
اس نے ہر آن حسابِ دل و جاں لکھا ہے

(۴۷)

سود لکھا، بہی کھاتے لکھے، قرضے لکھے
نفع و نقصان کی میزان کے ہندسے لکھے
لین دین اس نے لکھا، بنک کے کھاتے لکھے
اس نے خوش حالی لکھی، بھوکوں کے فاقے لکھے
اس نے آمد لکھی، خرچے لکھے، محصول لکھے
غیر معقول لکھے اور کبھی معقول لکھے

(۴۸)

احتجاج اس نے لکھے، اس نے ہی شکوے لکھے
اس نے فردیں لکھیں، پرچے لکھے، دعوے لکھے
راضی نامے کیے، تحریر اجازے لکھے
بحثیں لکھ ڈالیں تو بحثوں کے نتیجے لکھے
جو بھی لکھوائے گئے، فیصلے لکھے اس نے
قسمتیں اس نے لکھیں، تصفیے لکھے اس نے

(۴۹)

اس نے اَن ہونی لکھی، اس نے عجوبے لکھے
اس نے اوہام لکھے بھوتوں کے قصے لکھے
اس نے جادو لکھا، منتر لکھا، ٹونے لکھے
کبھی آڑھے، کبھی ترچھے، کبھی ٹیڑھے لکھے
کب قلم کش ہوا خود آپ سے کب کچھ لکھا
جو بھی لکھوایا گیا اس سے، وہ سب کچھ لکھا

(۵۰)

اس نے غزلیں لکھیں، خمسے لکھے، قطعے لکھے
گیت اس نے لکھے، گانے لکھے، دوہے لکھے
خط محبت کے لکھے اس نے، سندیسے لکھے
حُسن کے غمزے لکھے، عشق کے دعوے لکھے
عشق کے دعوے جو لکھے تو فسانے جاگے
ان ہی تحریروں سے دل جاگے، زمانے جاگے

(۵۱)

اس نے منظر کیے تحریر، نظارے لکھے
اس نے آنکھیں لکھیں، آنکھوں کے اشارے لکھے
اس نے دل والوں کی قسمت کے ستارے لکھے
اس نے تاریخ لکھی، وقت کے دھارے لکھے
بند گزری ہوئی صدیوں کے خزانے اس میں
سانس لیتے ہیں زمانوں کے زمانے اس میں

(۵۲)

اس نے قرآن لکھا، اس نے صحیفے لکھے
نقشِ تعویذ لکھے اس نے فلیتے لکھے
اس نے لکھے ہیں حصار، اس نے عریضے لکھے
جن سے ہوتی ہے شفا، اس نے وہ نسخے لکھے
فرض سے اپنے کبھی، کی نہیں غفلت اس نے
کی ہر اک وقت میں انسان کی خدمت اس نے

(۵۳)

اس نے دنیا کا ہر اِک کھیل تماشا لکھا
مدح کے باب میں ممدوح کو کیا کیا لکھا
اس نے شاہوں کی خوشامد کا قصیدہ لکھا
کہیں تشبیب لکھی اور کہیں چہرہ لکھا
اس نے دلوائی ہیں انعام میں جاگیریں بھی
اس قلم نے تو بدل ڈالی ہیں تقدیریں بھی

(۵۴)

انکشافاتِ زمانہ نے بھی ڈھالے ہیں قلم
اہلِ تدبیر نے کچھ اور نکالے ہیں قلم
ہیں مشینیں قلم سائنس کے آلے ہیں قلم
پڑھنے والے ہیں قلم، دیکھنے والے ہیں قلم
یہ ہنر مندی، یہ پھرتی، یہ تری ساکھ قلم
جیسے اک وقت میں لکھتے ہوں کئی لاکھ قلم

(۵۵)

ڈاکیے ہی کی ضرورت ہے نہ پوسٹ آفس کی
ہو شکاگو کی کوئی میل کہ لاس انجلس کی
دہلی، لاہور، کراچی کی ہو، یا پیرس کی
وہ کہیں کی ہو، کسی کی بھی ہو، اُس کی اِس کی
بے ٹکٹ سب کے پتوں پہ یہ چلی آتی ہے
کمپیوٹر ہی میں محفوظ بھی ہوجاتی ہے

(۵۶)

نبض بُن لیتے ہیں، انفاس رقم کرتے ہیں
جذبے لکھ دیتے ہیں، احساس رقم کرتے ہیں
آس پڑھ لیتے ہیں، وسواس رقم کرتے ہیں
اور سب برسرِ قرطاس رقم کرتے ہیں
دل میں جو ہوتا ہے، آنکھوں سے دکھا دیتے ہیں
جھوٹ کہتا ہے کہ سچ، یہ بھی بتا دیتے ہیں

(۵۷)

قریۂ جاں میں جو شبیر کا غم رکھتے ہیں
ہم وفا کیش ہیں، غازی کا علَم رکھتے ہیں
کم سے کم حاجتِ دینار و درم رکھتے ہیں
فخر اس پہ ہے کہ ہاتھوں میں قلم رکھتے ہیں
جب جبیں شوق کی کاغذ پہ جھکا دیتا ہے
ہر طرف پھول عقیدت کے کھلا دیتا ہے

(۵۸)

یہ قلم ہی تو بدل دیتا ہے پچھلی تحریر
دیکھ لو کس طرح بدلی گئی حُر کی تقدیر
ذوالعشیرہ لکھی اور اس نے ہی لکھی ہے غدیر
اس نے ہی کھینچی ہے تاریخ کی پوری تصویر
اس قلم ہی نے سب احوالِ سقیفہ لکھا
کون کیسے بنا امّت کا خلیفہ لکھا

(۵۹)

قدرِ اولادِ پیمبرؐ کی گھٹانے والے
اُمّتیوں کے مدارج کو بڑھانے والے
خودکشی کر کے زمانے کو ڈرانے والے
آپ مٹ جاتے ہیں اوروں کو مٹانے والے
سَرِ قلم کا بھی قلم ہوتا ہے قط کی مانند
تم بھی تحریر میں ہو حرفِ غلط کی مانند

(۶۰)

اس نے تصریح لکھی، اس نے اضافے لکھے
اس نے تلمیح لکھی، اس نے کنایے لکھے
اس نے تسبیح لکھی، اس نے وظیفے لکھے
اس نے تشریح لکھی، شرع کے فتوے لکھے
وحی بھی لکھی ہے، شارع کی شریعت بھی لکھی
اس نے مولا کی مرے نہجِ بلاغت بھی لکھی

(۶۱)

اس نے اقوال لکھے، اس نے حدیثیں لکھیں
اس نے اعمال لکھے، اس نے دعائیں لکھیں
عقد کے صیغے لکھے، اس نے طلاقیں لکھیں
اس نے لکھی ہے اذاں، اس نے نمازیں لکھیں
اس نے تعقیبیں لکھیں، وردِ شب و روز لکھے
کربلا تیرے مصائب بڑے دل دوز لکھے

(۶۲)

جب مدینے میں قلم نے خطِ صغرا لکھا
حال دکھیا کے غمِ ہجر کا سارا لکھا
ماجرا کچھ نہ دوا کا، نہ غذا کا لکھا
کانپتے ہاتھوں سے بس بھائی کو اتنا لکھا
لینے بیمار کو پردیس سے کب آؤ گے
میرے مرنے کی خبر آئے گی، تب آؤ گی

(۶۳)

سب مرے چاہنے والے ہیں وہاں، میں ہوں یہاں
دن مسیحاؤں کے صحت کا بھلا کیا امکاں
میری تقدیر میں آرام کہاں، چین کہاں
یوں ہی گھٹ گھٹ کے نہ مرجاؤں یہاں میں اماں
پاس اپنوں کے دمِ نزع گزرنا بھی نہیں
میری قسمت میں تو آرام سے مرنا بھی نہیں

(۶۴)

کس طرح جھیلوں میں اس رنج و تعب کو اماں
موت کب آئے گی اس مرگ طلب کو اماں
چین پڑتا ہے نہ اب دن کو، نہ شب کو اماں
مدتیں ہوگئیں دیکھے ہوئے سب کو اماں
رات دن اب تو مرا جی بڑا گھبراتا ہے
اپنا بچھڑا ہوا کنبہ مجھے یاد آتا ہے

(۶۵)

بھائی قاسم نے، سنا بیاہ رچایا ہے وہاں
سہرا اپنا چچی اماں کو دکھایا ہے وہاں
اور ہر ایک شریک اپنا پرایا ہے وہاں
ایک مجھ ہی کو نہیں صرف بلایا ہے وہاں
مہندی جب ہاتھوں میں بہنوں نے لگائی اماں
یاد کیا میری کسی کو بھی نہ آئی اماں

(۶۶)

بھیا اکبر بھی وہیں لائیں گے دلہن اپنی
رہیں آباد وہ دنیا رکھیں روشن اپنی
یاں تو یہ سانس ہی اپنے ہیں نہ دھڑکن اپنی
سب سے چھٹ کر تو خوشی ہوگئی دشمن اپنی
چھوڑا یثرب کو نئے شہروں کو آباد کیا
بھول کر بھی تو بہن کو نہ کبھی یاد کیا

(۶۷)

اب تو اصغر بھی مرا گھٹنیوں چلتا ہوگا
ہاتھ میں لینے کو ہر چیز مچلتا ہوگا
اور مچل جائے تو مشکل سے سنبھلتا ہوگا
گود میں آ کے سکینہ کی بہلتا ہوگا
یاد ہے مجھ کو کہیں چین اُسے آتا ہی نہ تھا
گود سے میری کسی گود میں جاتا ہی نہ تھا

(۶۸)

لے کے گودی میں وہ اصغر کو سلاتی ہوگی
لوریوں میں اسے قرآن سناتی ہوگی
اپنی باہوں میں اُسے جھولا جھلاتی ہوگی
دن ہیں گرمی کے تو پانی بھی پلاتی ہوگی
رشک آتا ہے سکینہ کے مقدر پہ مجھے
سب کو بابا نے لیا چھوڑ گئے گھر پہ مجھے

(۶۹)

بن مکینوں کے یہ گھر کرتا ہے سائیں سائیں
آئیں سب لوٹ کے یا مجھ کو وہیں بُلوائیں
قابلِ رحم ہے صغرؔا، نہ اسے ترسائیں
واسطہ روحِ محمدؐ کا بس اب آجائیں
دیکھ پاؤں گی جو پیاروں کو تو کِھل پاؤں گی
اور کچھ دن جو نہ آئے تو مَیں مَر جاؤں گی

(۷۰)

پڑھ کے خط بیٹی کا دل پہ نہ رہا جب قابو
ضبطِ غم کرتے تھے لیکن نکل آئے آنسو
تھا ابھی ریشِ مبارک پہ جو اصغرؔ کا لہو
اپنے اشکوں سے کیا سبطِ پیمبر نے وضو
پھر دمِ عصر جو سجدے میں جھکایا سَر کو
ہوا سجدے میں قلم، پھر نہ اُٹھایا سَر کو

(۷۱)

اے قلم تیری یہ روداد جو ہم نے لکھی
کیا بساط اپنی تھی مولا کے کرم نے لکھی
اِک عزادار کے احساسِ الم نے لکھی
یہ کہانی تھی قلم کی، سو قلم نے لکھی
یک قلم مرثیہ سے رشتۂ جاں جوڑ دیا
حق ادا کردیا مضموں کا قلم توڑ دیا

بارہواں مرثیہ

تصنیف ۲۰۰۷ء
عنوان مجلس
تعدادِ بند ۷۳
مطلع ؎ مرثیہ لکھنے کو پھر آج اُٹھاتا ہوں قلم

(۱)

مرثیے لکھنے کو پھر آج اٹھاتا ہوں قلم
اس نے بخشی ہے یہ طاقت تو چلاتا ہوں قلم
شاخ در شاخ معانی کے لگاتا ہوں قلم
دل کی موجوں کے بہاؤ پہ بہاتا ہوں قلم
میرا مالک جو مجھے رزقِ سخن دیتا ہے
جُرعۂ شیر نہیں، مہرِ لبن دیتا ہے

(۲)

آج پھر دل ہے مرا طالبِ لیلائے سخن
آج بھی گرم ہو بازارِ زلیخائے سخن
پھر قلم سے ہو مرے بارشِ گلہائے سخن
پھر روانی سے بہے آج یہ دریائے سخن
پھر سماعت کے لبِ تشنہ کو پانی مل جائے
پھر درِ علم سے آبِ ہمہ دانی مل جائے

(۳)

پھول احساس کے، لفظوں سے کھلاتا ہے سخن
دل کے جذبات کو، لہجے میں دکھاتا ہے سخن
ساری دنیا کی زبانوں میں سماتا ہے سخن
علم دریا ہے مگر اس کو بہاتا ہے سخن
پیکرِ نطق میں، الفاظ و معانی ہے سخن
قحط بر آبِ سماعت ہو، تو پانی ہے سخن

(۴)

لہلہاتا ہُوا، یہ باغِ سخن ہے میرا
غنچہ و گل ہیں مرے، حُسنِ چمن ہے میرا
سر بسر عیب سے عاری ہے، وہ فن ہے میرا
چار پشتوں سے یہی ایک وطن ہے میرا
میں یوں ہی حقِ مودّت کو ادا کرتا ہوں
ذکرِ شبیرؑ عبادت ہے، سدا کرتا ہوں

(۵)

مرثیے میں مجھے، مجلس کا بیاں ہے منظور
اہلِ مجلس ہیں نگاہوں میں، تو دل کو ہے سرور
قدر دانانِ سخن، اہلِ نظر، اہلِ شعور
سامعیں، حُسنِ سماعت کا ہے جن میں دستور
اپنی بیماری کے جھنجھٹ کے تدارک میں ملے
اب نیا مرثیہ مجلس کے تبرک میں ملے

(۶)

م سے، مسکنِ ذکرِ شہدا ہے مجلس
ج سے، جادۂ اربابِ عزا ہے مجلس
ل سے، لذتِ تسکینِ ولا ہے مجلس
س سے، سلسلۂ رسمِ وفا ہے مجلس
ہم عزاداروں کو ہر چیز سے پیارا غم ہے
ہم اسی غم کے لیے ہیں، یہ ہمارا غم ہے

(۷)

اس کے آداب میں شامل ہے، ادب کا برتاؤ
ایسا ماحول کہ جس میں کوئی تلخی نہ تناؤ
جو بگڑ ہی نہیں سکتا کبھی، وہ اس کا بناؤ
اہلِ ایماں کو سدا رہتا ہے مجلس سے لگاؤ
چودہ صدیوں سے یہ دستورِ وفا جاری ہے
غمِ شبیرؑ میں گھر گھر یہ عزاداری ہے

(۸)

آج ہر گھر ہے بپا اہلِ خدا کی مجلس
ابتدا کیسے ہوئی کس نے بپا کی مجلس
کب ہوئی دہر میں، ذکرِ شہدا کی مجلس
گھر میں خاتمؐ کے ہوئی پہلی عزا کی مجلس
غم کی روداد پیمبرؐ تھے سُنانے والے
رونے والے تھے محمدؐ کے گھرانے والے

(۹)

سامعیں سارے ہی معصوم تھے، ذاکر معصوم
آپؐ کرتے تھے بیاں، ذکرِ حسینؑ مظلوم
کربلا، وحیِ الٰہی سے ہوتی تھی معلوم
گریۂ فاطمہ زہراؑ سے فضا تھی مغموم
شرکتِ مجلسِ غم، سیرتِ پیغمبرؐ ہے
اس لیے اور بھی یہ بزمِ عزا ہر گھر ہے

(۱۰)

نہ مکاں اس سے ہے خالی، نہ زماں خالی ہے
نہ بہار اس کے بنا ہے، نہ خزاں خالی ہے
نہ کوئی لمحۂ وقتِ گزراں خالی ہے
نہ ہو شبیرؑ کا ماتم، تو یہ جاں خالی ہے
جذبۂ غم دلِ مومن میں جواں رہتا ہے
یہ وہ دریا ہے جو ہر آن رواں رہتا ہے

(۱۱)

ہم جہاں بھی رہے، واں مجلس و ماتم بھی رہا
ذکرِ شبیرؑ رہا، دیدۂ پُر نم بھی رہا
اور بھی کام کیے، کارِ محرم بھی رہا
ذکرِ جاری رہے، یہ عزمِ مصمم بھی رہا
لائقِ دید ہے مجلس کے دوانوں کی بہار
کوئی امریکا میں دیکھے عزا خانوں کی بہار

(۱۲)

مرثیہ کی یہ مجالس کہ ہیں مجیر جاری
چڑھیں پروان، کہ بچوں کی تھی محنت ساری
دین داری نہ گئی، لاکھ ہو دنیا داری
اس عزا داری میں ہم جیتے ہیں، دنیا ہاری
کیا جواں بخت، مجالس پہ جمال آیا ہے
چشمِ بد دور، کہ اٹھارہواں سال آیا ہے

(۱۳)

کہیں امریکا میں ایسا تو ادارہ ہی نہیں
کوئی اس طرح کہیں، انجمن آرا ہی نہیں
ادب آموز عبادت ہے، خسارہ ہی نہیں
بحرِ شایستہِ غم ہے، کہ کنارہ ہی نہیں
کارِ اسلام کھلے عام کیا ہے اس نے
عام شبیر کا پیغام کیا ہے اس نے

(۱۴)

درس گاہِ ادب و مہر و محبت، مجلس
علم و تہذیب کا گھر ہے، تو ہے نعمت مجلس
چودہ سو سال پرانی ہے، روایت مجلس
خود بخود ہوگئی ہم لوگوں کی عادت مجلس
ہم میں جب تک ہے کوئی ایک متنفس باقی
فیضِ مولا سے رہیں گی یہ مجالس باقی

(۱۵)

سیلِ افکار کو تطہیر نظر ہے مجلس
جس کے آثار ہیں قائم وہ اثر ہے مجلس
مسلکِ اہلِ دل و اہلِ خبر ہے مجلس
جس میں رہتے ہیں عزادار، وہ گھر ہے مجلس
جس سے ہوتا ہے ادا، اجرِ رسالت یہ ہے
جو سمجھ بوجھ کے ہوتی ہے، عبادت یہ ہے

(۱۶)

ذکرِ شبیرؑ سے روشن ہی رہے، گھر کے چراغ
کبھی آئی نہ خزاں جس میں یہی تو ہے وہ باغ
اس عبادت سے تو ہم نے کبھی پایا نہ فراغ
اسی مجلس سے بنے دل، اسی مجلس سے دماغ
دل کی ٹھنڈک ہے دماغوں میں تری رکھتی ہے
کشتِ ایماں تو بہ ہر رنگ ہری رکھتی ہے

(۱۷)

اپنی تہذیب و تمدن ہیں، سماج اپنے ہیں
پہنچی پرکھوں سے ہیں صدیوں سے رواج اپنے ہیں
ہے مودت کا جو دعوٰی تو خراج اپنے ہیں
مجلسیں اپنی طبیعت ہیں، مزاج اپنے ہیں
اس طبیعت کا کوئی غیر تو حامل ہی نہیں
یہ سعادت تو کسی اور کو حاصل ہی نہیں

(۱۸)

اہلِ دل جانتے ہیں خوب کہ کیا ہے مجلس
درد جس دل میں ہے، اس دل کی دوا ہے مجلس
خیر ہی خیر ہے، خالق کی رضا ہے مجلس
ہم عزاداروں کی توفیقِ وفا ہے مجلس
ہم تو رہتے ہی نہیں ہیں کہیں مجلس کے بغیر
شادیاں اپنے گھروں کی نہیں مجلس کے بغیر

(۱۹)

چاند دیکھا جو مُحرم کا تو گھر گھر مجلس
کبھی رکتی نہیں، جاری ہے برابر مجلس
ہے محلوں میں بھی اور شہر کے باہر مجلس
عشرۂ ماہِ محرم میں تو، دن بھر مجلس
من اسی موج پہ بہتا ہے کہ مجلس میں چلو
دل سے جیسے کوئی کہتا ہے کہ مجلس میں چلو

(۲۰)

کسی محفل کو کبھی اس طرح برتا ہی نہیں
جی تو مجلس سے کسی حال میں بھرتا ہی نہیں
وقت مجلس کے بنا اپنا گزرتا ہی نہیں
دل کہیں جانے کی ضد اور تو کرتا ہی نہیں
کون سی بزم تھی ایسی کبھی ہم جس میں گئے
ایک مجلس سے اٹھے، دوسری مجلس میں گئے

(۲۱)

دور وحشت سے بہت ہے، یہ محبت کی فضا
ساری دنیا سے الگ، اپنی طبیعت کی فضا
اہلِ دانش کے لیے فہم و فراست کی فضا
اے خوشا، جوشِ ولا! حسنِ عقیدت کی فضا
لب پہ ذاکر کے جہاں نامِ حسینؑ آتا ہے
اہلِ مجلس کے دلوں کو وہیں چین آتا ہے

(۲۲)

رونقِ محفلِ اربابِ وفا ہے مجلس
مظہرِ رنگِ دلِ اہلِ ولا ہے مجلس
غم کی تہذیب ہے، تسکینِ عزا ہے مجلس
الفتِ آلِ محمدؐ کی، عطا ہے مجلس
شورِ طوفان وحوادث میں، کنارہ بھی یہی
چشمِ گریاں کی قسم، آنکھ کا تارہ بھی یہی

(۲۳)

ہم عزاداروں کی پہچان ہے ماتم مجلس
ہم وِلا والوں کے زخموں کا ہے مرہم مجلس
ہم کو ہوتی ہے ہر اک شے سے مقدم مجلس
ہم سے مجلس ہے تو سمجھو کہ جہاں ہم، مجلس
ہم کو معلوم ہے کس کس کی دعا لیتے ہیں
کتنے ہاتھوں سے وفاؤں کا صلہ لیتے ہیں

(۴۴)

فرشِ مجلس پہ جو بیٹھے ہیں، یہ اربابِ عزا
آزمائی ہے زمانے نے بہت ان کی وفا
ان کو بھاتی ہے بہت مجلس و ماتم کی فضا
ان کی روحوں کو ملا کرتی ہے مجلس سے غذا
درِ مولا کے بھکاری ہیں، تولّائی ہیں
بغضِ دشمن سے ہے اتنا کہ تبرائی ہیں

(۴۵)

یہ عزادار ہمیشہ یونہی آباد رہیں
جز غمِ شاہ ہر اک رنج سے آزاد رہیں
صاحبِ علم رہیں، صاحبِ اولاد رہیں
خوش عقیدہ بھی سدا صورتِ اجداد رہیں
حق کے ساتھی ہیں تو ناحق سے نمٹتے جائیں
یا علیؑ کہہ کر زمانے کو اُلٹتے جائیں

(۴۶)

سوز خوانی ہے اذاں جس کی، یہ مجلس وہ نماز
عامِ موسیقی سے ہٹ کر ہے جُدا، اِک انداز
آس دیتے ہوئے بازو بھی ہیں کیا خوش آواز
انترا ایک ہے، لے ایک ہے، ایسے دم ساز
منتخب مرثیہ و سوز و سلام ایسا ہے
دل میں اترا چلا جاتا ہے کلام ایسا ہے

(۴۷)

سوز خوانوں کی پڑھت خوب ہے، ماشاء اللہ
سُر ملاتے ہیں جو بازو تو وہ سنگت ہے کہ واہ
لے میں ڈوبی ہوئی آوازوں کا آپس میں نباہ
سوز پُرسوز بہت، بین کی بندش ہے کہ آہ
پانچ سو سال روایت ہے پُرانی ان کی
جی کو بھاتی ہے بہت مرثیہ خوانی ان کی

(۴۸)

پیش خوانی کی بھی مجلس میں روایت ہے قدیم
مبتدیوں کو عطا کرتی ہے یہ ذوقِ سلیم
داد ملتی ہے تو کرتے ہیں یہ جھک کر تسلیم
دُہرا ملتا ہے جو ہوتا ہے تبرک تقسیم
کب کسی اور کو بے حرفِ طلب ملتا ہے
جو انہیں منبرِ مجلس سے ادب ملتا ہے

(۴۹)

جب کیے نصب عقیدت نے محبت کے خیام
تب ہوا مرثیہ گوئی کا زمانے میں قیام
کون پاتا وہ شرف جو ملا دعبل کو مقام
وہ تھا منبر پہ، ادھر فرشِ عزا پہ تھے امام
مرثیہ گو کی ہوئی بندہ نوازی ایسی
کس نے پائی ہے بھلا قدر شناسی ایسی

(۴۰)

خوب ہے اہلِ خطابت کا بھی اندازِ بیاں
بعد خطبہ کی تلاوت کے وہ پڑھنا قرآں
کر کے تفسیر مطالب کو بنانا عنواں
پھر رواں ہوتا ہے، دریائے علوم دوراں
واں درِ علم سے طالب[1] کو زباں ملتی ہے
یاں ہمیں دانشِ افکار جہاں ملتی ہے

(۴۱)

مرکزِ مجلسِ غم میں زنگاہِ ترتیب
خاص جو صاحبِ منبر ہے وہ مجلس کا خطیب
اہلِ مجلس میں بھی رہتا ہے یہی سب کے قریب
جس کو اللہ دے توفیق یہ اُس کا ہے نصیب
کسی مجلس میں جو اطہر[2] کی زباں کھلتی ہے
ایسا لگتا ہے کہ دانش کی دکاں کھلتی ہے

(۴۲)

کہاں علّامہ تُرابی[3] سا ہے ماہر کوئی
نہ خطیب ایسا ملا اور نہ مقرر کوئی
اُس سے اچھا نہ تھا لفظوں کا مصور کوئی
ایسا اعجازِ بیاں ہو نہ سکا پھر کوئی
عمر بھر سَر پہ تھا شبیرؑ کے غم کا سایہ
اب بھی تربت پہ ہے غازی کے علَم کا سایہ

---

[1] علامہ طالب جوہری [2] خطیب اکبر مرزا محمد اطہر [3] خطیب پاکستان علامہ رشید ترابی مرحوم

(۴۳)

یوں تو منبر پہ بہت فیض رساں ملتے ہیں
علم و دانش کے بڑے کوہِ گراں ملتے ہیں
ایک سے ایک خطیبوں کے بیاں ملتے ہیں
فکر سے علم نکالیں وہ کہاں ملتے ہیں
اس بلندی پہ نظر ایک وہی آتے ہیں
چشمِ بد دور عقیل[1] الغروی آتے ہیں

(۴۴)

کچھ مقرر ہیں جو ہیں حرف و بیاں سے معذور
نہ تلفظ کا پتا ہے، نہ معانی کا شعور
شعر ناموزوں ہی پڑھتے ہیں، پہ پڑھتے ہیں غرور
باوجود اس کے بھی علّامہ ہیں خاصے مشہور
کاش سمجھیں کہ یہاں حسنِ بیاں لازم ہے
مجلسوں کے لیے بے عیب زباں لازم ہے

(۴۵)

بات میں کوئی تنوع نہ بیاں کا معیار
وہی فرسودہ سے جملے، وہی کہنہ افکار
غلطی ہائے مضامین و زباں کے انبار
پاسِ توقیرِ عزا اِن کو نہ منبر کا وقار
اہلِ منبر کا تو ہر لفظ سند ہوتا ہے
صحت و حسن کے معیار کی حد ہوتا ہے

---

[1] سیّدالعلما جناب سیّد عقیل الغروی

(۳۶)

زینتِ مجلس و منبر ہے ثنائے حیدر
ایک انعام ہے خالق کا ولائے حیدر
جینا، مرنا ہے سبھی اپنا برائے حیدر
ہے خدا بھی وہی اپنا جو خدائے حیدر
کس نے توحید کو سمجھا کہ خدا کیسا ہے
میرے مولا نے بتایا کہ خدا ایسا ہے

(۳۷)

وہ جو ہے نہجِ بلاغہ میں وہ توحید ہے اور
معرفتِ حق کی جو دیتی ہے وہ تمہید ہے اور
ٹمٹماتے سے ستارے بھی ہیں، خورشید ہے اور
ان مضامین کی تم کو کہیں امید ہے اور
جس میں امکانِ جسد ہو، وہ خدا ہے ہی نہیں
جس میں تاویلِ عدد ہو، وہ خدا ہے ہی نہیں

(۳۸)

ذکرِ حیدرؑ کیا مجلس میں کہ یہ تھا حکمِ رسولؐ
اہلِ حق نے کیا اس حکم کو بھی دل سے قبول
چھوڑ دیں ذکرِ علیؑ ہم کبھی کرتے نہیں بھول
اپنی ہر بزم میں کھلتے ہیں سدا مدح کے پھول
مدح مولا کے جو پھولوں کی مہک آتی ہے
چہرے کھل اُٹھتے ہیں آنکھوں میں چمک آتی ہے

(۳۹)

دل بڑھاتا ہے بہت جذبۂ الفت اپنا
ماند پڑتا ہی نہیں ذوقِ مودّت اپنا
ضائع ہوتا ہی نہیں لمحۂ فرصت اپنا
رنگ لاتا ہے بہت جوشِ عقیدت اپنا
ذکر مولا کا کبھی کم نہیں ہونے پاتا
نقشِ دل ہے کبھی مدّھم نہیں ہونے پاتا

(۴۰)

ذکرِ مولا کا یہ مطلب ہے کہ شامل ہے درود
دولتِ مدح الگ ہے، زرِ فاضل ہے درود
جسم ہے مدحِ علیؑ، جانِ فضائل ہے درود
دم جہاں لیتی ہے مجلس، وہی منزل ہے درود
اُس کے محبوب کی اس میں جو ثنا شامل ہے
اس عبادت میں بہرحال خدا شامل ہے

(۴۱)

ہو جو طوفانِ بلاخیز، تو ساحل ہے درود
لعنِ دشمن کے لیے، اس کے مقابل ہے درود
شکر معبود کا کرتے ہیں کہ حاصل ہے درود
اپنی تو ساری عبادات میں شامل ہے درود
فاتحہ، نوحہ، زیارات کی سوغات بہت
ایک مجلس کی عبادت میں عبادات بہت

(۴۲)

یوں ہی کیا جان و دلِ اہلِ نظر ہیں مولا
حق اسی سمت تو ہوتا ہے جدھر ہیں مولا
شام کو بغض ہے جس سے، وہ سحر ہیں مولا
چھاؤں ایمان ہے جس کی، وہ شجر ہیں مولا
نام میں بھی وہ علو ہے کہ علیؑ ہوتا ہے
اس کا مہمل بھی پکارو تو ولی ہوتا ہے

(۴۳)

نام ہی اس قدر اعلیٰ ہے کہ اعلیٰ ہے علیؑ
چاہنے والوں کی ہر آنکھ کا تارا ہے علیؑ
جو ڈبو دیتا ہے طوفان، وہ دھارا ہے علیؑ
جس سے سیرابیِ ایماں ہے، وہ دریا ہے علیؑ
اہلِ ایماں کا ہے گھر گھاٹ، یہیں رہتے ہیں
ان کے ہوتے ہیں یہیں ٹھاٹ، یہیں رہتے ہیں

(۴۴)

ساری دنیا پہ ہے جس گھر کی فضیلت، وہ گھر
جس سے ہاتھ آتی ہے ایمان کی دولت، وہ گھر
جس سے سادات نے پائی ہے سیادت، وہ گھر
ختم ہوتی ہے جہاں آ کے نبوت، وہ گھر
اسی گھر آئی ہے، تطہیر، طہارت وہ ہے
جو قیامت سے ملی جا کے، امامت وہ ہے

(۴۵)

فخر کعبہ کو رہے جس پہ، ولادت ایسی
دیکھنا جس کا عبادت بنے، صورت ایسی
چیر دے کلّۂ اژدر کو جو، طاقت ایسی
پہلا منظر بھی چُنے آنکھ، بصارت ایسی
آیے دنیا میں تو ہرگز نہ کسی کو دیکھا
کھول کر آنکھ جو دیکھا، تو نبیؐ کو دیکھا

(۴۶)

لافتا جس کا تعارف ہے، شجاعت ایسی
بڑھ کے عالم کی عبادت سے ہو، ضربت ایسی
جو سلونی کے ہے منبر سے، خطابت ایسی
بچ گیا شیخ ہلاکت سے، عدالت ایسی
کس طرح عہد خلافت کا گزارا جاتا
یہ نہ ہوتے، تو وہ بے موت ہی مارا جاتا

(۴۷)

یہ اگر چاہیں تو دہلیز پہ تارا اُترے
تارا کیا چیز ہے، مہر جہاں آرا اترے
حضرتِ نوحؑ کے طوفاں میں کنارا اُترے
طورِ سینا پہ دوبارا، وہ نظارا اُترے
ہوش کھو دیتے ہیں موسیٰ تو بھلا کیا دیکھیں
یہ تو معراج کے جلووں کا نظارا دیکھیں

(۴۸)

بیوی خاتونِ جناں جس کی ہیں ایسے شوہر
بیٹے سرادارِ جناں جس کے ہیں ایسے ہیں پدر
بھائی ہیں ختمِ رسل، خود ابوطالبؑ کے پسر
ساری دنیا میں دکھاؤ تو کوئی ایسا گھر
روٹیاں عرش پہ اس گھر سے اُتر جاتی ہیں
سورۂ دہر کی آیات اتر آتی ہیں

(۴۹)

دیں پھلا پھولا ہے بُستانِ ابوطالبؑ میں
گردنیں خم کرو، احسانِ ابوطالبؑ میں
مصطفیؐ پل گئے دامانِ ابوطالبؑ میں
پھر بھی شک ہے تمھیں ایمانِ ابوطالبؑ میں
جو ملا اپنے ہی پُرکھوں سے مِلا ہے تم کو
شک کا آزار بزرگوں سے مِلا ہے تم کو

(۵۰)

دین شرمندۂ احسانِ ابوطالبؑ ہے
جو مسلماں ہے، مسلمانِ ابوطالبؑ ہے
پوچھو ایمان سے، کیا شانِ ابوطالبؑ ہے
میرا ایمان ہی، ایمانِ ابوطالبؑ ہے
فخرِ اجداد ہُوا، یوں بھی کسی کا بیٹا
کُلِ ایماں جو کوئی ہے، تو اسی کا بیٹا

(۵۱)

ہم تو رہتے ہیں، خیابانِ ابوطالبؑ میں
آنکھ کھولی ہے، شبستانِ ابوطالبؑ میں
چین ملتا ہے، تو ایوانِ ابوطالبؑ میں
سانس لیتے ہیں، گلستانِ ابوطالبؑ میں
پاؤں ہم ظلم کی وادی میں نہیں دھر سکتے
محسنِ دیں کو فراموش نہیں کرسکتے

(۵۲)

چہرۂ حق مرے مولا ہیں، یداللہ بھی ہیں
حلِ مشکل کی گھڑی میں مدد اللہ بھی ہیں
عین اللہ علیؑ ہیں، اسد اللہ بھی ہیں
وہ ہے بے جسم، مگر یہ جسد اللہ بھی ہیں
رزق وہ دیتا ہے، تقسیم یہی کرتے ہیں
نام اللہ کا ہے، کام علیؑ کرتے ہیں

(۵۳)

پوچھنا مت یہ نصیری سے، علیؑ کیسے ہیں
اہلِ مجلس ہی بتا دیں گے علیؑ ایسے ہیں
جیسے معصوم پیمبرؐ ہیں، علیؑ ویسے ہیں
یہ محمدؐ کی طرح ہیں، وہ علیؑ جیسے ہیں
نور ہے ایک تو سایے کو لیے کیونکر ہیں
لگتا ہے جسمِ خدا سایۂ پیغمبرؐ ہیں

(۵۴)

قربِ اللہ و پیمبرؐ کا ہے، قربت ان کی
سُرخ رو کر گئی اسلام کو، نصرت ان کی
جس کی بنیاد ہے حق، وہ ہے سیاست ان کی
مثلِ پیغمبرِ اکرم تھی خلافت ان کی
وقت جب سیرتِ شیخین کو ٹھکرانے لگا
ہر گھڑی عہدِ پیمبر کا مزا آنے لگا

(۵۵)

میرے خوابوں کی بھی تعبیر پہ مجلس ہوگی
متنِ قرآن پہ، تفسیر پہ مجلس ہوگی
نیک بختی بری تقدیر پہ مجلس ہوگی
روضۂ حضرتِ شبیرؑ پہ مجلس ہوگی
چشمِ امید میں کچھ اور ہی منظر ہوں گے
قائمِ آلِ محمدؐ سرِ منبر ہوں گے

(۵۶)

آج جیسا ہے، تب ایسا تو نہیں ہوگا عراق
کوئی آئے گا جو بدلے گا نظامِ آفاق
صبحِ وصل آتی ہے، جانے کو ہے یہ شامِ فراق
سب حسابِ دل و جاں، جلد ہی ہوگا بے باق
ہوے گی تاخت، اب ان ظلم کے ایوانوں کی
موت آنے ہی کو ہے وقت کے شیطانوں کی

(۵۷)

دن کسے کہتے ہیں، شب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
یہ عجم کیا ہے، عرب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
کیا ہے معمول، عجب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
ہو رہا ہے جو یہ سب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
خودکشی سے بھی مریں آپ، تو رہتے ہیں شہید
آپ صدّام سے ظالم کو بھی کہتے ہیں شہید

(۵۸)

کیا ہے اخلاق، ادب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
لُطف کیا شے ہے، غضب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
آپ کا حُسنِ طلب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
آپ کی فکر کا ڈھب کیا ہے، یہ ہم جانتے ہیں
آپ جو چاہتے ہیں، اُس سے تو، معذور ہیں ہم
آپ کی فکرِ اساسی سے بہت دُور ہیں ہم

(۵۹)

فیضِ مجلس ہے کہ مظلوم کے غم خوار ہیں ہم
فیضِ مجلس ہے کہ اس گھر کے عزادار ہیں ہم
فیضِ مجلس ہے کہ غافل نہیں، ہشیار ہیں ہم
فیضِ مجلس ہے کہ تھوڑے بھی تو بسیار ہیں ہم
اتنا ہلکا بھی تو اب آپ نہ سمجھیں ہم کو
یوں ہی اُڑنے کے نہیں، بھاپ نہ سمجھیں ہم کو

(۶۰)

اسی مجلس کے تو صدقے میں سرافراز ہیں ہم
جسے دنیا نہ دبا پائی، وہ آواز ہیں ہم
اک الگ سوچ ہیں ہم اک الگ انداز ہیں ہم
جادۂ حق کے مسافر ہیں تو جانباز ہیں ہم
ہوش میں آؤ گے جب تم، تو ہمیں مانو گے
اُتنا پھر مانو گے جتنا ہمیں پہچانو گے

(۶۱)

فیضِ مجلس سے ہیں، ایثار کا پیکر بچے
فیضِ مجلس سے بنے ہیں مہ و اختر بچے
فیضِ مجلس سے بڑوں کے ہیں برابر بچے
فیضِ مجلس ہی سے ہوتے ہیں قدآور بچے
فیضِ مجلس ہے کہ یہ جانتے ہیں یہ کیا ہیں
اپنے دشمن کو بھی پہچانتے ہیں، یہ کیا ہیں

(۶۲)

ایک مجلس ہے ہماری کہ عجب جس کی ہے آن
نہ تکلف، نہ تواضع، نہ تبرک کا نشان
نہ کوئی فرش نہ قالین، نہ روشن ہے مکان
فرشِ خاک اور اندھیرا ہی ہے اس کی پہچان
روزِ عاشور قیامت کی جو شام آتی ہے
مجلسِ شامِ غریباں ہی کے نام آتی ہے

(۶۳)

مجلسِ شامِ غریباں کا یہی ہے دستور
اور کرتے بھی تو کیا ہوگئے دل سے مجبور
وہ قیامت کا سماں اور وہ شامِ عاشور
اُف وہ محشر کی گھڑی کیوں نہیں پھونکا گیا صور
خیمے سب جل چکے، رہنے کو کوئی گھر بھی نہیں
بیبیاں لُٹ گئیں، سَر پہ کوئی چادر بھی نہیں

(۶۴)

سُونا جنگل ہے، اندھیرا ہے، کوئی پاس نہیں
علی اکبر نہیں، قاسم نہیں، عبّاس نہیں
بے سہارا ہوئے ایسے کہ کوئی آس نہیں
بچے یوں سہمے کہ اب پیاس کا احساس نہیں
ہائے کیسی گھڑی قسمت نے دکھائی رَن میں
لُٹ گئی فاطمہ زہراؑ کی کمائی رَن میں

(۶۵)

بیبیاں بیٹھی ہیں میدان میں، خاموش ہے رَن
دشتِ غربت ہے، اندھیرا ہے، بہت دور وطن
کوئی ہمدرد نہیں ہوگئی دنیا دشمن
لاشے انصار و اعزہ کے ہیں بے گور و کفن
ہائے اولادِ نبیؐ اور مصیبت ایسی
کسی دشمن پہ بھی ٹوٹے نہ قیامت ایسی

(۶۶)

اب نہ بیٹا ہے، نہ بھائی، نہ بھتیجا کوئی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کرے کیا کوئی
وہ اندھیرا ہے، نہیں سوجھتا رستہ کوئی
جس سے ڈھارس بندھے، باقی نہیں ایسا کوئی
آپ کی آل پہ یہ رات بہت بھاری ہے
یاعلیؑ! آؤ کہ اب وقتِ مددگاری ہے

(۶۷)

دشتِ غربت میں ہوئیں ماؤں کی گودیں خالی
گود کے پالوں کی لاشوں کی ہوئی پامالی
سر پہ وارث ہے کسی کا، نہ کسی کا والی
کون ایسا ہے کہ ایسے میں کرے رکھوالی
سوئے مقتل میں سبھی دیکھنے والے ان کو
کون زینبؑ کے سوا اور سنبھالے ان کو

(۶۸)

یاعلیؑ! کہہ کے پھر اُٹھی جو علیؑ کی بیٹی
سب کو یکجا کیا، اک ایک کی صورت دیکھی
سسکیاں لیتی تھی کوئی، کوئی آہیں بھرتی
دیکھا بچوں کو تو ایک اُن میں سکینہ ہی نہ تھی
ڈھونڈھا پہ جان و دلِ شاہِ مدینہ، نہ ملی
جلے خیموں کو بھی دیکھا، پہ سکینہ نہ ملی

(۶۹)

پوچھا ایک ایک سے لیکن نہ خبر کچھ پائی
ہول اُٹھنے لگے دل میں، تو بہت گھبرائی
ڈھونڈتی ڈھونڈتی مقتل کی طرف جب آئی
بھائی کے لاشۂ بے سَر سے یہ آواز آئی
میری ماں جائی کِدھر ہو، اِدھر آؤ زینبؑ
میرے سینے سے سکینہ کو اُٹھاؤ زینبؑ

(۷۰)

بھائی کی لاش پہ پہنچی جو بہن دُکھیاری
باپ کے سینے سے لپٹی تھی غموں کی ماری
دل مصیبت سے پھٹا، ہوگئے آنسو جاری
پیار کرکے کہا بیٹا، یہ پھوپھی ہو واری
کس طرح گزرے گی مقتل میں شب، اُٹھو بی بی!
ماں چلی آئے نہ مقتل میں، اب اُٹھو بی بی!

(۷۱)

جلے خیموں کے قریں ریت پہ بیٹھے ہیں حرم
وارثوں کا کہیں ماتم، کہیں اولاد کا غم
آہ و زاری کی صداؤں میں وہ گریۂ پیہم
بیبیاں دور سے آتی نظر آئیں یک دم
صاف چہروں پہ تو احساسِ پشیمانی ہے
کچھ غذا ہاتھوں میں کھانے کو ہے، کچھ پانی ہے

(۷۲)

ایک بی بی نے کیا بڑھ کے یہ زینبؑ سے کلام
اُس کی بیوہ ہوں مَیں، حُر تھا جو شہِ دیں کا غلام
آپ کے فضل و کرم سے ہُوا، کیا نیک انجام
حاضری لائی ہوں، لے لیجیے یہ نذرِ امام
تھک کے سوتے ہیں جو ریتی پہ ترا سے بچّے
جانتی ہوں ہیں کئی روز سے پیاسے بچّے

(۷۳)

دیکھا پانی تو حرم میں ہوا کہرام بپا
پیاسے مارے گیے انصار و عزیز و رفقا
جام پانی کا جو زینبؑ نے سکینہؑ کو دیا
چلی مقتل کو وہ کہتی ہوئی، ہائے بابا!
پیاس کا اصغرؑ بے شیرؑ شناسا ہے بہت
میرا چھ ماہ کا بھائی بھی تو پیاسا ہے بہت

تیرھواں مرثیہ

تصنیف ۲۰۰۸ء
عنوان کتاب
تعدادِ بند ۶۲
مطلع ؎ خواہش یہ ہے قلم کی کہ ذکرِ کتاب ہو

(۱)

خواہش یہ ہے قلم کی کہ ذکرِ کتاب ہو
جو کچھ لکھے وہ پیشِ خدا باریاب ہو
لفظوں میں روشنی کی نئی آب و تاب ہو
کوئی ہو ماہتاب، کوئی آفتاب ہو
سب رُخِ حیات کے ہیں فروزاں کتاب سے
ہوتا ہے زندگی میں چراغاں کتاب سے

(۲)

ہو ذکر مرثیے کی زباں میں کتاب کا
پیری میں کیا مزہ ہے سخن کے شباب کا
حسنِ خیال ہے کہ ہے نشہ شراب کا
دل لطف لے رہا ہے سوال و جواب کا
میں دل سے پوچھتا ہوں، بتا کیا کتاب ہے
کہتا ہے دل کہ علم کا تحفہ کتاب ہے

(۳)

تحریر کر رہا ہوں، فضیلت کتاب کی
پیشِ نظر ہے حرمت و عزت کتاب کی
ہر مفلسی کی موت ہے، دولت کتاب کی
بڑھتی ہی جا رہی ہے، ضرورت کتاب کی
فیض اس کا حرف حرف میں ہے باب باب ہے
تسخیر کائنات کی موجب، کتاب ہے

(۴)

تسخیر کائنات، کتابوں کے دَم سے ہے
جس نے لکھی کتاب، یہ اُسی کے قلم سے ہے
جو کچھ بھی ہے، وہ علم کے ابرِ کرم سے ہے
کل کچھ نہیں تھا آج وجودِ عدم سے ہے
فکرِ بشر علوم کی جو ہمرکاب ہے
پس جو بھی ہے، وہ علم کے پانی کی آب ہے

(۵)

میری جو منقبت کی نئی آئی ہے کتاب
دو ماہ کا وہ وقت، مری جان کا عذاب
دن تھے صعوبتوں کے، تو راتیں بغیر خواب
جو کام ٹھیک کرتے تھے ہوجاتا تھا خراب
بے سمت محنتیں تھیں تو تھک تھک کے چور تھے
جتنا بھی بڑھتے جاتے تھے، منزل سے دور تھے

(۶)

کچھ ناگہانیوں کے سبب، اضطراریاں
کچھ لفظِ اعتبار کی، نااعتباریاں
ناسازگاریوں میں بھی، امیدواریاں
کوشش یہ تھی کہ ہوں نہ کہیں ناگواریاں
ہم بے لحاظ ہو کے رہیں، ہم سے دور تھا
احباب کا خیال بھی رکھنا ضرور تھا

(۷)

وہ دوستوں، عزیزوں کی خدمت گزاریاں
پاسِ وفا میں اپنی بھی کچھ وضعداریاں
انچولی کے وہ پائے، کباب اور نہاریاں
جو ذمہ داریاں نہ تھیں، وہ ذمہ داریاں
اپنے وطن میں، اپنے پرانے دیار میں
بے اختیاریاں ہی رہیں اختیار میں

(۸)

کچھ بھی نہ تھا ابھی، سر و سامانِ مرثیہ
آیا خیالِ محشرِ میدانِ مرثیہ
سوچا اٹھائیں چل کے قلمدانِ مرثیہ
تب طے کیا، کتاب ہو عنوانِ مرثیہ
سرمایۂ سخن جو بنایا "کتاب" کو
خود دل نے داد دی نظرِ انتخاب کو

(۹)

لوح و قلم، کتاب کا پہلا وجود ہے
اس کا وجود غیب ہے ایماں شہود ہے
جب جس کی بھی، جہاں بھی، کوئی ہست و بود ہے
لوح و قلم کے ظرف میں اس کی نمود ہے
تنظیمِ کائنات، الٰہی نظام ہے
بے عیب اس لیے ہے، کہ خالق کا کام ہے

(۱۰)

ہے کائنات خلق کی تحریر، لوح پر
لکھی ہوئی ہر ایک کی تقدیر لوح پر
خوابوں کے ساتھ، خوابوں کی تعبیر لوح پر
ہر ایک شے کی، جیسے ہو تفسیر لوح پر
جس نے پڑھا اسے، وہی محبوبِ رب ہوا
علمِ کتاب سے وہی اُمّی لقب ہوا

(۱۱)

کیا ہے، جو شش جہات میں ہے لوح پر نہیں
کیا ہے، جو دن میں رات میں ہے، لوح پر نہیں
کیا ہے وہ، جو حیات میں ہے، لوح پر نہیں
کیا ہے جو ممکنات میں ہے لوح پر نہیں
ناممکن و وجود و عدم، سب ہیں لوح پر
کون و مکاں، قدم بہ قدم، سب ہیں لوح پر

(۱۲)

اندیشہ و گمان و یقیں، سب ہے لوح پر
سب خشک وتر، زمان و زمیں، سب ہے لوح پر
جو کچھ بھی ہے بعید و قریں، سب ہے لوح پر
ہر ہے کا ہے، نہیں کا نہیں، سب ہے لوح پر
سب کچھ ہے اس میں اکمل وکامل، یہ لوح ہے
خالق کے اعتبار کی حامل، یہ لوح ہے

(۱۳)

قرآن جس کو کہتے ہیں، اُم الکتاب ہے
اُتری ہے آسمان سے رفعت مآب ہے
اس کو طہارتوں میں سمونا ثواب ہے
طاہر اگر نہ ہوں، اسے چھونا عذاب ہے
دیکھا جو ظرفِ علمِ رسالت مآب کو
خالق نے ان پہ کردیا نازل کتاب کو

(۱۴)

کیا کیا کیے ہیں کارِ نمایاں کتاب نے
حیراں کیا ہے دیدۂ حیراں کتاب نے
مُردوں کو جان بخشی ہے بے جاں کتاب نے
کیسے بدل کے رکھ دیے انساں کتاب نے
ہر خشک تر کا علم ہے اُس کی کتاب میں
تب تو ہے شہرِ علم، رسالت مآب میں

(۱۵)

ایسے عرب کہ جن کی طلاقت کے سامنے
عالم عجم تھا جن کی فصاحت کے سامنے
جُھک کر گرے کتاب کی عظمت کے سامنے
زُعمِ زباں فنا ہوا، آیت کے سامنے
سورہ نہ ایک لا سکا کوئی، جواب پر
خالق بھی فخر کرتا ہے، اپنی کتاب پر

(۱۶)

جو کچھ بھی کائنات کی لوحِ جبیں میں ہے
جو کچھ مزاجِ دہر کی، ہاں اور نہیں میں ہے
جو کچھ حصارِ عالمِ دنیا و دیں میں ہے
سب کچھ کتاب میں ہے، امامِ مبیں میں ہے
قرآن، جانتا ہوں، خدا کی کتاب ہے
پھر بھی نہیں کہوں گا، کہ کافی کتاب ہے

(۱۷)

دیتی نہیں ہے کام، اکیلی کبھی کتاب
اللہ کی کتابوں میں سب سے بڑی کتاب
جتنی پڑھی گئی ہے، یہ اللہ کی کتاب
اتنی پڑھی نہیں گئی، شاید کوئی کتاب
تشریح ہوگی کس طرح، شارع کے کام کی
ہے اس لیے جہاں کو ضرورت امام کی

(۱۸)

ہوتی ہے قند جن کی سماعت میں قرأتیں
قاری کو حفظ کرنے کی آسان محنتیں
بچوں کو دیکھ دیکھ کے بڑھتی ہیں ہمتیں
اس کا مطالعہ ہی بڑھاتا ہے قامتیں
اللہ کے کلام کی رفعت لیے ہوئے
اُتری ہے آسماں سے بشارت لیے ہوئے

(۱۹)

لکھے ہوئے چھپے ہوئے اوراق ہیں کتاب
جن سے سبق ملا ہے، وہ اسباق ہیں کتاب
انسان کی فلاح کو اخلاق ہیں کتاب
جتنے نبی ہیں سب علی الاطلاق ہیں کتاب
انسانیت کے درس دیے ہیں کتاب نے
پیغمبری کے کام کیے ہیں کتاب نے

(۲۰)

جاہل کو اس نے عالمِ دوراں بنا دیا
کافر کو اس نے رشکِ مسلماں بنا دیا
بے معرفت کو صاحبِ عرفاں بنا دیا
ناممکناتِ دہر کو امکاں بنا دیا
پیاسے جہاں کو چشمۂ زمزم کتاب ہے
انسانیت کی محسنِ اعظم کتاب ہے

(۲۱)

دُنیا کے عرض و طول کو آسان کردیا
بنجر زمیں میں پھول کو آسان کردیا
زرد زرد ہوا، قبول کو آسان کردیا
کچھ اس قدر حصول کو آسان کردیا
رکھتا نہیں ہے کوئی، تجوری کتاب کی
آسان ہے اگر تو ہے چوری کتاب کی

(۲۲)

کتنی کتابیں لکھی گئیں، کچھ خبر نہیں
تحقیق تو ہوئی ہے، مگر اس قدر نہیں
اس بات پہ سب اہلِ نظر کی نظر نہیں
کم ہیں اب ایسے گھر، جو کتابوں کے گھر نہیں
سلجھائیں گتھیاں جو بہت کائنات کی
آسان کرتی رہتی ہے مشکل حیات کی

(۲۳)

صدیوں طویل، علم کا وہ جہل سے جہاد
دنیائے ظلم و جہل کا وہ علم سے عناد
وہ روشنی کے شہر میں ظلمت کا انجماد
بھڑکا رہی تھی آگ جو اک بادِ نامراد
بغداد کی وہ آگ قیامت تھی، قہر تھا
وہ شہر راکھ تھا، جو کتابوں کا شہر تھا

(۴۴)

ہے جہل موت، جہل کا درماں کتاب ہے
تیرہ شبی میں شمعِ فروزاں کتاب ہے
ہر اک افق کی نیّرِ تاباں کتاب ہے
کافر بھی جس پہ لائے ہیں ایماں، کتاب ہے
سب محترم ہی جو ہیں مصنّف کتاب کے
نابود ہیں جہاں سے مخالف کتاب کے

(۴۵)

دُنیا کو کتنے خواب، دکھائے کتاب نے
تعبیر کے ثمر بھی لگائے، کتاب نے
سوتے ہوئے ضمیر جگائے کتاب نے
دل میں لبی، دماغ بنائے کتاب نے
طوفانِ زندگی میں کنارا کتاب ہے
پانی ہے جس کا علم، وہ دھارا کتاب ہے

(۴۶)

دنیا کو انقلاب دیے ہیں کتاب نے
ظلمت کو آفتاب دیے ہیں کتاب نے
سب درس باب باب دیے ہیں کتاب نے
ہر ہر چمن گلاب دیے ہیں کتاب نے
رونق جو ہے زمین میں یا آسمان میں
یہ فیض ہے کتاب کا، دُنیا جہان میں

(۴۷)

ماضی کی ہے کتاب کوئی حال کی کتاب
منکر نکیر لکھتے ہیں، اعمال کی کتاب
تفسیر کی، حدیث کی، اقوال کی کتاب
میرؔ و نظیرؔ و غالبؔ و اقبالؔ کی کتاب
وہ جن سے زندگی کو مذاقِ ادب ملے
شائستگی کی راہ پہ چلنے کا ڈھب ملے

(۴۸)

جویائے علم کے لیے، گھر ہے، کتاب میں
ہر بند راہ کے لیے، در ہے کتاب میں
اک کہکشانِ شمس و قمر ہے کتاب میں
اِک کائناتِ فکر و نظر ہے کتاب میں
بہتا ہے علم جس سے وہ دریا کتاب ہے
دُنیا میں ہر مرض کی مسیحا کتاب ہے

(۴۹)

فرسودہ داستانوں کی تجدید اس نے کی
تائید اس نے کی، کبھی تردید اس نے کی
اپنے معاشرے پہ بھی تنقید اس نے کی
تاکید کرچکی تو پھر امید اس نے کی
سب فیصلے کیے ہیں بہت دیکھ بھال کے
لفظِ گماں کو پھینک دیا ہے نکال کے

(۴۰)

وہ آسمان کی ہوں کہ باتیں زمین کی
جلتی نہیں ہے اب کسی کوتاہ بین کی
پیشِ نظر فلاح ہے دنیا و دین کی
قاری کو اس نے بخشی ہے دولت یقین کی
پُر اعتماد ہے، تو بڑھے جا رہا ہے یہ
ساری بلندیوں پہ چڑھے جا رہا ہے یہ

(۴۱)

لیلائے علم کے لیے محمل، کتاب ہے
زندہ معاشرے کے لیے دل، کتاب ہے
جس میں نمو کی آب ہے، وہ گِل کتاب ہے
بنتے ہیں جس سے جوہرِ قابل، کتاب ہے
قوموں کے ارتقا کی ضمانت اُٹھائے ہے
کاندھوں پہ اپنے بارِ امانت اُٹھائے ہے

(۴۲)

اس نے جواب پیش کیے ہر سوال کے
اس نے کمال کام کیے ہیں کمال کے
کھولے ہیں بند ذہنوں میں سوتے خیال کے
ممکن بنا دیے ہیں معانی، محال کے
تحقیق کو جو دی ہیں نگاہیں کتاب نے
ایجاد کی بنائی ہیں، راہیں کتاب نے

(۴۳)

شاید زمانہ آئے، نہ چھاپے کوئی کتاب
آسانیاں بڑھیں گی، تو ہر قسم کی کتاب
چاہے بہت پرانی ہو چاہے نئی کتاب
سب نیٹ پہ ملے گی، ہر اچھی بری کتاب
اب ہر کسی کے ہاتھ میں برقی نظام ہے
بچوں کی دسترس میں بھی اب ڈاٹ کام ہے

(۴۴)

پھیلا ہے نیٹ پہ جو کتابوں کا ازدحام
وہ بے شمار لوگوں کا وہ بے حساب کام
قاری کو ترجموں کی سہولت کا اہتمام
ہر وقت ہر جگہ ہو مہیا، وہ انتظام
آخر کتابوں ہی سے تو یہ فیض پائے ہیں
تعویذ کی جگہ میں بھیجے سمائے ہیں

(۴۵)

خالق کی ذات کے ہوں کہ لات و منات کے
مظہر جُدا جُدا ہیں، نفی و ثبات کے
جتنے ہیں عکس آئینۂ کائنات کے
سب جلوہ ریز ہوتے ہیں منظر حیات کے
دُنیا لگی ہے پڑھنے کی کوشش کے باب میں
سب کچھ لکھا ہے وقتِ رواں کی کتاب میں

(۳۶)

یہ نثر و نظم و شعر و ادب، سب کتاب ہیں
داد و دہش، حصول و طلب، سب کتاب ہیں
عیش و سرور و لہو و لعب، سب کتاب ہیں
امن و سکوت و شور و شغب، سب کتاب ہیں
احساس بھی کتاب ہیں، جذبے بھی ہیں کتاب
اِدراک ہو تو قبر کے کتبے بھی ہیں کتاب

(۳۷)

آئینہ دارِ ہر کس و ناکس، کتاب ہے
شامِ اودھ ہے صبحِ بنارس کتاب ہے
مذہب کی ہو تو حرفِ مقدس کتاب ہے
اتنی اہم کہ ایک نہیں، دس کتاب ہے
جاہل کو بھی دکھاتی ہے، رستے نجات کے
دنیا کو بانٹتی ہے قرینے حیات کے

(۳۸)

موسیٰ کے ہاتھ میں یدِ بیضا، کتاب تھی
اللہ سے ملی تھی، یہ عنقا کتاب تھی
فرعون کی خدائی میں، یکتا کتاب تھی
سب زعمِ کفر توڑ دیا، کیا کتاب تھی
جادوگری کے کرتبِ سفلی کو کھا گیا
موسیٰ کا علم جھوٹی خدائی کو کھا گیا

(۳۹)

بیدار ہے کوئی تو کوئی محوِ خواب ہے
جس زندگی کو دیکھیے وہ اک کتاب ہے
ہر منظرِ حیات میں اک آب و تاب ہے
ہر ہر نفس، مکارمِ جاں کا نصاب ہے
دُنیا میں عام، ظلم و ستم بے حساب ہے
ظلم و ستم کا نام ہی، غم کی کتاب ہے

(۴۰)

ہاں اک کتابِ غم ہے، محرم ہے جس کا نام
دامن ہے جس کا خونِ شہیداں سے لالہ فام
بھائی بہن نے مل کے کیا ہے کچھ ایسا کام
باقی رہے گا دہر میں دینِ خدا مدام
آتی ہیں دشت و در سے صدائیں سلام کی
شبیرِ کربلا کے یہ فاتح ہیں شام کی

(۴۱)

ماں کی حیا ہے اس میں تو جرأت علی کی ہے
عصمت کی آبرو ہے تو زینت علی کی ہے
لہجہ علی کا ہے تو خطابت علی کی ہے
عباس کی بہن ہے، شجاعت علی کی ہے
جانِ بتول لختِ دلِ بوتراب ہے
نہج البلاغہ اس کے پدر کی کتاب ہے

(۴۲)

یہ وہ کتاب ہے کہ ہے عالم میں انتخاب
یکتا و لاجواب ہے تعلیمِ بوتراب
قرآں کی طرح یہ بھی ہے بے مثل و لاجواب
توحید پر وہ اس کے مضامین باب باب
بے جبرئیل راست ملی، لامکان سے
قلبِ علیؑ پہ اُتری ہے یہ آسمان سے

(۴۳)

انسان کی لکھی ہوئی سب سے بڑی کتاب
عظمت کے آسمان پہ ٹھہری ہوئی کتاب
لائے کوئی نکال کے ایسی کوئی کتاب
قرآں کے بعد ہے تو یہی آخری کتاب
جس نے کہا سلونی یہ اُس کا کلام ہے
واحد ادیب ہے، جو ولی ہے امام ہے

(۴۴)

جس کا کلام، نہجِ بلاغت ہے وہ ادیب
معنی شعار، گلشنِ وحدت کا عندلیب
جس کے خدا رسول ہیں محبوب، وہ حبیب
جس سے وقارِ خطبہ و منبر ہے، وہ خطیب
ہے ایک شہرِ علم، تو پھر در بھی ایک ہے
کیا کہیے، سلونی کا منبر بھی ایک ہے

(۴۵)

وہ نصرتِ حسینؑ میں تیور کمال کے
نانا علیؑ تھے، بیٹے تھے جعفر کے لال کے
اجداد کے مزاج کے سانچے میں ڈھال کے
لائی تھی ساتھ عون و محمد کو پال کے
زینبؑ نے حقِ نصرتِ حق یوں ادا کیا
بھائی پہ صدقے وار کے شکرِ خدا کیا

(۴۶)

عاشور کو وہ دن کا ہو منظر کہ رات کا
وہ سلسلہ حواس شکن واقعات کا
وہ بے کسی کہ تنگ تھا عرصہ حیات کا
ہاتھوں میں لے کے اِک جلا ٹکڑا قنات کا
بے آس بیبیوں کے لیے، آس بن گئی
شامِ غریباں آئی، تو عباسؑ بن گئی

(۴۷)

وہ شامِ الحذر، وہ قیامت کہ الاماں
جلتے ہوئے خیام سے اُٹھتا ہوا دُھواں
والی کوئی ہے سر پہ، نہ باقی ہے سائباں
سہمے ہوئے سے طفل ہیں، خاموش بیبیاں
دن بھر کے قتل و خون سے دل میں کیے ہوئے
بے وارثی کی خاک سے چہرے اَٹے ہوئے

(۴۸)

عاشور کی وہ شام، وہ سکتے میں کائنات
زیرِ فلک وہ خاک پہ بیٹھی مخدرات
وہ تشنگی، وہ سامنے بہتی ہوئی فُرات
کیا دردناک شام تھی، کیا ہولناک رات
بے وارثوں کے سر پہ یہ آفت کی رات تھی
ناموسِ مصطفیٰؐ پہ قیامت کی رات تھی

(۴۹)

جاتا ہے سوئے شام، اسیروں کا کارواں
گرمی کے دن، طویل مسافت، لبوں پہ جاں
بے محمل و کجاوہ ہیں اُونٹوں پہ بیبیاں
بچے بھی گودیوں میں ہیں، ماؤں کی بے اماں
جس پر ہوا یہ ظلم، وہ عترت نبیؐ کی ہے
جس نے کیا ہے ظلم، وہ اُمت نبیؐ کی ہے

(۵۰)

نکلے تھے جب مدینے سے لے کر خدا کا نام
ہر ہر قدم تھا راحت و حرمت کا اہتمام
کیا عز و احترام تھا، کیا حسنِ انتظام
عباسؑ اپنے ہاتھ سے دیتے تھے بھر کے جام
عباسؑ سا دلیر و جواں ہمرکاب تھا
بھائی نہیں تھا، نصرتِ حق کی کتاب تھا

(۵۱)

اب بے کسی میں کام جو آئے، کوئی نہیں
آسان اس سفر کو بنائے کوئی نہیں
جو آس بیبیوں کی بندھائے، کوئی نہیں
بچے گریں تو ڈھونڈ کے لائے، کوئی نہیں
ماؤں کے لال گود سے گر گر کے مر گئے
رستے میں شام کے، وہ گلِ تر بکھر گئے

(۵۲)

اے اُمتِ رسول، یہ آلِ رسول ہے
پیغمبرِ خدا کے، گلستاں کا پھول ہے
یہ کائنات ان کے ہی قدموں کی دھول ہے
بس وہ قبولِ حق ہے جو ان کو قبول ہے
آلِ رسول کو جو تماشا بناؤ گے
کل حشر میں رسولؐ کو کیا منہ دکھاؤ گے

(۵۳)

ہے ساتھ قافلے کے جو، بیمار و ناتواں
بے یار و بے دیار، یہ قیدی یہ سارباں
گردن میں طوق، پاؤں میں بے کس کے بیڑیاں
بازار شام و کوفہ میں میلے کا اِک سماں
اہلِ حرم ہیں سر کھلے، لاچار کیا کرے
بیمار ہے رسن میں گرفتار کیا کرے

(۵۴)

دربار میں یزید کے منظر عجیب تھا
شاہانہ زرق برق لباسوں میں اشقیا
بیٹھا ہوا تھا تخت پہ حاکم وہ شام کا
لے کر چھڑی حسینؑ کا سر چھیڑتا ہوا
سب کلمہ گو ہی بیٹھے تھے، سب اہلِ ہوش تھے
ہونٹوں پہ سب کے مُہر لگی تھی، خموش تھے

(۵۵)

دیکھا جو ایسے حال میں زینب نے بھائی کو
برداشت کیسے کرتی وہ اس جگ ہنسائی کو
آیا جلال فاطمہؑ زہرا کی جائی کو
لے کر علیؑ کا نام اُٹھی لب کشائی کو
دربار میں جو لوگ تھے سکتے میں آگئے
بنتِ علیؑ کے لفظ ساعت پہ چھا گئے

(۵۶)

تو بھی نجس ہے، تیرا گھرانا بھی ہے پلید
دادی تھی تیری ہندہ، جگر خوارۂ شہید
یہ ہونٹ بوسہ گاہِ محمدؐ ہیں اے یزید
ایسا نہ ہو کہ ٹوٹ پڑے قہر ابھی شدید
اس فتح کے گھمنڈ کو سر سے نکال لے
بیعت کا طوق، اپنی ہی گردن میں ڈال لے

(۵۷)

تو یہ سمجھ رہا ہے کہ نصرت ملی تجھے
شان و شکوہ و شوکت و حشمت ملی تجھے
حرمت ہماری کم ہوئی، عزت ملی تجھے
مت خوش ہو بدنصیب، یہ مہلت ملی تجھے
جی بھر کے ظلم کر لے کہ رسّی دراز ہے
انصاف وہ کرے گا وہی کارساز ہے

(۵۸)

بے پردہ شہر میں پھری ناموسِ مصطفیؐ
ہم فاطمہؑ کی بیٹیاں بلوے میں بے ردا
میرے حرم کی عورتیں پردے میں ہر جگہ
اولاد سے غلاموں کی اُمید بھی ہو کیا
تجھ سا دنی تو کوئی نہیں کائنات میں
او بے ضمیر ڈوب کے مر جا فرات میں

(۵۹)

زینب کا وہ یزید کے دربار میں خطاب
ذہنوں میں ڈالتا ہوا، بنیادِ انقلاب
کرکے امیرِ شام کے چہرے کو بے نقاب
عزمِ صمیم، اپنے ارادوں میں کامیاب
زینت پدر کی تھی، دلِ مادر کا چین تھی
بعدِ حسینؑ، شام میں زینبؑ حسینؑ تھی

(۶۰)

بیٹی تھی فاطمہ کی، عدیم المثال تھی
مادر کا تھا جمال، علی کا جلال تھی
قیدی تھی، پھر بھی دشمنِ دیں کا وبال تھی
خطبے کو روک دے کوئی، کس کی مجال تھی
تھی نصرتِ حسین کا وعدہ کیے ہوئے
تیغِ زباں، علی کا تھی لہجہ لیے ہوئے

(۶۱)

ہر حربہ اہلِ جبر کا، ناکام کردیا
رنگِ امیرِ شام، سیہ فام کردیا
شبیر کے پیام کو یوں عام کردیا
نامِ یزید، داخلِ دشنام کردیا
پھٹکار ہر طرف ہے، ملامت ہے حشر تک
نامِ یزید لائقِ لعنت ہے حشر تک

(۶۲)

ک کہتی ہے یہ کتاب کہ تقدیر مجھ سے ہے
ت تاریکیوں میں دہر کی تنویر مجھ سے ہے
ا اربابِ علم و فہم کی تحریر مجھ سے ہے
ب باقر رہِ حیات میں توقیر مجھ سے ہے
سب رنگ و نور، میرے ہیں اس کائنات میں
گر میں نہیں، تو کچھ بھی نہیں ہے حیات میں

بابِ متفرقات

ترتیب

قطعات	۴۷۳
امام خمینی کے نام	۴۷۵
سپاسِ اطہر	۴۷۸
ماں	۴۸۳
دُعا	۴۸۵
برائے تقریبِ عقیقہ، فارس علی مہدی	۴۸۷
مے خانۂ موّدت، ادارہ جعفریہ	۴۸۸
یہ غم خوارانِ عباس	۴۹۰
ڈاکٹر شہلا نقوی کے شعری مجموعے کا قطعۂ تاریخ	۴۹۴
شاہ محمد کامران کی حادثاتی موت پر	۴۹۷
قبلہ گاہی حضرت فیض بھرت پوری کے انتقال پر	۴۹۹
اپنے بھائی جعفر زیدی کی موت پر	۵۰۱
''صدائے ماتم'' تحسی کی موت پر	۵۰۴
ڈاکٹر سیّد ناظر حسن زیدی مرحوم کا قطعۂ تاریخ	۵۰۶
ڈاکٹر سیّد تقی عابدی کے تجزیہ ''یادگار مرثیہ'' کا قطعۂ تاریخ	۵۱۰
قطعۂ تاریخِ وفات جناب سیّد صادق مرحوم	۵۱۱
''علقمہ کے ساحل پر'' قطعۂ تاریخ	۵۱۲
ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کی تحقیقی کتاب ''اقبالیات کے نئے گوشے'' کا تاریخی قطعہ	۵۱۵
نیر اسعدی کے مجموعۂ مراثی ''کشکول'' کا قطعۂ تاریخ	۵۱۶

قطعات

دہشت گرد

جہل کو آگہی نہیں کہتے
نور کو تیرگی نہیں کہتے
نہیں کہتے، کبھی نہیں کہتے
موت کو زندگی نہیں کہتے
یہ عجب نامراد کہتے ہیں
خودکشی کو جہاد کہتے ہیں

☆

کسی کا غم، کسی کا دُکھ، کسی کے نام کرتے ہیں
بزعمِ خود علاجِ گردشِ ایام کرتے ہیں
یہ خودکش لوگ اور یہ خونِ ناحق بے گناہوں کا
مسلماں آپ ہی اسلام کو بدنام کرتے ہیں

خمینی

آثارِ کربلا کو دبستاں بنا دیا
تاریخ انقلاب کا عنواں بنا دیا
اک مردِ حق شناس نے لے کر خدا کا نام
سلمان کے مزاج کا ایراں بنا دیا

حکیمِ فقیہ

کارِ اہلِ وفا تو کرنا ہے
زعمِ باطل فنا تو کرنا ہے
قتلِ رشدی بحکمِ حکیمِ فقیہ
فرض ہے اور ادا تو کرنا ہے

اپنا پہلا حرف

حرف شناسِ حرمتِ دیں، امام خُمینی کے نام

ہو لاکھ جہاں در پئے آزارِ خمینی
اللہ ہے اللہ، نگہدارِ خمینی

ہر سمت نظر آتے ہیں آثارِ خمینی
ایران ہے اب گلشنِ بے خارِ خمینی

اقرارِ خمینی ہو کہ انکارِ خمینی
ہر حال میں رہتے ہیں فدا کارِ خمینی

اُمڈے چلے آتے ہیں طلب گارِ خمینی
دیکھے تو کوئی گرمیِ بازارِ خمینی

ایماں کی ضیا پاشی سے تابندہ وہ چہرے
سلمانِ خمینی کوئی عمّارِ خمینی

جاں ہاتھوں پہ رکھے ہوئے اسلام کی خاطر
نکلے وہ گھروں سے درِ شہوارِ خمینی

بچوں میں بھی اللہ وہ ثابت قدمی ہے
ہٹتے نہیں میداں سے یہ کہسارِ خمینی

ہم ساز و ہم آواز رہے نصرتِ حق میں
انصارِ حسینی ہوں کہ انصارِ خمینی

مقصد ہے شہادت طلب جاہ نہیں ہے
کس شوق سے آتے ہیں طلب گارِ خمینی

مَرنے کے ارادے ہیں تو چہروں پہ تبسم
دیکھو تو ذرا لشکرِ ابرارِ خمینی

کس طرح سے لختِ دل و جاں نذر کیے ہیں
دنیا نہ سمجھ پائے گی ایثارِ خمینی

محرابِ عبادت ہو کہ میدانِ سیاست
اللہ رے وہ عظمتِ کردارِ خمینی

باطل کو مٹانے کا کیے عزمِ مصمّم
مصروف نظر آتے ہیں سرکارِ خمینی

باطل کے لیے باعثِ آزار بہت ہیں
گفتارِ خمینی ہوں کہ کردارِ خمینی

دنیا بھی سمجھتی ہے کہ ہر تاج شہی کو
کافی ہے بس اِک جنبشِ بیزارِ خمینی

اس خوف کے جینے سے تو مَر جانا ہی اچھا
تم نشر بھی کرتے نہیں اخبارِ خمینی

ہر سمت نظر آتے ہیں اب اُس کے ہی جلوے
ہر آنکھ ہے اب دیدۂ بیدارِ خمینی

یاں ہونٹ ہلے اور وہاں لرزہ ہوا طاری
اللہ رے وہ ہیبتِ گفتارِ خمینی

اے ملّتِ ایراں تجھے پندار مبارک
بیٹے ہیں ترے باعثِ پندارِ خمینی

باطل کے لیے باعثِ اتلاف اتم ہو
اللہ کرے مسلکِ پیکارِ خمینی

تکبیر کے نعروں کا بھرم رکھ، مرے مولا!
آسان کر اب منزلِ دشوارِ خمینی

اے عالمِ اسلام یہ خوش بختی ہے تیری
حاصل ہے تجھے سایۂ دیوارِ خمینی

اللہ نے چاہا تو فلسطین کو اک دن
آزاد کرائیں گے یہ احرارِ خمینی

اقبالؔ مبارک تری خواہش ہوئی پوری
تہران ہے اب مطلعِ انوارِ خمینی

اے عالمِ اسلام! پس و پیش ہے کیسا
وہ سامنے ہے جادۂ افکارِ خمینی

اس امتِ مرحوم کے ہر خورد و کلاں کو
اللہ کرے حاملِ اقدارِ خمینی

جب تک وہ تری آخری حجت نہ ہو ظاہر
یا رب! نہ ہو بے سر کبھی دستارِ خمینی

اے حسنِ عقیدت، ترے اس جوش کے صدقے
پوری ہو تری حسرتِ دیدارِ خمینی

کر شکر کہ اک قرض ادا ہوگیا، باقرؔ!
کیا خوب کہے آج یہ اشعارِ خمینی

☆ یہ نظم میرے شعری سفر کی باقاعدہ ابتدا ہے جو ۱۹۸۷ء میں شروع ہوا۔

سپاسِ اطہر

ایک تقریب آج شام ہے پھر
اے قلم! آج تجھ سے کام ہے پھر

تُو رہِ علم کا مسافر ہے
آج تُو پھر بدستِ شاعر ہے

تو تھا مطلوب ساعتِ آخر
تو ہی لکھتا ہدایتِ آخر

اُمتی کی جو وہ اہانت تھی
جہل کے دل پہ تیری ہیبت تھی

تو مگر جہل کا عُدو ہی رہا
تیرا کیا بگڑا، تُو تو تُو ہی رہا

سر قلم ہو کے بھی قلم ہے قلم
حق کے لشکر کا تو عَلَم ہے قلم

ایک عالم کی ہے پذیرائی
تیرے دل کی مراد بر آئی

پھر ادارے میں لوگ جمع ہیں آج
اپنے محسن کو دے رہے ہیں خراج

مرزا اطہر ہیں قوم کے ممدوح
مرزا اطہر ہیں آج بزم کی روح

اس کٹھن راہ سے گزرنا ہے
قرضِ جاں ہے، ادا تو کرنا ہے

مرضِ جہل کے حکیم و طبیب
عالم و شاعر و ادیب و خطیب

خلق میں معتقد گھرانا ہے
علم کا مجتہد گھرانا ہے

علم میں اتنے باوقار ہوئے
یہ تشیع کا اعتبار ہوئے

مستقل اِک بہارِ گلشن ہیں
اب یہی افتخارِ گلشن ہیں

بے قراری، قرار ہے ان سے
مجلسوں کی بہار ہے ان سے

جس نے ان کو سُنا وہ جانتا ہے
جانتا ہی نہیں ہے، مانتا ہے

کیا مصائب ہیں، کیا فضائل ہیں
سب ہی زورِ بیاں کے قائل ہیں

یہ ہی لگتا ہے، ہر برس جیسے
کان میں گھولتے ہوں رَس جیسے

بات میں اہلِ علم سا ٹھہراؤ
لکھنؤ کی زباں کا برتاؤ

یہ اکڑتے ہیں نے بگڑتے ہیں
بولتے ہیں تو پھول جھڑتے ہیں

جو نہ بگڑے کہیں وہ ان کا بناؤ
کبھی چہرے پہ کوئی آؤ نہ تاؤ

نورِ حُبِ علی ہے چہرے پہ
کس قدر روشنی ہے چہرے پہ

بزمِ انجم ہے اور شب تاریک
موئے سَر ہیں کہ نکتۂ باریک

منعکس علم کی درخشانی
لوحِ مضموں ہے ان کی پیشانی

کوئی مضموں ہو، کب یہ عاری ہیں
یہ درِ علم کے بھکاری ہیں

چشمِ بینا غزال کی مانند
خمِ ابرو ہلال کی مانند

ان کے لب ہیں مقرِ قرآں
گوش ایسے کہ آشنائے اذاں

ایک ہے ان کا ظاہر و باطن
گویا تفسیرِ سورۂ مومن

پاک ہے روح، پاک ہے دامن
قلب، حبِ علی کا ہے مسکن

چہرے مُہرے سے تابناک بہت
اچھے اچھوں سے ٹھیک ٹھاک بہت

یہ زمیں کیا ہے، آسمان میں ہیں
چاہنے والے دو جہان میں ہیں

ان کو حاصل ہے دین کا وجدان
گویا اپنے زمانے کے سلمانؑ

بی بی زہراؑ کے دل کا چین ہیں یہ
کیوں نہ ہوں ذاکرِ حسینؑ ہیں یہ

ہر گھڑی حق کو مجلّی کرنا
کام ہے بس علیؑ علیؑ کرنا

یہ مودّت کا جام دیتے ہیں
کربلا کا پیام دیتے ہیں

ہے تولّا بھی محترم ان سے
ہے تبرّے کا بھی بھرم ان سے

دشمنانِ علیؑ کو جانتے ہیں
ایک دو کیا، سبھی کو جانتے ہیں

کد عدوئے علیؑ کے نام سے ہے
بغض ہے گر تو میرِ شام سے ہے

خوب نام و نسب سے واقف ہیں
ایک، دو، تین سب سے واقف ہیں

جانتے ہیں حسب نسب کا نصاب
شجرے ازبر، وہ ماہرِ انساب

کر رہے ہیں بہ حدِّ امکانی
دودھ کا دودھ، پانی کا پانی

دشمنوں کے لیے وبال بنے
زخمِ یاراں کا اندمال بنے

یہ بنی کو بگاڑتے تو نہیں
عِلم کا رعب جھاڑتے تو نہیں

انکساری سماج کا جوہر
بذلہ سنجی مزاج کا جوہر

ہو نجس سے کہ پاک سے مِلنا
جس سے مِلنا، تپاک سے مِلنا

چاہ کے، پیار کے، لگاؤ کے لوگ
ہیں کہاں ایسے رکھ رکھاؤ کے لوگ

کرو باقرؔ قلم کے کام کو ختم
اس دعا پر کرو کلام کو ختم

ہر مہم میں یہ سر بلند رہیں
دین و دنیا میں ارجمند رہیں

عمر ان کو ہماری لگ جائے
جتنی باقی ہے، ساری لگ جائے

پوری آدھی صدی کا ہے جو سپاس
اس لیے شعر بھی لکھے ہیں پچاس

ماں

On Mother`s Day, 2007

ماؤں نے چاہا تو آباد ہوئے گھر سارے
بنتے ہیں ماں کی دعاؤں سے مقدر سارے
روشنی دیتے ہوئے یہ مہ و اختر سارے
ماؤں کی گود میں پلتے ہیں پیمبرؐ سارے

فاطمہؑ بنتِ اسد اور خدیجہؑ ماں ہیں
مریمؑ و آمنہؑ و زینبؑ و زہراؑ ماں ہیں

ماں جو انمول ہے، دیکھو تو بہت ہے سستی
ماں کی ٹھوکر میں زمانے کی بلندی پستی
نسلِ آدم اِسی ہستی سے ہنستی بستی
ماں سے قائم ہے زمانے میں وجودِ ہستی

سچ ہے چشمِ بصیرت میں جہاں کا رتبہ
کس کے ادراک میں آسکتا ہے ماں کا رُتبہ

ماں کے پیروں کے تلے خاک ہے جنت اپنی
الفتِ پنجتنِ پاک ہے جنت اپنی
غمِ شبیرؑ کا ادراک ہے جنت اپنی
یہ مرا دیدۂ نمناک ہے جنت اپنی

ماں نے گھٹی میں پلائی ہے محبت ان کی
کام آئے گی بہت حشر میں اُلفت ان کی

ماںمتا خوش ہے اگر ربِ عُلا راضی ہے
ماں کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں سے دعا راضی ہے
دستِ ماتم سے علم دارِ وفا راضی ہے
مائیں راضی ہوئیں ہم سے تو، خدا راضی ہے

کب روا ہوتا کسی بطلِ گراں کو سجدہ
غیر اللہ کو ہوتا تو تھا ماں کو سجدہ

اپنی آغوش میں اولاد کو پالا ماں نے
اپنے حصے کا کھلایا ہے نوالہ ماں نے
کیا خبر کتنے اندھیروں سے نکالا ماں نے
کہیں گرنے نہ دیا ایسا سنبھالا ماں نے

گردنیں خم کیے تسلیم کو حاضر ہیں یہاں
تیرے بچے تری تعظیم کو حاضر ہیں یہاں

دُعا

باغِ جعفر میں آ رہی ہے بہار — غنچۂ دل کھلا رہی ہے بہار
دیدنی ہے بہار کا موسم — گنگناتا ہے پیار کا موسم
خوش نصیبی ہے خوش نہادی ہے — اس کی بیٹی کی آج شادی ہے
مہندی مانجھا بھی ٹھیک ٹھاک ہوا — پُرتکلف تھا پُرتپاک ہوا
بھائی کرتے ہیں شان کی شادی — ہے بڑی آن بان کی شادی
عینِ عمران و عاتکہ، عدنان — اُس کے ذوقِ ادب کا ہے عنوان
عین ہی سے علی عریضہ بھی — عین سے عِلم کا فریضہ بھی
چاہتیں آب و گِل میں رکھتا تھا — سب کے دل اپنے دل میں رکھتا تھا
ساعتیں جب خوشی کی آتی ہیں — اُس کی یادیں بھی ساتھ لاتی ہیں
یادیں پھر اپنا باج لیتی ہیں — آنسوؤں کا خراج لیتی ہیں
اک بروگی کا روگ ہو جیسے — زندگی بھر کا سوگ ہو جیسے
اِک قیامت ہے اُس کی یاد یہاں — روحِ جعفر مگر ہے شاد وہاں
کیا عزادار و حق شناس گیا — جس کا وہ تھا، انہیں کے پاس گیا
اہلِ محفل کی جانِ جاں ہوتا — کاش اس وقت وہ یہاں ہوتا
دلِ مادر ہے حرفِ فریادی — ہو رہی ہے یتیم کی شادی
اس کی چاہت جو قرض مجھ پہ ہے — کچھ تو لکھنا بھی فرض مجھ پہ ہے

سہرا و رخصتی نہیں لکھتا — اب میں یہ شاعری نہیں لکھتا
مائیں بہنیں نہ ہوں بہت غمگین — اس دعا پہ مری کہیں آمین
دین و دنیا میں بامراد رہیں — دُولہا، دُلہن ہمیشہ شاد رہیں
کبھی پورے نہ ہوں یہ پیار کے دن — زندگی بھر رہیں بہار کے دن
شادمانی ملے گلے اِن سے — نسلِ جاوید کی چلے اِن سے
دو گھرانوں کی زیب و زین بنیں — ماماؤں کے دل کا چین بنیں

بزمِ شادی ہے اس کا پاس بھی ہے
دلِ باقرؔ مگر اُداس بھی ہے

برائے تقریبِ عقیقہ

فارس علی مہدی سلّمہٗ ابنِ عادل رضوی

ف۔ فارس کے نام میں ہے مہدی بھی اور علی بھی
ا۔ اللہ کے کرم سے ہوگا یہ متّقی بھی
ر۔ رفعت میں کم نہ ہوگا دادا سے یہ کبھی بھی
س۔ بچّے کی گود میں ہے اچھی ہے یہ گھڑی بھی

ع۔ عادل سا عالیہ سا قیوم سا تحّی بھی
ل۔ لختِ جگر پدر کا، مادر کی زندگی بھی
ی۔ یاور کی نسبتوں سے ٹھہرا ہے اعظمی بھی

م۔ مولائی بھی بنے گا، ذاکر بھی، ماتمی بھی
ہ۔ ہاتھ آئے گی کچھ اس کو ورثے میں شاعری بھی
د۔ دادا کا ہمہمہ بھی بچّے کی راتی بھی
ی۔ یارب اسے عطا ہو سورج سی روشنی بھی

فارس کے نام میں ہے مہدی بھی اور علی بھی

مے خانۂ مودّت

قطعۂ تاریخِ افتتاح

ادارۂ جعفریہ، میری لینڈ، امریکا

مومنوں کے رفاہِ عام کی ہے
یہ عمارت سبھی کے کام کی ہے
یہ جو تقریب دھوم دھام کی ہے
شکل اندازِ احترام کی ہے
کھل گیا اور ایک مے خانہ
مے کی اب فکر ہے نہ جام کی ہے
نسبتوں سے عزیز ہے یہ مکاں
اس میں سب اہمیت مقام کی ہے
جن کے گھر کربلا میں اُجڑے تھے
یہ عمارت اُنھیں کے نام کی ہے
ایک اک اینٹ ہے اِک اِک دل
نذر جو وقت کے امام کی ہے

انقلابی مزاج ڈھلتے ہیں
موت فکرِ امیرِ شام کی ہے
کچھ سبیلِ ادائے قرض بھی ہو
اب یہ زحمت تو چند گام کی ہے

۱۱۰۸+۸۸۶=۱۹۹۴

یہ غم خوارانِ عبّاسؑ

یہ غم خوارانِ عباسؑ
دولتِ غم کے قدر شناس
سبطِ نبیؐ کے غم میں اُداس
دل میں رکھے درد کا پاس
یہ غم خوارانِ عباسؑ
خوش ہیں اسی میں، غم ہے پاس
دل بھی رکھتے ہیں حسّاس
پاس نہیں آتا ہے ہراس
بی بی زینبؑ کی ہے آس
یہ غم خوارانِ عباسؑ
ماتم ہے غم کا احساس
ماتم ہے اک راہِ سپاس
ماتم ہے الفت کی اساس
ماتم ان کو آگیا راس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

جتنی تم کو بیزاری ہے
اُتنی رسمِ عزا جاری ہے
یہ جیتے، دنیا ہاری ہے
شیرِ نیستانِ عباسؑ
یہ غم خوارانِ عباسؑ

بپھرے طوفانوں سے لڑیں گے
جابر سلطانوں سے لڑیں گے
ظلم کے امکانوں سے لڑیں گے
باقی ہیں جتنے انفاس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

ظالم سے ٹکرا جائیں گے
اپنا زور دکھا جائیں گے
دنیا پر یہ چھا جائیں گے
کچھ نہیں ان کو خوف و ہراس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

جو کہتے ہیں، وہ کرتے ہیں
مظلوموں کا دم بھرتے ہیں
ظالم سے یہ کب ڈرتے ہیں
دو ہوں، دس ہوں، یا ہوں پچاس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

دل کو نہیں ہے کوئی روگ
جیون بھر ہے ایک ہی سوگ
دل کے بہت اجلے ہیں یہ لوگ
پہنے ہیں جو سیاہ لباس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

ان کی خوشی ہے ان کا غم
تھامے ہیں غازی کا علَم
سارے برس مجلس، ماتم
بدلی نہیں ہم نے بو باس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

سب کی سُنیں گے، اپنی کہیں گے
جتنا جیے عزت سے جئیں گے
اپنی قسمت خود ہی لکھیں گے
اپنا قلم، اپنا قرطاس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

کیا دستورِ ولا پوچھیں گے
یہ اور راہِ وفا پوچھیں گے
رستہ کسی سے کیا پوچھیں گے
چاہے خضرؑ ہوں یا الیاسؑ
یہ غم خوارانِ عباسؑ

پائی ابوطالبؑ سے وفا تو
پیاس کو بخشا آبِ بقا تو
پانی نہر میں بھی نہ پیا تو
دریا بن گئی اُس کی پیاس
یہ غم خوارانِ عباسؑ

ڈاکٹر شہلا نقوی کی ''نخلِ مریم'' کا قطعہِ تاریخ

کم سہی شاعری کی استعداد — ہو اجازت تو کچھ کریں ارشاد
ہم محقق، ادیب نے نقاد — کس طرح دیتے پھر مبارک باد
میرؔ کا مطلع آگیا جو یاد — ہوگئے ہم بھی شعر کہہ کے شاد
''میرے سنگِ مزار پہ فرہادؔ — رکھ کے تیشہ کہے ہے یا اُستادؔ''
زندگی ہے ذخیرۂ اضداد — ہے جہاں میں ہر اک طرح کا تضاد
کرۂ خاک ہو کہ کرۂ باد — ابنِ آدم کا ہر جگہ ہے فساد
یہ زمانے کے ظلم اور بے داد — کوئی دنیا کی کیا لکھے روداد
اس لیے انتہا پہ رہتا ہے — نسلِ آدم کی ابتدا تھی فساد
پہلا بیٹا ہی پہلا قاتل تھا — جس نے ڈالی ہے ظلم کی بنیاد
ظلم میں کچھ کہیں کمی تو نہیں — سب ستم ڈھا گیے ستم ایجاد
اپنے ہاتھوں سے خود جلا ڈالیں — جب کتابوں کا شہر ہو بغداد
ہم مسلماں ہیں، ہم میں ہوتے ہیں — شمر، خولی، یزید، ابنِ زیاد
ہوچکیں کتنی بستیاں ویران — ہو چکے کتنے آشیاں برباد
جس کو دیکھو، سبھی کا ایک ہے ڈھنگ — قوم، فرقے، قبیلے اور افراد
جس کو دیکھو وہی شکاری ہے — دام چنتے ہیں، اُٹھتے ہیں صیّاد
کوئی شیعہ، کوئی وہابی ہے — کوئی ہندی ہے، کوئی پاک نژاد

کہاں جائیں یہ بندگانِ خدا   مسجدوں میں بھی ہوں جو قتل وفساد
سارے اوصاف ہم سے ہیں منسوب   ظلم و تعذیر و جبر و استبداد
قتل و غارت شعارِ مرداں ہے   کوئی عورت نہیں ہوئی جلّاد
ہر جگہ ہم مکیں نشیب کے ہیں   جیسے پانی میں بیٹھ جائے گاد
سب کی نظروں میں ہیں سبک ہم ہی   پھر بھی کہتے ہیں ہر چہ باداباد
اجتماعی فلاح بھاڑ میں جائے   دیکھنا ہے تو صرف اپنا مفاد
کوئی تو آئے گا زمانے میں   جو کہ ڈھائے گا ظلم کی بنیاد
یہ مذاقِ ادب کا سبت و کشاد   کر رہا ہے نئے جہاں آباد
"نخلِ مریم" ہے فکرِ نیک نہاد   نخلِ مریم ہے اِک قلم کا جہاد
فکر آزاد ہے، قلم آزاد   شاعرِ خوش مقال زندہ باد
سچ ہی سچ ہے جو نخلِ مریم میں   بات کہنی نہیں ہے بے بنیاد
شاعری اور حیا کا جوڑ نہیں   سو ادب میں ہے ہر طرح کا مواد
ساری جنسوں میں جنس وہ شے ہے   جس کے بازار میں نہیں ہے کساد
شعر کہتی نہیں ہیں جنتی ہیں   غزلیں، نظمیں سبھی ہیں خانہ زاد
بات شہلا کی کچھ غلط بھی نہیں   شعر شاعر کی ہوتے ہیں اولاد
گھر میں بھوتوں کے اولیا آئیں   ہم ہوں جیسے بھی، نیک ہو اولاد
نخلِ مریم میں ایستادہ ہیں   سرو و سنبل، صنوبر و شمشاد
ہیں یہ ذہنوں کو فکر کا پیغام   جیسے پودوں کو مل رہی ہو کھاد
دشتِ نقاش نے سجائے ہیں   نقشِ اژرنگ و مانی و بہزاد
دشتِ ابلاغ میں گھنا سایہ   تو کہاں چل رہی ہے بادِ مراد
جو بھی کہیے مگر جہاد تو ہے   نہ سہی طالبان والا جہاد
یہ گھرانا ہی اہلِ علم کا ہے   اہلِ اردو کا فخر ہیں اجداد
کچھ پجاری کو بھی تو ملتا ہے   دیوتاؤں کے نام کا پرساد

بیج بوئے تو فصل کاٹی ہے   بی بی خوش رہ، ترا جہاں آباد
ماں کی آغوشِ تربیت کو سلام   جس کی محنت نہیں ہوئی برباد
ماموں بھی دیکھتے تو خوش ہوتے   دیکھ کر بھانجی کی استعداد
آج ہوتے اگر میاں حاؔلی   نخلِ مریم پہ کرتے بڑھ کر صاد
ذکر "آبِ حیات" میں ہوتا   مر نہ جاتے اگر میاں آزاؔد
ہم حمیراؔ کی بزم میں نہ گئے   تھے جو مجبورِ جادوِ آزاد
آج موہا نے کی پذیرائی   جس کو بھی دیکھیے ہے خرّم و شاد
نخلِ مریم کو دے چکے ہیں خراج   بھائی ایمنؔ کہ ہیں جگت اُستاد
اب یہ کس کی مجال ہے جو کرے   گفتگوئے قبول و استرداد
صاحبِ حرفِ "لذتِ گفتار"   نخلِ مریم کی آئے دینے داد
دیکھیے ہم گئے وہاں بھی نہیں   تھی جہاں آج محفلِ میلاد[1]
قرض تھا اک ادا ہوا باقؔر   آؤ شہلاؔ کو دیں مبارک باد
جس کا جو حق ہو، دینا پڑتا ہے   ہے عبادت سے بڑھ کے حقِ عباد
حُرمتِ حرف رکھنی پڑتی ہے   دینی پڑتی ہے حُسنِ شعر کی داد
نخلِ مریم سپہرِ حشمت ہے   نخلِ مریم نہیں کوئی افتاد

۲۰۰۰ء

نخلِ مریم زوالِ ظالم ہے   توڑ کر دل کو نکلی ہے فریاد

۲۰۰۰ء

نخلِ مریم نمودِ شہلاؔ ہے   نخلِ مریم صدائے نخلِ مراد

۱۴۲۱ھ

آج باقؔر کچھ ایسے لگتے ہو
جیسے جنات میں ہو آدم زاد

---

[1] شکاگو

شاہ محمد کامران

باعثِ مرگِ ناگہانی تھا　　حادثہ موت کی کہانی تھا
موت اور ایسے نوجوان کی موت　　اک قیامت ہے کامران کی موت
راس آئی نہ زندگی اس کو　　جانے کس کی نظر لگی اس کو
حُسن سے رسم و راہ کے دن تھے　　یعنی یہ اس کے بیاہ کے دن تھے
نارسائی سی نارسائی ہے　　کس جوانی میں موت آئی ہے
موت اور عالمِ شباب کی موت　　موسمِ گل میں اور گلاب کی موت
چین دل کا تھا، سکھ نظر کا تھا　　بُجھ گیا جو چراغ گھر کا تھا
ماں کا سامانِ دستگیری تھا　　باپ کا جو عصائے پیری تھا
بھائی بہنوں کو مان تھا اُس سے　　باپ کا دل جوان تھا اُس سے
خوش نسب، حاملِ سیادت تھا　　وہ گلِ گلشنِ ولایت[1] تھا
ذہن کا پکا، زباں کا سچا تھا　　طالبِ علمِ دین و دنیا تھا
تھی عزیز اپنی جو اساس بہت　　اس کو مذہب کا بھی تھا پاس بہت
تھا وہ آلِ نبیؐ کا شیدائی　　کیا تولائی تھا وہ مولائی
جب پڑھی بزم میں حدیثِ کسا　　ماں کو اُس وقت کتنا اچھا لگا
وہ گلستانِ رنگ و بو نہ رہا　　وہ گلِ شاخِ آرزو نہ رہا

[1] کامران کے والد کا نام

اب جو یادوں کے دشت میں گم ہے　　آج اُس نوجواں کا چہلم ہے
یادیں آ آ کے جب ستاتی ہیں　　اک قیامت دلوں پہ ڈھاتی ہیں
یومِ مادر گذر گیا بیٹا　　ماں کو تحفہ نہیں دیا بیٹا
یوں ہی دینا تھا غم تو دے جاتا　　اپنی یادیں تو ساتھ لے جاتا
زندگی بھر یہ غم رُلائے گا　　ماں کو کیسے قرار آئے گا
ماں کے دل میں تو غم کا ڈیرہ ہے　　جس طرف دیکھیے اندھیرا ہے
دل کے ارمان سارے دل میں رہے　　اسی دنیائے آب و گِل میں رہے
کیا کرے کوئی اعتبارِ نفس　　کچھ کسی کا نہ اختیار، نہ بس
اولیا، اوصیا کو آتی ہے　　موت تو انبیا کو آتی ہے
"موت سے کس کو رستگاری ہے"　　"آج وہ کل ہماری باری ہے"
یہ نہ کہیے کہ کیا کیا اُس نے　　اُس کا بندہ تھا لے لیا اُس نے
موت سے اک نئی حیات ملی　　امتحاں گاہ سے نجات ملی
گرچہ کڑیل جواں کا ماتم ہے　　صبر ہی ایک چارۂ غم ہے
سہل ہے چھاتی پہ، جبر مشکل ہے　　اس مصیبت پہ صبر مشکل ہے
دن کو شکھ ہے کہیں نہ رات کو چین　　کچھ سہارا ہے گر تو ذکرِ حسینؑ
سوگواروں کو صبر دے، یارب!　　ماتا کو تو اجر دے، یارب!
حادثہ کا وہ دن گیا لیکن　　لال اک ماں سے چھن گیا لیکن
آج ماحول پہ ہے یاس بہت　　بزم کے لوگ ہیں اُداس بہت
قوم کے نوجواں کے ماتم میں　　سب ہیں باقر شریک اس غم میں

آسماں کی طرح

قبلہ گاہی حضرت فیضؔ بھرت پوری مرحوم کی نذر

تھے جو کل تک متاعِ جاں کی طرح
آج ہیں حُسنِ داستاں کی طرح

اُن کے جانے سے یوں ہوا محسوس
فصلِ گل جیسے ہو خزاں کی طرح

دوستوں کے لیے ہمہ ایثار
فیضؔ تھے فیضِ بے کراں کی طرح

سچے ہمدرد، ایک مخلص دوست
وقت پہ یارِ مہرباں کی طرح

وہ زمانے کی دھوپ میں ہمہ وقت
سایہ گستر تھے سایباں کی طرح

خوش قدم، خوش مزاج، خوش اقبال
پیر دانا مگر جواں کی طرح

اُن کو حاصل تھی نکہتِ ایماں
وہ مہکتے تھے گلستاں کی طرح

محفلوں میں وہ اِک خلیق بزرگ
کارِ ہستی میں نوجواں کی طرح

خود وہ اپنا مزاج رکھتے تھے
کیوں کہیں ہم کہ تھے فلاں کی طرح

تھے وہ فکرِ دبیرؔ سے مانوس
مرثیے اُن کے ارمغاں کی طرح

مرثیہ گوئی ان کا ایماں تھا
مرثیہ تھا عزیز جاں کی طرح

حُسنِ خُلق اور حرفِ حق کی طرف
وہ بلاتے رہے اذاں کی طرح

مرثیہ گوئی کے افق پہ ہیں
آج بھی مہر ضو فشاں کی طرح

مرثیے کی زمین پہ، باقرؔ!
فیض دائم ہیں آسماں کی طرح

۱۴۰۹ھ

بھولتے ہی نہیں ہو تم جعفر!

اپنے بھائی جعفر زیدی کی یاد میں

چین پڑتا ہے دن نہ رات مجھے
لے کے آئی کہاں حیات مجھے

ساتھ اکسٹھ برس کا چھوٹ گیا
اُس کے جانے سے میں تو ٹوٹ گیا

وہ ارادوں کی استقامت تھا
وہ مرے بازوؤں کی طاقت تھا

جسم میں میرے جان تھی اس سے
میری پیری جوان تھی اُس سے

سب ہی بگڑے بنے کا ساتھی تھا
وہ مرے بچپنے کا ساتھی تھا

ہر جگہ دونوں ساتھ جاتے تھے
نام بھی ساتھ ساتھ آتے تھے

بچپنے میں بگڑ بھی لیتا تھا
بات بے بات لڑ بھی لیتا تھا

منقبت زور دے کے لکھواتا
مرثیہ خود وہ مجھ سے لکھواتا

وہ محبت کے ڈھنگ جانتا تھا
سادگی کے بھی رنگ جانتا تھا

تھا جو واقف دلوں کے بندھن سے
وہ جھگڑتا تھا آ کے چندن سے

کہتا تھا ان سے کوئی کام نہ لیں
کچھ بہ جز خدمتِ امام نہ لیں

مرثیہ جب تمام ہوتا تھا
یہ بھی اُس کا ہی کام ہوتا تھا

پہلے پڑھ کے مجھے سناتا تھا
جو تاثر ہو وہ بتاتا تھا

کام کی میرے فکر اُس کو تھی
نام کی میرے فکر اُس کو تھی

اُس نے اُونچا رکھا مقام مرا
دل سے کرتا تھا احترام مرا

خوش کلامی سے میری خوش ہوتا
نیک نامی سے میری خوش ہوتا

کب کہیں اپنا ذکر کرتا تھا
میری راحت کی فکر کرتا تھا

جانے کیا کچھ نہ مانتا تھا مجھے
باپ کے مثل جانتا تھا مجھے

پاؤں آگے کبھی جو دھرتا تھا
سبقت نیکیوں میں کرتا تھا

کیا توکل تھا کیا قناعت تھی
روزی ساری حلال محنت تھی

اپنے سب واجبات دیتا تھا
یعنی خمس و زکات دیتا تھا

دور بھوکوں کی بھوک کرتا تھا
سب سے اچھا سلوک کرتا تھا

اُس کے ہر کام میں تھی اُس کی جھلک
دیکھتا تھا ہر ایک نوک پلک

نیک نیت تھا، پاک باطن تھا
سب ہی کرتا تھا، جو بھی ممکن تھا

گھر میں کب کوئی چیز عنقا تھی
ہر ضرورت کی شے مہیا تھی

ہر گھڑی دیکھ بھال رکھتا تھا
سارے گھر کا خیال رکھتا تھا

جو سلیقہ تھا، سب اُسی کو تھا
کام کرنے کا ڈھب اُسی کو تھا

اُس کو مذہب کا بھی شغف تھا بہت
وہ فدائے شہِ نجف تھا بہت

شیر مادر میں تھی جو حبِ علیؑ
زندگی اُس کی بھی اِسی میں ڈھلی

باپ تھا مرثیہ نگارِ حسینؑ
خود بھی کرتا تھا خوب کارِ حسینؑ

رنگ اُس پہ ولا کا گہرا تھا
وہ عزادارِ جانِ زہراؑ تھا

تھا عزا میں وہ پیروِ اسلاف
کبھی کرتا نہیں تھا اُس کے خلاف

وہ بزرگوں کی آن رکھتا تھا
عزتِ خاندان رکھتا تھا

کیا عزائے حسینؑ کر کے گیا
خدمتِ والدین کر کے گیا

تن سے جادو جگا کے سویا ہے
من کے قرضے چکا کے سویا ہے

عہد سارے وفا کیے اُس نے
قرض سارے ادا کیے اُس نے

جس کا جو حق تھا، اس کو دے کے گیا
اور دعائیں بھی ساتھ لے کے گیا

لطف اٹھایا ہر اک عبادت کا
حج و عمرہ کا اور زیارت کا

محفلوں، مجلسوں کی رونق تھا ۔۔۔ پیروِ دعبل و فرزدق تھا
راہ رُو مسلکِ حسینی کا ۔۔۔ تھا طرف دار وہ خمینی کا
کیسا دیں دار مر گیا، افسوس ۔۔۔ کیا عزادار مر گیا، افسوس
دوستوں کا رہا رفیق بہت ۔۔۔ چھوٹے بچوں پہ تھا شفیق بہت
اچھا فرزند بھی، برادر بھی ۔۔۔ باپ بھی اچھا اور شوہر بھی
کیا بتائے کوئی نظام کا غم ۔۔۔ ہائے کیا بزم ہوگئی برہم
قلب سب کے دو نیم کرکے گیا ۔۔۔ جن کو پالا یتیم کرکے گیا
اوج عدنان کا نہیں دیکھا ۔۔۔ سہرا عمران کا نہیں دیکھا
بیٹیوں کا اُسے بہت تھا خیال ۔۔۔ باپ کے غم سے جو ہوئی ہیں نڈھال
یاد آتی ہیں شفقتیں اُس کی ۔۔۔ خوں رُلاتی ہیں چاہتیں اُس کی
جلدی اُس کے مزاج میں تھی بہت ۔۔۔ اُس کے ہر کام کاج میں تھی بہت
کی نہ سستی، کبھی نہ غفلت کی ۔۔۔ اُس نے مرنے میں بھی تو عجلت کی
جانے کتنے دلوں کو توڑ گیا ۔۔۔ جانے والا سبھی کو چھوڑ گیا
ہر خوشی غم میں ہاتھ رکھتا تھا ۔۔۔ رونقیں اپنے ساتھ رکھتا تھا
کشتِ دل زعفران اُس سے تھی ۔۔۔ رونقِ خاندان اُس سے تھی
اپنے قول و عمل میں سچا تھا ۔۔۔ سچ یہ ہے ہم میں سب سے اچھا تھا
چین دل کو نہیں جدائی پہ ۔۔۔ فخر ہے مجھ کو اپنے بھائی پہ
ہے تو سچ گو مثل پُرانی ہے ۔۔۔ بعد مرنے کے قدر جانی ہے
دل کچھ ایسے اُجڑ گیا میرا ۔۔۔ جیسے کچھ بھی نہیں رہا میرا

راحتیں ہوگئی ہیں گُم، جعفر!
بھولتے ہی نہیں ہو تم، جعفر!

صدائے ماتم—سچّے کی موت پر

معروف نوحہ خواں سچّے کی یاد میں

کھل گئی اور اک بیاضِ الم ۔۔۔ بجھ گئی اور اک صفِ ماتم
جس کی آواز میں تھا رنگِ سروش ۔۔۔ وہ زباں آج ہوگئی خاموش
جو اُترتی تھی دل میں وہ آواز ۔۔۔ گھر جو کرتی تھی دل میں وہ آواز
وہ ترنّم وہ سوز اور وہ ترنگ ۔۔۔ منفرد لحن و لہجہ و آہنگ
دل کے تاروں کو جھنجھناتی تھی ۔۔۔ وہ صدا سب کے دل کو بھاتی تھی
کان اُس کے سُخن کے عادی تھے ۔۔۔ طالبِ جوشِ اعتقادی تھے
ناطقہ جب دہن کو چومتا تھا ۔۔۔ نام لے کر علی کا جھومتا تھا
کس عقیدت سے نام لیتا تھا ۔۔۔ کس محبت سے کام لیتا تھا
وہ محبت کا درجۂ عالی ۔۔۔ عشقِ مولا میں شیعۂ غالی
سب کا تھا دوست، سب سے تھی الفت ۔۔۔ دشمنِ اہلِ بیت سے نفرت
تابعِ حکمِ حرفِ بلّغ تھا ۔۔۔ مسلکِ غم کا اک مبلّغ تھا
کام تھا صبح و شام ذکرِ حسین ۔۔۔ ہر گھڑی، ہر مقام ذکرِ حسین
بے دریغ اور بے دھڑک بیدار ۔۔۔ شبِ ماتم میں صبح تک بیدار
ماتمیوں میں اک منارہ تھا ۔۔۔ فردِ واحد نہیں، ادارہ تھا
نوحہ خوانی کا دلنشیں انداز ۔۔۔ جس پہ مرتے تھے لوگ، وہ آواز

لب پہ نامِ حسینؑ آتا تھا — تب کہیں اُس کو چین آتا تھا
کب کوئی گرد اُس کے دل میں رہی — دولتِ درد اُس کے دل میں رہی
ہر نفس وقفِ ماتمِ شبیرؑ — زندگی کیا تھی، بس غمِ شبیرؑ
ناشرِ ظلمِ کربلا تھا وہ — عاشقِ آلِ مصطفیٰؐ تھا وہ
جس کا شہرہ تھا اس قدر مشہور — اور کوئی نہ تمکنت نہ غرور
وہ دلوں سے اُتر نہیں سکتی — اُس کی آواز مَر نہیں سکتی
صاحبانِ عزا میں زندہ ہے — اپنے حرف و نوا میں زندہ ہے
ہوگا تجھ کبھی نہ ہم سے جُدا — یہ صدا گونجتی رہے گی سدا

صاحبِ ذوالفقار، المدوے!
شاہِ دُلدل سوار، المدوے!

قطعہِ تاریخِ وفات

(ڈاکٹر سیّد ناظر حسن زیدی)

آج پھر وقفِ حزن و یاس ہے دل
آج باقرؔ کا پھر اُداس ہے دل
ایک حرفِ قرار تھا، نہ رہا
اک شجر سایہ دار تھا، نہ رہا
صاحبِ علم ہو گیا روپوش
اِک چراغ اور ہوگیا خاموش
علم کی صحبتیں اُجاڑ ہوئیں
ہائے کیا رونقیں اُجاڑ ہوئیں
صرف بچے نہیں یتیم ہوئے
غم سے شاگرد بھی دو نیم ہوئے
کتنے شاگرد ہیں، شمار نہیں
خالی ان سے کوئی دیار نہیں
چاہتوں میں وہ یار کی مانند
ایک جھونکا بہار کی مانند

شیر و شکّر سا گُھل کے ملتا تھا
جب بھی ملتا تھا، کھل کے ملتا تھا

فکرِ نو کے گلاب دیتا تھا
خط کا جلدی جواب دیتا تھا

علم کے مسئلوں کا حل کرتا
آج کے کام کو نہ کل کرتا

جو پڑھا ایک بار ہوگیا یاد
اپنے وقتوں کا بہترین استاد

دوستوں کا رفیق تھا ناظر
کم سِنوں پہ شفیق تھا ناظر

یاد آتی ہیں چاہتیں اُس کی
علم آثار صحبتیں اُس کی

خوش بیاں، خوش سُخن کا چہلم ہے
آج ناظر حسن کا چہلم ہے

اک سعیدِ وحید کی اولاد
یعنی زیدِ شہید کی اولاد

وہ اَب و جد کا ورثہ دار رہا
علم و حکمت سے باوقار رہا

جو قرینہ تھا وہ سلف کا تھا
ریزِ خم خانۂ نجف کا تھا

اگلی پچھلی شرافتوں کا نچوڑ
سیدھا سادھا، نہ کوئی جوڑ نہ توڑ

صاحبِ فہم تھا، ذہین تھا وہ
اپنی تہذیب کا امین تھا وہ

کیا سماجی شعور رکھتا تھا
ہر تعصب کو دور رکھتا تھا

گفتنی، منکسر مزاجی تھی
دیدنی، زندگی سماجی تھی

ہمت و حوصلے میں عالی تھا
اُس کا اخلاق بھی مثالی تھا

متواضع، سلیم، خوش اطوار
بے بدل، بے دریغ، بے آزار

حرفِ درسِ حیات ہوتی تھی
اُس کی باتوں میں بات ہوتی تھی

علم سے ہی رہا ہمیشہ شغف
سرمۂ چشم خاکِ پاکِ نجف

سندوں کو سبیل کرتا تھا
بات کب بے دلیل کرتا تھا

اک حوالوں کا باب تھا گویا
چلتی پھرتی کتاب تھا گویا

تن کا اُجلا تھا، من کا سچا تھا
اچھے اچھوں سے بھی وہ اچھا تھا

پیاسوں کو چاہِ علم تھا ناظر
صاحبِ راہِ علم تھا ناظر

۲۰۰۴ء

آپ اپنی مثال تھا ناظر
علم کی قیل و قال تھا ناظر

۲۰۰۴ء

صدرِ بزمِ نجوم تھا ناظر
رنگِ کوہِ علوم تھا ناظر

۲۰۰۴ء

شجرِ سایہ دار تھا ناظر
روئے پاکِ بہار تھا ناظر

۲۰۰۴ء

کب وہ باقرؔ دیارِ زشت میں ہے
اب تو ناظر حسن بہشت میں ہے
اس جہاں سے نجات ہوتی ہے
مرگِ مومن حیات ہوتی ہے

تاریخِ کمال انیسؔ = ۱۴۲۳ھ

ڈاکٹر سیّد تقی عابدی کے تجزیہ یادگار مرثیہ کا قطعۂ تاریخ

یہ فکرِ نظم دُر و لعلِ یادگارِ انیس ۲۰۰۲ء
خصوص رنگ تقی عابدی بکارِ انیس ۲۰۰۲ء
وہ اک عطائے سخن ہے تو یہ ہے دادِ سخن ۲۰۰۲ء
یہ آرزوئے تقی ہے، وہ شاہکارِ انیس ۱۴۲۳ھ

قطعہِ تاریخِ وفات جناب سیّد صادق مرحوم

سیّد صادق ولا کے ورثہ دار
خوش نظر شیریں بیاں گردوں وقار
مشکلوں میں بھی نہ گھبرائے کبھی
وہ خزاں میں بھی تھے اک موجِ بہار
بابِ شہرِ علم پر تھے سجدہ ریز
علم سے رکھتے تھے رشتہ اُستوار
زندگی پڑھتے پڑھانے میں کٹی
علم کی ترسیل تھی اُن کا شعار
خوبیاں تھیں مرنے والے میں بہت
مصرعِ تاریخ ہے سنگِ مزار = ۲۰۰۴ء

''علقمہ کے ساحل پر'' قطعہِ تاریخ

میں جاؤں سالِ رواں، علقمہ کے ساحل پر
حدیثِ دل ہو بیاں، علقمہ کے ساحل پر
سبیلِ آب کہاں، علقمہ کے ساحل پر
امامِ تشنہ وہاں، علقمہ کے ساحل پر
صباحِ زیست گراں، علقمہ کے ساحل پر = ۱۴۲۵ھ
ہے رنگِ آہ و فغاں، علقمہ کے ساحل پر
قیامِ ہم سخناں، علقمہ کے ساحل پر
ہجومِ تشنہ لباں، علقمہ کے ساحل پر
کہیں ہے نعت کہیں منقبت سلام کہیں
کلامِ فیض رساں، علقمہ کے ساحل پر
ابھی حسینؑ کے خیمے لگائے جاتے ہیں
بہشت کا ہے سماں، علقمہ کے ساحل پر
انہیں کے دم سے ہیں باقی یہ مسجدیں یہ نماز
جو دے گئے ہیں اذاں، علقمہ کے ساحل پر
مجال ہے یہ کسی کی کہ راستہ روکے
کھڑا ہے شیرِ ژیاں، علقمہ کے ساحل پر

وہ موجِ آب پہ کندہ ہوئے نقوشِ وفا
مٹا سکا نہ جہاں، علقمہ کے ساحل پہ
لگی ہے آگ یہ کن بے کسوں کی بستی میں
گھٹا ہوا ہے دھواں، علقمہ کے ساحل پہ
اندھیری رات پہ ہم صدائیں رونے کی
ہے مضطرب کوئی ماں، علقمہ کے ساحل پہ
یہ ارضِ دل ہے یہاں پاؤں دیکھ کر رکھنا
لکھا ہے ہم نفساں، علقمہ کے ساحل پہ
جو کوئی پوچھے عقیدت کے گلستاں ہیں کہیں
تو میں کہوں گا کہ ہاں، علقمہ کے ساحل پہ
کچھ اس سے اچھا نہیں زندگی کا مصرف اور
ادائے تحفۂ جاں، علقمہ کے ساحل پہ
وہیں کی مٹی میں مل جائے مری مٹی بھی
مجھے ہے حرصِ جناں، علقمہ کے ساحل پہ
دلوں میں بغضِ علی ہو تو کب پہنچتی ہے
نگاہِ کم نظراں، علقمہ کے ساحل پہ
خدا کرے کہ ہوں فصلِ عزا میں ہم سے ادا
رسومِ غم زدگاں، علقمہ کے ساحل پہ = ۲۰۰۴ء
دل و نظر میں اندھیرا تو رہ نہیں سکتا
ہے نورِ اشک رواں، علقمہ کے ساحل پہ = ۱۴۲۵ھ
یہ فائدے کی تجارت یہ خلد کا سودا
نہیں سوالِ زیاں، علقمہ کے ساحل پہ

عطائے جعفر و زہرا ہے یہ عنایتِ رب = ۱۴۲۵ھ
سخن ہے نور فشاں، علقمہ کے ساحل پہ
بساط کیا ہے یہ مولا کا فضل ہے باقرؔ
کہ ہم سا ہیچ مداں، علقمہ کے ساحل پہ

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری کی تحقیقی کتاب
''اقبالیات کے نئے گوشے'' کا قطعۂ تاریخ

لکھی ابھی جو حیدری صاحب نے اک کتاب ۹۲۹
''اقبالیات کے نئے گوشے'' دکھائے ہیں ۱۰۷۶
۲۰۰۵ء

ان کا قلم ہے نقد و ادب کا مزاج دار ۷۰۱
پایندگیِ فکر کے دریا بہائے ہیں ۷۲۵
۱۴۲۶ھ

نیر اسعدی کے مجموعۂ مراثی ''کشکول'' کا قطعۂ تاریخ

بات کرنے سے پہلے بات کو تول
انگبیں ولا میں زہر نہ گھول
تھی طبیعت بڑی ہی ڈانواں ڈول
پھر بھی لکھ لائے خیر کے دو بول

کتنے ڈالے ہیں چاہِ فکر میں ڈول
ہوا لبریز تب کہیں کشکول
شہر لاہور ہو کراچی ہو
بستی بستی میں بج رہا ہے ڈھول

مرثیے کی کتاب آئی ہے
نام نیّر نے رکھا ہے کشکول
مختلف ہے تمام صنفوں سے
مرثیے کا سخن نہیں ہے ٹھٹھول

دان کی اُس کو کب کمی ہوگی
جس کے ہاتھوں میں آگیا کشکول
یہ گدائی تو بادشاہی ہے
ایک ہی در سے بھر گیا کشکول

کڑوی باتیں تو ہوتی رہتی ہیں
بول باقرؔ کچھ آج میٹھے بول

کیا کہیں اس کتاب کے اوصاف
یہ ہے نیرؔ کا تحفۂ بے مول

فیض سے فیض یاب تھے نیرؔ
کہیں ممکن نہیں کلام میں جھول

دُرِ مقصود ہاتھ آئے ہیں
شاعری ہے نہیں ہے کوئی ٹھٹھول

تیرے محبوب کے فضائل ہیں
اے خدا اب تو بابِ رحمت کھول

اس میں مدحِ علیؑ کے دفتر ہیں
بات سیدھی ہے یہ نہیں کچھ گول

کس قیامت کے ہیں مصائب بھی
گوہرِ اشک دونوں آنکھوں سے رول

ہر جگہ مجلسوں میں نیرؔ کو
سننے آتے ہیں لوگ غول کے غول

جو سفر میں ہوں مل ہی جاتے ہیں
خیر سے ہے ہماری دنیا گول

ہو یہ مقبولِ بارگاہِ حسینؑ
اجر شاعر کو بھی ملے انمول

سانچ کو آنچ ہو نہیں سکتی
جھوٹ کا جل فریب ڈھول کا پول

ہم کو کہنا ہے قطعۂ تاریخ
ہم سے ممکن نہیں تھی ٹال مٹول

بادۂ گل سے بن گئی تاریخ = ۱۴۲۵ھ
نیرؔ اوج، باغِ خُلد کا مول = ۲۰۰۴ء

مناجات

ترتیب

عریضہ ۵۲۱

عریضہ

مؤنسِ انس و جاں، مدد کر دو
روحِ کون و مکاں، مدد کر دو
جانِ مُستضعفاں، مدد کر دو
بے اماں کی اماں، مدد کر دو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

ناظمِ دہَر ہو، مدد کر دو
ناصرِ حشر ہو، مدد کر دو
والیِ عصر ہو، مدد کر دو
صاحبِ امر ہو، مدد کر دو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

مہرِ امید لازوال ہو تم
عسکری، ہیبت و جلال ہو تم
باغِ زہراؑ کے نونہال ہو تم
ابوطالبؑ کے گھر کے لال ہو تم
یا امامِ زماں، مدد کر دو

کُل جہاں میں ہو تم خدا والے
مصطفیؐ والے، مرتضیٰؑ والے
گلشنِ مسلکِ وفا والے
سب تمہارے ہیں کربلا والے
یا امامِ زماں، مدد کر دو

فخرِ اسلاف و خانداں تم ہو
ہر بلندی کا آسماں تم ہو
خلق و خالق کے درمیاں تم ہو
صاحب العصرؑ و الزماں تم ہو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

دھوپ میں سایۂ شجر تم ہو
دل کے ارمان کی نظر تم ہو
راہ رو سب ہیں راہ بَر تم ہو
کوئی اپنا نہیں مگر تم ہو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

تم سے قائم ہے مامنِ ہستی
پا بہ جولاں ہے، توسَنِ ہستی
تم سے روشن ہے خرمَنِ ہستی
تر و تازہ ہے گلشنِ ہستی
یا امامِ زماں، مدد کر دو

ہادیِ وقت ہو، امام ہو تم
اہلِ ایماں کی صبح و شام ہو تم
روشنی کا نیا پیام ہو تم
رات، دنیا، مہِ تمام ہو تم
یا امامِ زماں، مدد کر دو

مقتدر تم ہو، معتبر تم ہو
منتظر سب ہیں منتظر تم ہو
مبتدا وقت ہے، خبر تم ہو
آخری رات کی سحر تم ہو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

حالِ بد اپنا گفتنی تو نہیں
دُکھ بہت ہیں کہیں خوشی تو نہیں
جانے کیا ہے، یہ زندگی تو نہیں
یہ حقیقت ہے، شاعری تو نہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

منتشر خاندان ہیں، مولا
دوست نامہربان ہیں، مولا
بستیاں بے امان ہیں، مولا
مسجدیں بے اذان ہیں، مولا
یا امامِ زماں مدد کر دو

اور دارالامان کوئی نہیں
حامی و مہربان کوئی نہیں
خستہ جانوں کی جان کوئی نہیں
تم ہو دل کی زبان کوئی نہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

ہم کو آپس کی پھوٹ نے مارا
پھوٹ کی لوٹ پھوٹ نے مارا
نفسا نفسی کی چھوٹ نے مارا
سچ کو چھوڑا تو جھوٹ نے مارا
یا امامِ زماں، مدد کر دو

علم بیزار جہل پیکر ہیں
خود غرض، بے ضمیر و خود سر ہیں
جو بُرے ہیں، ہم ان سے بدتر ہیں
پھر بھی آپے سے اپنے باہر ہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

دل میں ضد ہے، حسد ہے، کینہ ہے
ایسا جینا بھی کوئی جینا ہے
کب سے طوفان میں سفینہ ہے
دل تو کیا ہے، اِک آب گینہ ہے
یا امامِ زماں، مدد کر دو

چشم و دل کی ہوئی ہے ارزانی
ہر گھڑی فکرِ عیشِ جسمانی
خواہشِ زندگی طولانی
حد ہے دیدوں کا ڈھل گیا پانی
یا امامِ زماںؑ، مدد کر دو
غیر سے، آشنا سے لڑتے ہیں
قسمتِ نارسا سے لڑتے ہیں
ہم تو چلتی ہوا سے لڑتے ہیں
بندے ہو کر خدا سے لڑتے ہیں
یا امامِ زماںؑ، مدد کر دو
مال و دولت نہیں، غریب ہیں ہم
سب سمجھتے ہیں کم نصیب ہیں ہم
خود ہی مصلوب، خود صلیب ہیں ہم
مختلف سب سے ہیں، عجیب ہیں ہم
یا امامِ زماںؑ، مدد کر دو
بوڑھے کھو دیں کہ نوجواں کھو دیں
سوچتے ہی رہیں کہاں کھو دیں
آگ لگ جائے تب کنواں کھو دیں
جہاں پانی نہ ہو، وہاں کھو دیں
یا امامِ زماںؑ، مدد کر دو

غم کی ناشادیوں میں قید ہیں ہم
دل کی بربادیوں میں قید ہیں ہم
نفس کی وادیوں میں قید ہیں ہم
اپنی آزادیوں میں قید ہیں ہم
یا امامِ زماںؑ مدد کر دو
روز بکتے ہیں، ایسا مال ہیں ہم
خود فروشی میں بے مثال ہیں ہم
حل نہیں جس کا، وہ سوال ہیں ہم
کیا وہ ماضی تھا، کیا یہ حال ہیں ہم
یا امامِ زماںؑ، مدد کر دو
دل میں اِک دوسرے سے رنجش ہے
ہم ہیں اور دشمنوں کی سازش ہے
نہ رہیں ہم یہ سب کی کوشش ہے
یہ عریضہ، یہی گزارش ہے
یا امامِ زماںؑ، مدد کر دو
سب کے ہم چشم ہیں، رقیب ہیں ہم
بے ادب ہیں مگر ادیب ہیں ہم
شاعر و ذاکر و خطیب ہیں ہم
باغِ زہراؑ کے عندلیب ہیں ہم
یا امامِ زماںؑ، مدد کر دو

ظلم دنیا کے ہو رہے ہیں جدید
ہو چکے، اور ہو رہے ہیں مزید
اہلِ حق پہ صعوبتیں ہیں شدید
ابھی باقی ہیں پیروانِ یزید

یا امامِ زماں مدد کر دو

اجنبی ہوں گے آشنا کیسے
راس آئے گی یہ فضا کیسے
اُلٹی یہ چل گئی ہوا کیسے
آگ اور پھوس ایک جا کیسے

یا امامِ زماں مدد کر دو

ساتھ ظالم کا کس کو ہے منظور
آگ، پانی کا بیر ہے مشہور
زندہ رہ کر ہیں زندگی سے دور
آپ مختار اور ہم مجبور

یا امامِ زماں، مدد کر دو

آتشِ خوف و یاس بجھتی نہیں
کبھی شمعِ ہراس بجھتی نہیں
بے اساسوں کی آس بجھتی نہیں
آنسوؤں سے تو پیاس بجھتی نہیں

یا امامِ زماں، مدد کر دو

بے صفت ذات لے کے آیا ہوں
اپنے دن، رات کے لے آیا ہوں
اپنی اوقات لے کے آیا ہوں
یہ مناجات لے کے آیا ہوں

یا امامِ زماں، مدد کر دو

وہی دنیا کی صبح شام ہے پھر
دینِ شاہی کے زیرِ دام ہے پھر
خونِ ناحق صلائے عام ہے پھر
طاقتِ وقت بے لگام ہے پھر

یا امامِ زماں، مدد کردو

اپنے عالم پناہ اب بھی ہیں
اپنے ظلِ الٰہ اب بھی ہیں
ہم طرف دارِ شاہ اب بھی ہیں
ہم تو گم کردہ راہ اب بھی ہیں

یا امامِ زماں، مدد کر دو

اور ہے کون جس کو نسبت ہے
کس کو ہم سے زیادہ چاہت ہے
یہ بہانے نہیں، حقیقت ہے
اب یہی وقت کی ضرورت ہے

یا امامِ زماں، مدد کر دو

عشق کا دم ہمیں تو بھرتے ہیں
حسن کی ہر ادا پہ مرتے ہیں
ہجر میں جان سے گزرتے ہیں
آپ کا انتظار کرتے ہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

کون ہے اور جس سے پیار کریں
کب تک آنکھوں کو اشک بار کریں
کیسے تسکینِ قلبِ زار کریں
اور اب کتنا انتظار کریں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

نہ کہیں آپ سے تو کس سے کہیں
چپ رہیں بھی اگر تو کیسے رہیں
ساری دنیا کے ظلم کیسے سہیں
اشک آنکھوں میں ہیں، بہیں نہ بہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

آپ مالک ہیں ہر خزانے کے
آپ مختار ہیں زمانے کے
دن یہی تو ہیں کام آنے کے
خلق کو ظلم سے بچانے کے
یا امامِ زماں، مدد کر دو

اک سہارا نہیں تمہارے سوا
کوئی اپنا نہیں تمہارے سوا
کچھ تمنا نہیں تمہارے سوا
دل کسی کا نہیں تمہارے سوا
یا امامِ زماں، مدد کر دو

حال تم سے چھپا نہیں سکتے
شرم سے کچھ بتا نہیں سکتے
پاس آئیں تو آ نہیں سکتے
اور کسی در پہ جا نہیں سکتے
یا امامِ زماں، مدد کر دو

کیا پتا کس جہاں میں رہتے ہو
کس زمیں آسماں میں رہتے ہو
چین و ہندوستاں میں رہتے ہو
یا کہیں لامکاں میں رہتے ہو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

گھر تمہارا کہاں ہے، کیا معلوم
خضر کو کب ہے راستہ معلوم
کچھ کسی کو نہیں پتا معلوم
جانے کیا بھید ہے خدا معلوم
یا امامِ زماں، مدد کر دو

ہوتا معلوم گھر تو آ جاتے
زخمِ دل آ کے خود دکھا جاتے
اپنی رودادِ غم سنا جاتے
کچھ تو دل کی مراد پا جاتے
یا امامِ زماں، مدد کر دو

واسطہ فخرِ انبیا کا تمھیں
واسطہ روحِ سیّدہؑ کا تمھیں
واسطہ شبیرِ کبریا کا تمھیں
واسطہ شاہِ کربلا کا تمھیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

تم کو عباسِ باوفا کی قسم
تم کو بیمارِ کربلا کی قسم
تم کو سرہانے بے ردا کی قسم
چودہ سو سال کی عزا کی قسم
یا امامِ زماں، مدد کر دو

سب کی حاجت روائیاں کی ہیں
خلق کی ناخدائیاں کی ہیں
خوب قبلہ نمائیاں کی ہیں
تم نے مشکل کشائیاں کی ہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

اور ہیں جن کو ہے رقم درکار
کچھ نہیں ہم کو بیش و کم درکار
کس لیے ہوگا جامِ جم درکار
ہے فقط آپ کا کرم درکار
یا امامِ زماں، مدد کر دو

لعل و گوہر تو مانگتے بھی نہیں
بھرے ساغر تو مانگتے بھی نہیں
ماہ و اختر تو مانگتے بھی نہیں
حد سے باہر تو مانگتے بھی نہیں
یا امامِ زماں مدد کر دو

دشمنی ہو تو دوستی کے لیے
غم اٹھائیں مگر کسی کے لیے
دل جلے بھی تو روشنی کے لیے
موت آئے تو زندگی کے لیے
یا امامِ زماں، مدد کر دو

بکھرے اجزا ہیں ہم، بہم کر دو
خشک مٹی ہوئی ہے، نم کر دو
سرکشوں کے تو سر قلم کر دو
زندگی کچھ تو محترم کر دو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

غم کی افراط ہے، خوشی دے دو
علم و دانش کی روشنی دے دو
دین و دنیا کی آگہی دے دو
جو میسّر نہیں، سبھی دے دو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

باہمی صلح و آشتی دے دو
روحِ خستہ کو تازگی دے دو
دو تو عزّت کی زندگی دے دو
ورنہ ہم کو تو موت ہی دے دو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

عافیت کے جہان میں لے لو
میری نسلیں امان میں لے لو
یہ رسالے کمان میں لے لو
ساری کھیتی لگان میں لے لو
یا امامِ زماں، مدد کر دو

پردہ غیبت کا کب اٹھاؤ گے
اپنا دیدار کب کراؤ گے
خود کو کب تک چھپائے جاؤ گے
عرصۂ حشر ہی میں آؤ گے
یا امامِ زماں، مدد کر دو

خضرؑ خود مقتدی حضور کے ہیں
ابنِ مریم بھی کون دور کے ہیں
یادِ جلوے جو کوہِ طور کے ہیں
خشک و تر منتظر ظہور کے ہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

صاحبِ صبح و شام آجاؤ
حاملِ احتشام آجاؤ
عصرِ نَو کے امام آجاؤ
ہجر کر دو تمام، آجاؤ
یا امامِ زماں، مدد کر دو

بن تمھارے حیات اچھی نہیں
زیست کیا، کائنات اچھی نہیں
کوئی دن، کوئی رات اچھی نہیں
آ بھی جاؤ، یہ بات اچھی نہیں
یا امامِ زماں، مدد کر دو

بنی ہاشم کی شان اُورکی
بی بی نرجس کی جان اُورکی
عسکری کے نشان اُورکی
بے امانوں کے مان اُورکی
یا امامِ زماں، مدد کر دو

لب پہ ہے صبح و شام اَورکتی
ہر گھڑی ہر مقام اَورکتی
کیا سخن، کیا کلام اَورکتی
العجل، الامام اَورکتی
یا امامِ زماں، مدد کر دو